مُطالعۂ پاکستان

دسویں جماعت کے لیے

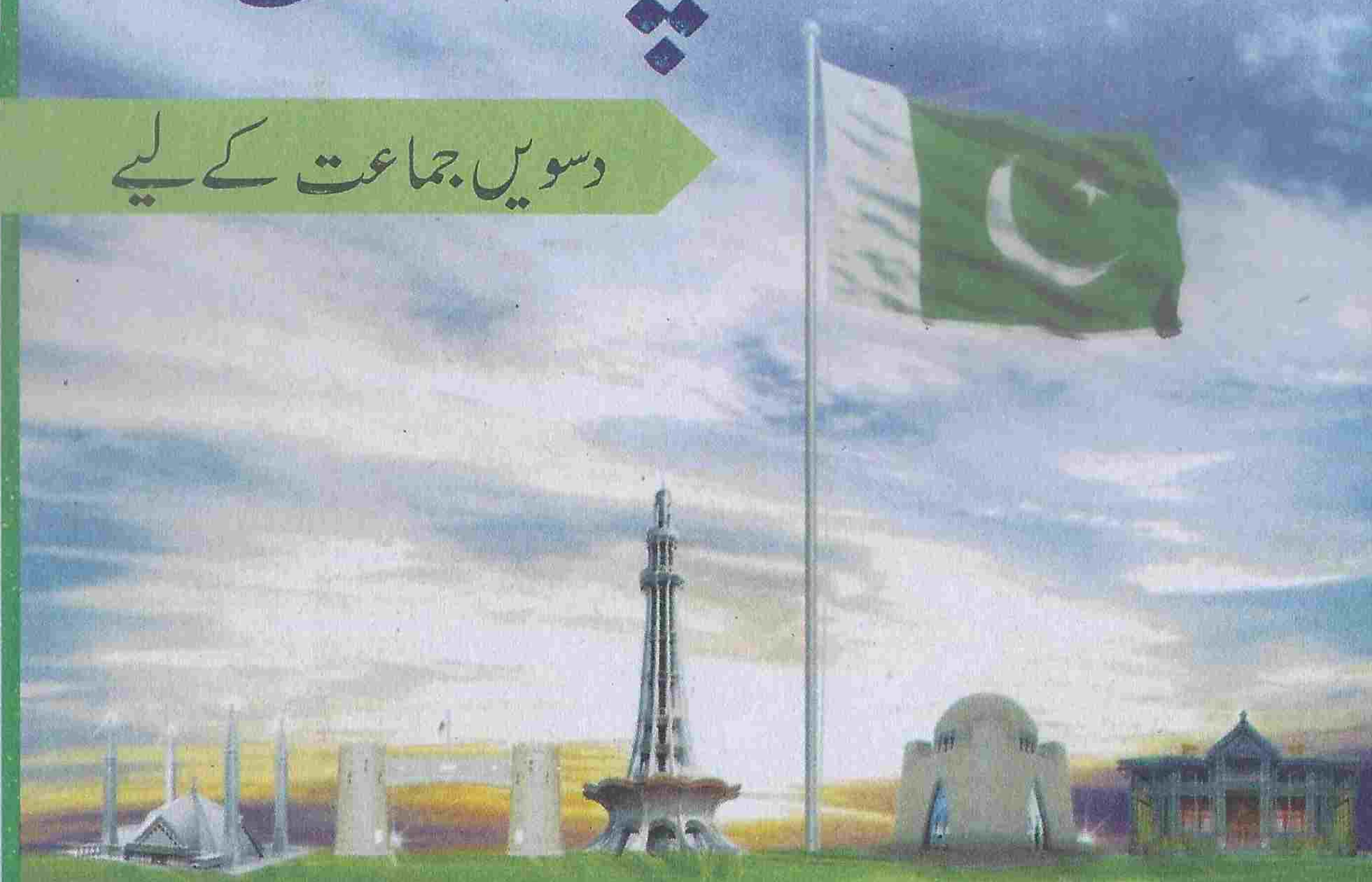

سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ

طبع کنندہ:

طیبہ انٹرنیشنل، حیدرآباد۔

Ministry of National Health Services,
Regulations and Coordination
Government of Pakistan

نوول کورونا وائرس COVID-19

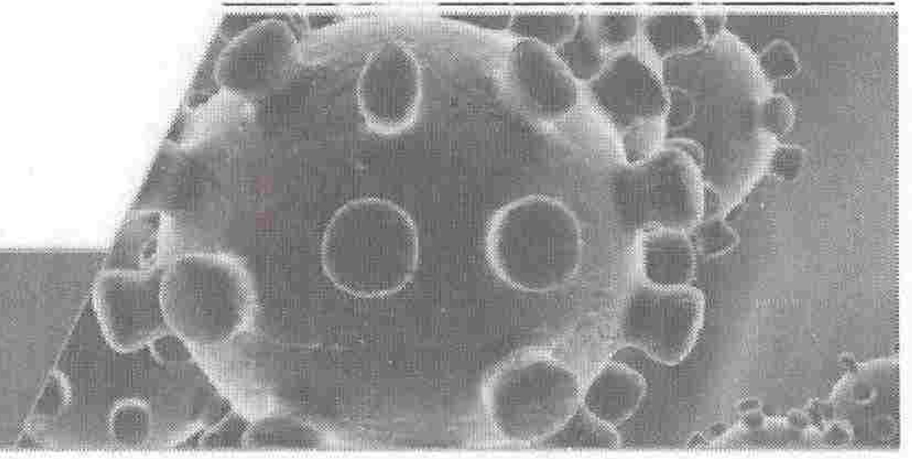

اس مشکل میں ہم سب ساتھ ہیں

ہمیں یکجہتی کی ضرورت ہے

کورونا سے متاثرہ لوگوں سے ہمدردی برتیں۔ تفریق آمیز رویہ اختیار کرنے کی وجہ سے لوگ ٹیسٹ کروانے سے کترائیں گے جو کہ ہم سب کے لیے خطرناک ہو سکتا ہے۔

انسانیت کی قدر کریں

کورونا سے متاثرہ افراد کو خدمات اور امداد فراہم کرتے ہوئے ان کی عزت و وقار کا خیال رکھیں۔

دوسروں کی مدد کریں

کورونا وائرس کی وبا کے دوران اپنے خاندان والوں اور دوستوں کا حال احوال معلوم کرتے رہیں۔ ایسے لوگوں کو جلد صحت یابی کیلیے بنیادی ضروریات کے حصول میں آپ کی مدد کی ضرورت ہو سکتی ہے۔

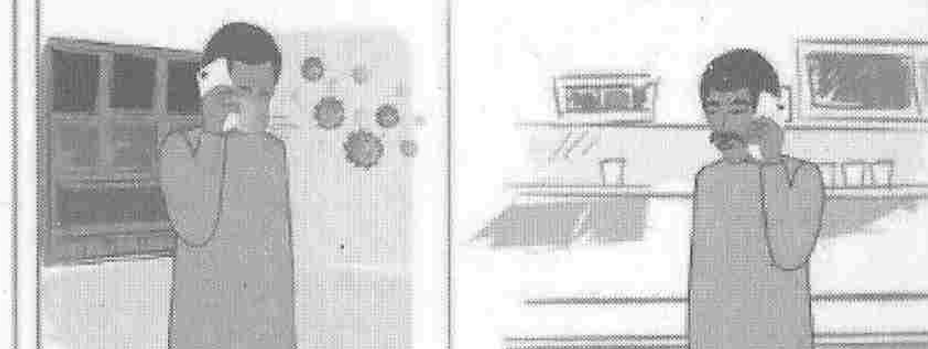

ہمدردانہ رویہ اختیار کریں

کورونا سے متاثرہ افراد کے ساتھ نرم رویہ برتیں اور باہمی رضامندی اور احتیاط کیساتھ انکی دیکھ بھال کریں۔

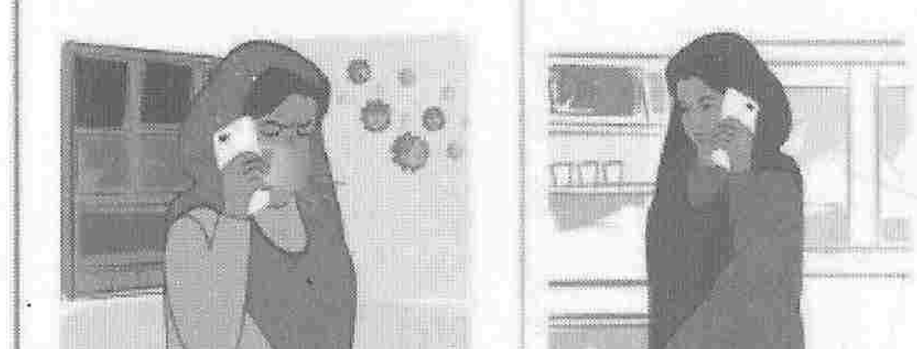

احتیاط کریں

اپنے ہاتھوں کو بار بار صابن اور پانی سے بیس سیکنڈ تک دھوئیں

چھ فٹ کا فاصلہ رکھیں

کھانستے یا چھینکتے ہوئے اپنے منہ کو کہنی سے ڈھانپیں

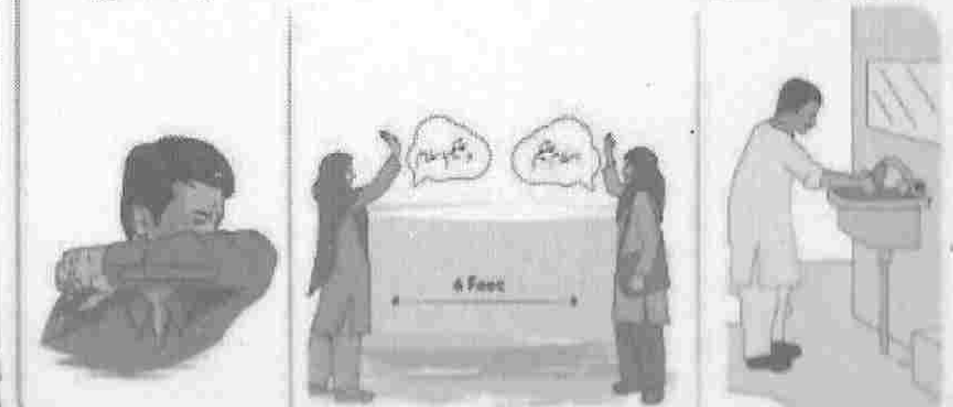

صرف مستند ذرائع سے ملنے والی معلومات استعمال کریں

کورونا سے متعلق معلومات ہمیشہ سرکاری ذرائع سے حاصل کریں اور افواہیں پھیلانے سے گریز کریں۔

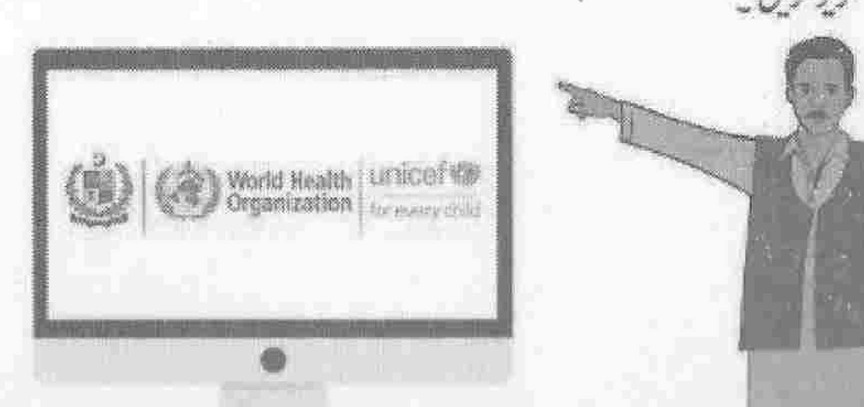

unicef for every child | World Health Organization

1166 HELPLINE
corona.info@nhsrc.gov.pk EMAIL
www.nhsrc.gov.pk WEBSITE
http://covid.gov.pk DASHBOARD

جملہ حقوق بحق سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ، جام شورو محفوظ ہیں۔

تیار کردہ: سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ، جام شورو، سندھ۔

منظور کردہ: وفاقی وزارتِ تعلیم، (شعبہ نصاب سازی) حکومت پاکستان، اسلام آباد۔

بذریعہ مراسلہ نمبر F-4-4/2003-SS بتاریخ 9-10-2004

قومی ریویو کمیٹی، وفاقی وزارتِ تعلیم کی تصحیح شدہ

نگرانِ اعلیٰ

آغا سہیل احمد

چیئرمین، سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ

مصنف

پروفیسر فدا حسین کھوکھر

معاون مصنفین

★ پروفیسر سید قوی احمد ★ پروفیسر محمد رفیق دھنانی (باب نمبر ۲/۷/۸)

★ اشتیاق قریشی (باب نمبر ۱۲/۱۳)

نظرِ ثانی

پروفیسر ڈاکٹر محمد اعظم چوہدری

جائزہ کمیٹی

★ پروفیسر سید قوی احمد ★ پروفیسر سید قلندر شاہ لکیاری

★ پروفیسر نذیر احمد قاضی ★ پروفیسر محمد رفیق دھنانی

نگران

★ علی محمد ساھڑ ★ عبدالودود

مترجم

★ پروفیسر بدر الدجیٰ خان

طبع کنندہ: طیبہ انٹرنیشنل، حیدر آباد

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
پہلا باب	پاکستان کی نظریاتی اساس	5
دوسرا باب	تشکیل پاکستان	15
تیسرا باب	اسلامی جمہوریہ پاکستان میں آئینی ارتقا	39
چوتھا باب	پاکستان کی سرزمین اور آب وہوا	50
پانچواں باب	پاکستان کے وسائل	71
چھٹا باب	پاکستان میں صنعتی ترقی	98
ساتواں باب	پاکستان کی آبادی	117
آٹھواں باب	پاکستان کی ثقافت	130
نواں باب	پاکستان میں تعلیم	146
دسواں باب	پاکستان۔ ایک فلاحی مملکت	163
گیارھواں باب	پاکستان میں شہری زندگی	175
بارھواں باب	انسانی حقوق کا تحفظ	181
تیرھواں باب	شہریوں کے حقوق کا تحفظ اور اداروں کا کردار	188

(ب) نظریے کا منبع و ماخذ:

کسی بھی نظریے کا فروغ کا انحصار افراد کے خلوص لگن اور وفاداری اور وابستگی پر ہوتا ہے۔ اسلامی نظریہ افراد کے ذہنوں پر اسی طرح اثر انداز ہوتا ہے کہ اسلام کے ابدی اصولوں پر اُن کا ایمان اور پختہ ہوتا ہے۔ اسلامی نظریے کا سرچشمہ قرآنِ مجید، سنّتِ رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ اور اسلامی تعلیمات کے مطابق رسوم و رواج ہیں۔

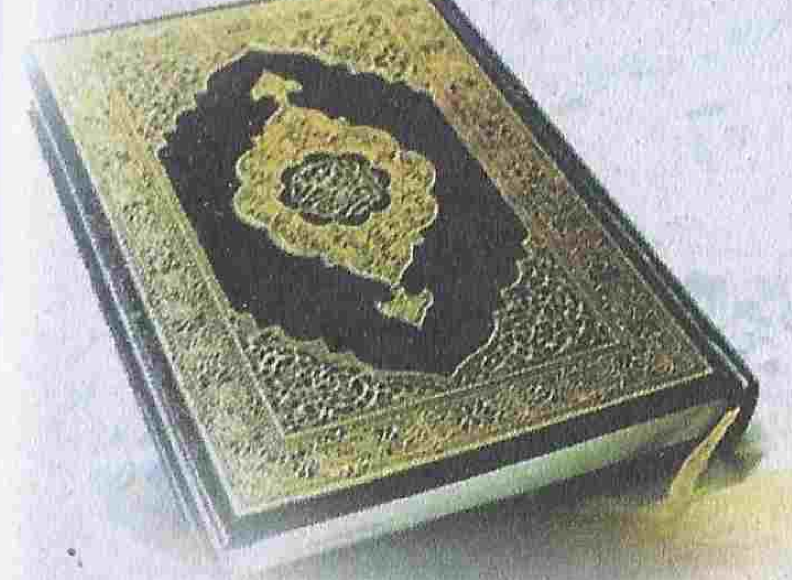

(i) قرآنِ مجید:

قرآنِ مجید اسلام کی ابدی اساس ہے۔ اس سے لوگوں کے معاشرتی اور معاشی قوانین کے سلسلے میں مفصل و مکمل رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ جس کے بدولت انفرادی اور اجتماعی سطحوں پر زندگی خوشگوار، پُرامن اور بامقصد ہو جاتی ہے۔

(ii) سنّتِ رسول "صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ":

ہمارے پیارے رسول "صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ" نے اسلامی احکام کو اپنے اقوال و افعال سے واضح فرمایا ہے۔ قرآن کی تعلیمات کی مفصل تشریح سنت رسول "صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ" میں ملتی ہے جو اسلامی اصول و قوانین کا بنیادی سرچشمہ ہے۔ سنّت ایک عربی اصطلاح ہے۔ اس کے لفظی معنی ایسا راستہ ہے جس کی پیروی کی جائے۔ قرآنِ مجید اسلامی اصولوں کے بنیادی خدوخال بیان کرتا ہے لیکن اُن کی تشریح اور وضاحتیں رسول اکرم "صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ" کے اقوال میں ملتی ہے۔ اسلام کے بنیادی ارکان یعنی نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کی تفصیلات رسول اکرم "صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ" نے بیان فرمائی ہے۔

(iii) رسوم و رواج:

مختلف علاقوں میں پائے جانے والے ایسے رسوم و رواج اور ثقافتی اقدار جو اسلامی تعلیمات کے منافی نہ ہوں، مسلمانوں کو اجازت ہے کہ اُس مخصوص خطے یا علاقے میں انھیں اختیار کر سکتے ہیں۔ ان میں میلے، اجتماع اور دیگر تقریبات شامل ہیں۔

(ج) نظریے کی اہمیت:

مندرجہ ذیل وجوہات کی بناء پر نظریے کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

(i) یہ افراد کے افکار اور خیالات کا عکاس ہوتا ہے۔ اور اُن کے رہن سہن، اُن کی سوچ، طرزِ فکر اور معاشرتی مراسم متعین کرتا ہے۔

(ii) یہ لوگوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرتا ہے اور قومی اتحاد کا سرچشمہ بنتا ہے۔

(iii) وہ تمام حرکات و سکنات کے لیے قوتِ محرکہ ہے۔ کسی نظریے کے زیرِ اثر افراد کسی خاص مقصد کے لیے دل سے اپنا سب کچھ قربان کر دیتے ہیں۔

(iv) کسی بھی ایماندار، دیانتدار اور مسلّمہ قیادت کے زیرِ اثر یہ رضائے الٰہی کے حصول کے لیے جدوجہد پر اُبھارتا ہے اور معاشرے کی فلاح و بہبود کے لیے قوتِ محرکہ کا کام سرانجام دیتا ہے۔

(v) رہنماؤں کے انتخاب میں نظریہ ایک بصیرت بھی پیدا کر دیتا ہے اور اس سے درست فیصلے کرنے میں بھی مدد ملتی ہے۔

(vi) اس سے آزادی، ثقافت اور رسوم رواج کو برقرار رکھنے میں مدد ملتی ہے۔ اسلامی نظریہ اُن اسلامی اقدار کا عکاس ہے جن کی رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ نے تعلیم دی اور عمل کر کے دکھایا۔

2. نظریہ کے ارکان:

نظریے کے بنیادی ارکان حسب ذیل ہیں۔

(i) مشترکہ مذہب: مذہب اقوام عالم کے لیے اتحادی قوت ہے۔ تمام اقوام عالم اپنے مذاہب کی بنیاد پر شناخت کی جاتی ہیں۔ مسلم اور غیر مسلم ایک دوسرے سے جدا ہیں کیوں کہ اِن کے عقائد مختلف ہیں۔

(ii) مشترکہ ثقافت: عام طور سے ایسے افراد جن کی مشترکہ ثقافت ہوتی ہے۔ اُن کا طرز زندگی بھی یکساں ہوتا ہے اور عام طور سے وہ اپنے رسم و رواج میں کوئی سمجھوتا نہیں کرتے ہیں۔

(iii) مشترکہ مقصد: جب لوگوں کا مقصد مشترکہ ہوتا ہے تو وہ متحد ہو جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر پاکستان کا حصول جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کا مشترکہ مقصد تھا۔ اس نے اُنھیں نظریہء پاکستان کے تحت باہم متحد کر دیا تھا۔

(iv) پُرخلوص وابستگی اور عہد و پیمان: کسی اعلیٰ مقصد کے لیے افراد کی پُرخلوص وابستگی اور عہد سے نظریہ کو تحریک ملتی ہے اور اُس کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ جنوبی ایشیا کے مسلمانوں نے آزادی کے حصول اور مسلم ریاست کے قیام کے مشترکہ مقصد کے لیے خود کو وقف کر دیا تھا اور اِس مقصد کے لیے انھوں نے سب کچھ قربان کر دیا۔

3. نظریہء پاکستان کی اساس:

نظریہء پاکستان کی اساس جنوبی ایشیا کے اُن مسلمانوں کی فکر اور فلسفے پر ہے جو ایک اسلامی معاشرے کے دوبارہ قیام کے خواہش مند تھے۔ اسلامی نظریے کے بنیادی اجزا حسب ذیل ہیں۔

(i) عقیدۂ ایمان:

نظریہ پاکستان کی اہم خاصیت توحید، رسالت، فرشتوں، یومِ آخرت اور تمام الہامی اور آسمانی کتب پر ایمان ہے۔ مسلمانوں کے اِس ایمان کے سب سے اہم اور ضروری پہلو اللہ تعالیٰ کی توحید اور نبی آخر الزماں حضرت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ خَاتَمُ النَّبِيّٖنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی رسالت پر کامل یقین ہے۔ قرآن الہامی کتاب ہے جو رسول اکرم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ پر تقریباً 23 برسوں میں نازل ہوا اور جو تمام انسانیت کی رہنمائی کے لیے کافی ہے۔ اس طرح مسلمان ایک علیحدہ اُمّت ہیں۔ توحیدِ الٰہی اور حضرت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ خَاتَمُ النَّبِيّٖنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی شخصیت میں رسالت کی تکمیل اسلامی نظریے کی سب سے اہم بنیادیں ہیں۔

(ii) معاشرتی معاملات:

اسلام کے معاشرتی نظام میں باہمی تعلقات اور معاملات بہت اہم مقام رکھتے ہیں۔ عدل و انصاب و احسان اِسلام کے معاشرتی نظام کے نمایاں پہلو ہیں۔ اسلام میں رنگ و نسل و مذہب کی بنیاد پر کوئی تفریق نہیں ہے۔ عدل و انصاف کے رہنما اصول نظریہ پاکستان کی بنیادیں ہیں۔

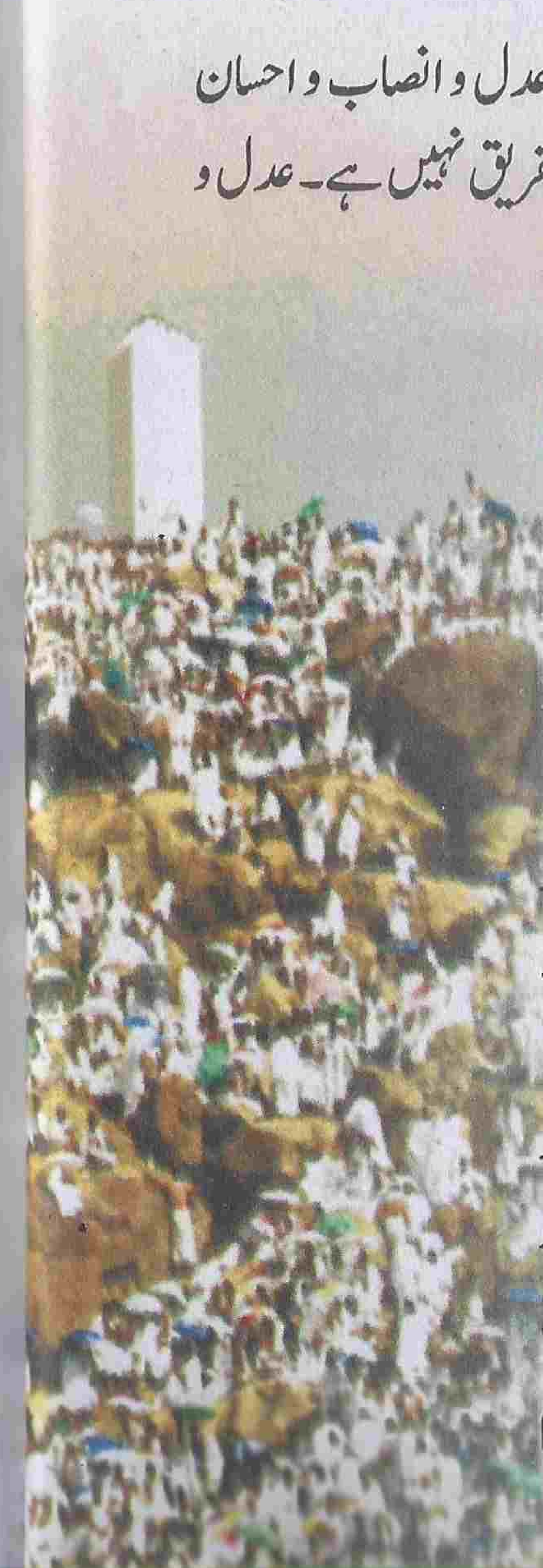

4. اسلام میں جمہوریت کے اصول:

اسلام میں جمہوریت کی تصور باقی دنیا سے علیٰحدہ ہے۔ اسلامی معاشرہ اِس پر کامل ایمان رکھتا ہے کہ اِس پوری کائنات پر اقتدارِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ کا ہے اور صرف اللہ تعالیٰ ہی اِس پوری کائنات کا حاکمِ اعلیٰ ہے۔ عوام کے نمائندے صرف اُن حدود کے اندر طاقت استعمال کر سکتے ہیں جو اسلام نے عائد کر دی ہیں۔ حکومت اور مجلس مقنّنہ (قانون ساز اسمبلی) کو لا محدود اختیارات حاصل نہیں ہوتے ہیں۔ تاہم عوام کو اِس امر کی پوری آزادی ہوتی ہے کہ وہ ریاست کے معاملات کو چلانے کے لیے اللہ سے ڈرنے والے صالح اور متقی و پرہیز گار افراد کو منتخب کریں۔ خلفائے راشدین بہترین، صالح اور درست آراء رکھنے والوں کی تلاش میں رہتے تھے۔ اس طرح کے مشیروں کو ملا کر شوریٰ (مشیرانِ کی مجلس) تشکیل دی جاتی تھی۔ اسلام میں کسی بھی شخص کو (سوائے رسول اکرم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ) عقلِ کُل نہیں سمجھا جاتا ہے۔ صرف اللہ کا حکم اور اُس کی مرضی نافذ و جاری و ساری ہونی چاہیے۔ جن لوگوں کو اقتدار ملتا ہے، اُس وقت تک عوام کا اعتماد حاصل کر سکتے ہیں جب تک وہ اسلام کے قوانین کی پیروی کرتے ہیں۔ اِسی سے اسلام میں جمہوریت کا تصوّر واضح ہوتا ہے۔ اسلام میں جمہوریت کے اصول درجِ ذیل ہیں۔

(i) عدل و انصاف:

عدل کے لفظی معنی یہ ہیں کہ کسی چیز کو صحیح جگہ پر رکھنا۔ یہ قانونِ الٰہی کی اصل بنیاد ہے، زندگی کا کوئی بھی پہلو عدل کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا۔ یہ عدل و انصاف ہی ہے جس کی بناء پر کوئی معاشرہ پُر امن اور خوشحال ہو سکتا ہے۔ صرف عادلانہ نظام میں ہی کسی ایک فرد کے کردار کی تعمیر و تشکیل اور اجتماعی بہتری ممکن ہے۔ قرآنِ حکیم عدل قائم کرنے پر زور دیتا ہے۔

ایک ایسا معاشرہ جس میں عدل کو فوقیت اور برتری حاصل ہوتی ہے اُس میں ہمیشہ اتحاد و اتفاق، محبت و الفت، خلوص اور امن پایا جاتا ہے۔ قرآنِ حکیم میں ارشادِ ربّانی ہے: "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، عدل قائم کرو اللہ کی رضا کے لیے شہادت کو قبول کرو خواہ یہ خود تمہارے خلاف ہو، خواہ وہ امیر ہو یا غریب اور لوگوں سے نفرت تمہیں انصاف کرنے سے نہ روکے۔" اسلام کے عدالتی نظام میں افراد کے بنیادی حقوق کا تحفظ کیا جاتا ہے۔

(ii) مساوات:

اسلام انسانوں کے درمیان مساوات کا علمبردار ہے۔ اسلام رنگ، نسل، زبان، عقیدہ، ثقافت اور امارت و غربت کی بنیاد پر ہر قسم کے امتیاز اور تفریق کی نفی کرتا ہے۔ رسول اکرم "صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ" نے ایک ایسا سماجی و معاشی نظام قائم کیا تھا جس میں امیر و غریب کے امتیاز کو مٹا دیا گیا تھا۔ صرف چند ہاتھوں میں دولت کے ارتکاز کو زکوٰۃ کا نظام قائم کیا تھا جس میں امیر و غریب کے امتیاز کو مٹا دیا گیا تھا۔ صرف چند ہاتھوں میں دولت کے ارتکاز کو زکوٰۃ کا نظام قائم کر کے ختم کر دیا گیا۔ رسول اکرم "صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ" حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا کہ "تمام اِنسان حضرت آدمؑ کی اولاد ہیں۔ کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر، کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے۔ اسلام میں فوقیت اور برتری کی بنیاد تقویٰ ہے۔"

اسلام میں لوگوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ سوائے اُن کے جو تقویٰ (پرہیز گار اور خوف خدا) اختیار کرتے ہیں۔ قانون کی نظر میں تمام اِنسان برابر ہیں۔ غریب ہو یا امیر قانون کے سامنے سب برابر کے جوابدہ ہیں۔ شریعت اسلامی (ضابطہء قوانین اسلامی) قانونی عدل و انصاف مہیا کرتی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے تمام افراد کو قانونی تحفظ حاصل ہے اور اُنھیں سماجی تحفظ حاصل کرنے کے لیے مساوی مواقع حاصل ہیں۔

(iii) اُخوّت:

اُخوّت کے معنی بھائی چارہ کے ہیں۔ قرآنِ مجید کے الفاظ میں "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ" (مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں)۔ اُخوّت کا اصول اِسلامی معاشرے کا ایک اہم پہلو ہے۔ بھائی بھائی ہونے کی حیثیت سے وہ ایک دوسرے کے دُکھ سُکھ اور خوشی و غم میں شریک ہوتے ہیں۔ اُخوت اور بھائی چارے کا احساس، محبت و الفت، باہمی تعاون، بے لوث خدمت اور قربانی کے جذبات کو ابھارتا اور فروغ دیتا ہے۔ اس طرح معاشرہ تمام لوگوں کے لیے پُر امن اور پُر آسائش

بن جاتا ہے۔ اُخوت و بھائی چارہ کا عظیم مظاہرہ مسلمانوں کی مکہ سے مدینہ ہجرت کے موقع پر نظر آیا تھا۔ اہلِ مدینہ (انصار) نے نہ صرف اُن (مہاجروں) کو خوش آمدید کہا بلکہ اپنی تجارت اور جائداد میں اُنھیں حصہ دار بنالیا۔

ہمارے پیارے نبی "صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ" نے فرمایا: "ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور اپنے مسلم بھائی کو تکلیف پہنچانے کا ذریعہ نہیں بنتا ہے۔" رسول اکرم "صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ" نے مشورہ دیا کہ "آپس میں تحائف کا تبادلہ کیا کرو۔ اس سے محبت اور الفت پھیلتی ہے۔" مختصر یہ کہ ایک مسلمان کو اپنے دوسرے مسلمان بھائی سے کسی قسم کی کدورت نہیں رکھنی چاہیے اور نہ ہی حسد کرنا چاہیے۔ اسلام تو غیر مسلموں کے خلاف سازش کرنے اور بُرے خیالات رکھنے کی اجازت بھی نہیں دیتا۔

(iv) رواداری:

رواداری اور برداشت بہت عظیم نیکیاں ہیں جو انسان کو مشکل اور دشواری سے بچاتی ہیں اور دوسروں سے پیار و محبت کا ذریعہ بنتی ہیں۔ لوگوں کے درمیان سماجی تعلقات قائم کرنے کا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ دوسروں کی غلطیوں کو نظر انداز کر دیا جائے۔ باہمی جھگڑوں سے بچنے کے لیے رواداری بہترین ذریعہ ہے۔ اس کی وجہ سے اُخوت اور امن کا ماحول فروغ پاتا ہے اور انسانی رشتوں میں استحکام آتا ہے۔ رسول اکرم "صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ" نے اپنے قول و فعل سے رواداری کا درس دیا ہے۔ اسلامی معاشرے میں غیر مسلموں کے جائز حقوق کا احترام کیا جاتا ہے اور اُنھیں مکمل تحفظ مہیا کیا جاتا ہے۔ اس لیے ایسے افراد پر نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے جو اپنے خیالات اور نظریات کو زبردستی دوسروں پر مسلط کرنا چاہتے ہیں اور دوسروں کے جذبات مجروح کرتے ہیں۔

5. نظریہء پاکستان علامہ اقبالؒ اور قائدِ اعظمؒ کے ارشادات کی روشنی میں:

علامہ اقبالؒ (1877ء تا 1938ء) اور قائدِ اعظمؒ (1876ء تا 1948ء) کے نظریہء پاکستان کے بارے میں کئی بیانات ہیں۔ علامہ اقبالؒ اور قائدِ اعظمؒ نے برصغیر کی مذہبی، سیاسی اور معاشرتی حالت کا بہت باریک بینی سے مشاہدہ کیا تھا اور اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ ہندو اور مسلم باہم مل کر نہیں رہ سکتے اور جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ مادرِ وطن انتہائی ضروری ہے۔ اپنے خطابات، تقاریر اور بیانات میں اُنھوں نے نظریہء پاکستان کی کھل کے وضاحت کی اور اُس پر سختی سے زور دیا۔ نظریہء پاکستان کے بارے میں اُن کے عوامی خطابات اور تقاریر سے جدوجہدِ پاکستان کو بہت تقویت حاصل ہوئی۔

(i) علامہ اقبالؒ کے ارشادات:

عظیم مفکر، فلسفی اور شاعرِ اسلام علامہ اقبالؒ نے برصغیر کے مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ ریاست کے لیے سختی سے آواز اُٹھائی۔ الٰہ آباد میں دسمبر 1930ء میں منعقد ہونے والے آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں آپ نے صدارتی خطبہ دیا، جو عام طور سے خطبہ الٰہ آباد کے نام سے معروف ہے۔ اپنے خطاب میں آپ نے مسلمانوں کی علیحدہ قومیت کے تصور کی وضاحت کی۔ علامہ اقبالؒ نے اِس بات پر زور دیا کہ اِس حقیقت کا اعتراف کر لینا چاہیے کہ برصغیر میں ایسے لوگ آباد ہیں جو مختلف زبانیں بولتے ہیں اور مختلف مذاہب کے پیروکار ہیں۔ اور مختلف ثقافتوں اور تہذیبوں کی نمائندگی کرتے ہوئے، اِن کی مختلف ثقافتوں اور تہذیبوں کی نمائندگی کرتے ہوئے، اِن کی مختلف تہذیبی اور ثقافتی شناخت ہیں۔ اُنھوں نے فرمایا "ہندوستان ایک ملک نہیں بلکہ ایک برصغیر ہے جہاں مختلف مذاہب کے ماننے والے اور مختلف زبانیں بولنے والے لوگ آباد ہیں۔ مسلمان قوم کا اپنا جداگانہ مذہب اور تہذیبی شناخت ہے۔ تمام مہذب اقوام کو مسلمانوں کے دینی اصولوں اور ثقافتی اور معاشرتی اقدار کا احترام کرنا چاہیے۔" اُنھوں نے مزید فرمایا کہ:

"مجھے ایسا نظر آتا ہے کہ پنجاب، شمال مغربی سرحدی صوبہ، سندھ اور بلوچستان ضم ہو کر ایک ریاست بنائیں گے۔ مضبوط اور مربوط شمال مغربی مسلم ریاست کا قیام کم از کم شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کی آخری منزل ہے۔"

علامہ اقبالؒ کا خطبہ تحریکِ پاکستان میں ایک نیا سنگِ میل ثابت ہوا۔ قائدِ اعظمؒ نے علامہ اقبالؒ کی سوچ اور فکر کا یہ کہہ کر اعتراف کیا کہ "اقبال کے خیالات اور تصورات بنیادی طور پر وہی ہیں جو میرے ہیں اور برصغیر کے آئینی اور دستوری مسائل پر غور و خوض اور تجزیے کے بعد اِسی نتیجے پر پہنچا ہوں۔"

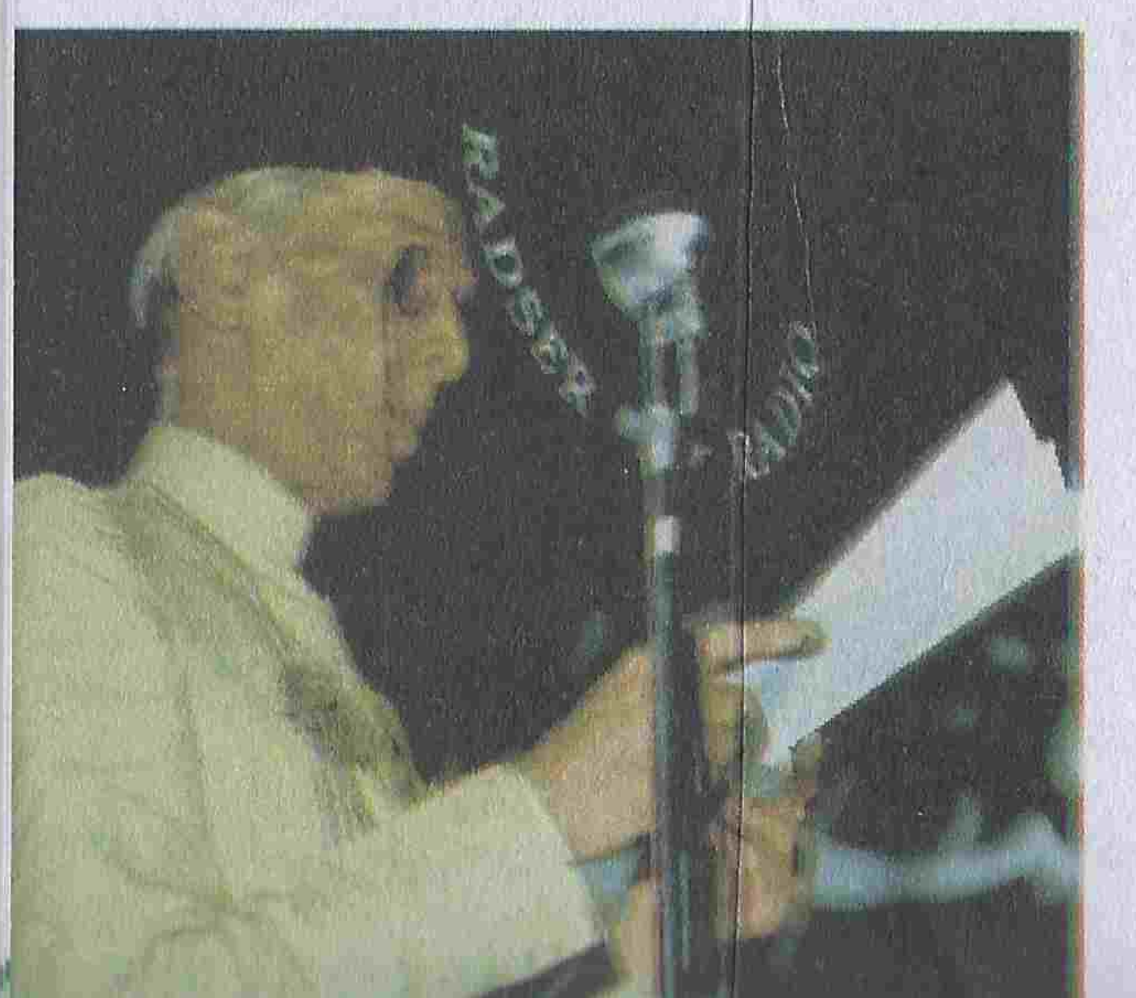

(ii) قائدِ اعظمؒ کے ارشادات:

قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ برصغیر کے مسلمانوں کے مستقبل کے بارے میں بہت فکر مند تھے۔ اُنھوں نے مسلم لیگ کی تشکیلِ نو کی اور اُس کو توانائی بخشی اور مسلمانوں کو اس کے جھنڈے تلے جمع کر دیا۔ نظریہء پاکستان کے بارے میں قائدِ اعظمؒ کے خیالات اور تصورات بالکل صاف اور واضح تھے۔ اسلامیہ کالج پشاور کے طلبہ سے خطاب کے دوران آپ نے نظریہء پاکستان کے بارے میں اپنے

خیال اور تصور کو اس طرح وضاحت کی کہ "پاکستان کے لیے ہمارا مطالبہ صرف زمین کا ایک ٹکڑا حاصل کرنے کے لیے نہیں ہے بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ قائم کرنا چاہتے ہیں جہاں ہم اسلامی اصولوں پر مبنی نظام پر عمل درآمد کر سکیں۔"

لاہور میں 23 مارچ 1940ء کے مسلم لیگ کے تاریخی اجلاس میں قائداعظمؒ نے اسلامی ریاست کے نظریاتی بنیادوں کی اس طرح وضاحت کی کہ:

"ہندومت اور اسلام صرف دو مذاہب ہی نہیں بلکہ یہ دو معاشرتی اور مدنی نظام ہیں اور یہ سوچنا کہ ہندو اور مسلم مل کر ایک مشترکہ قوم بن سکتے ہیں صرف ایک خواب ہو گا۔ میں کھل کر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ دونوں اقوام دو مختلف تہذیبوں سے وابستہ ہیں اور اِن دونوں تہذیبوں کی بنیادیں اُن فلسفوں پر رکھی گئی ہیں جو ایک دوسرے کی ضد ہیں۔"

جنوری 1941ء میں قائدِاعظمؒ نے مسلم قومیت کے علیٰحدہ تشخص کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"پاکستان اُسی روز وجود میں آگیا تھا جس روز ہندوستان میں پہلا غیر مسلم تبدیل ہو کے مسلمان ہو گیا تھا۔"

6. نظریہ اور قومی کردار:

کسی فرد کی عادات و اطوار طرزِ زندگی کے مجموعے ک عام طور سے کردار سمجھا جاتا ہے اور اُس شخص کا نظریہ اُس کے کردار پر اثرانداز ہوتا ہے۔ نظریے کی روشنی میں قومی کردار درجِ ذیل اخلاق و اقدار سے تشکیل پاتا ہے۔

(i) نظریے پر پختہ یقین:

جب کوئی شخص اپنے قومی نظریے پر پختہ یقین نہیں رکھتا ہے تب تک اُس کا کردار قومی جذبے سے عاری رہتا ہے اور اُس کے اعمال و افعال قومی مفاد کے مطابق نہیں ہوں گے۔ اِس لیے ہمیں اسلامی اقدار کی روشنی میں اپنا کردار بنانا چاہیے۔ نظریۂ پاکستان میں عوام کا پختہ یقین تھا جس کی وجہ سے اُنھوں نے ایک نظریاتی مملکت پاکستان کے حصول کے لیے اپنے جان و مال کی قربانیاں دیں۔ اِسی لیے ہمارا کردار ایک ایسے مسلمان کا عکاس ہونا چاہیے جو اپنی زندگی اسلامی تعلیمات کے مطابق بسر کرتا ہے۔

(ii) سپردگی یا وقف کر دینا:

اس کے معنی ہیں اپنے آپ کو کسی مقصد کے حصول کے لیے گہرے جذبے اور احساسِ فرض شناسی کے ساتھ مخصوص کر دینا۔ جو شخص قومی نظریے سے مکمل ہم آہنگ ہو کر کام کرتا ہے وہی صحیح معنوں میں قومی مفاد کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیتا ہے۔ بحیثیت پاکستان ہمارا کردار اُن اخلاق اور نیکیوں کا عکاس ہونا چاہیے جو اسلامی طرزِ زندگی سے پیوست ہیں۔

(iii) ایمانداری اور دیانتداری:

ایمانداری اور دیانتداری ایک ایسی صفت ہے جس کا تمام معاشروں میں اعتراف کیا جاتا ہے۔ لوگوں کو نیک زندگی گزارنا چاہیے اور اپنے قول و فعل سے ایمانداری اور راست بازی کی عکاسی کرنی چاہیے۔ تجارت ہو یا زندگی کے دوسرے میدان، لوگوں سے معاملات کرتے وقت یہ ایمانداری نظر آنی چاہیے۔ اسلام نے بڑے سخت الفاظ میں ایمانداری پر زور دیا ہے۔ قیامِ پاکستان کے ابتدائی سالوں میں زندگی کے تمام شعبوں میں اس کے عوام کی ایمانداری اور دیانت داری پیوست تھی جس نے ملک کو اپنے قدموں پر کھڑا ہونے میں مدد کی۔

(iv) حُبّ الوطنی:

کسی بھی شخص کی اپنے وطن سے محبت اور اس کے لیے قربانی کا اندرونی جذبہ اور خلوص حب الوطنی کہلاتا ہے۔ کسی آزمائش کے وقت یا آزادی کو اگر خطرہ ہو تو اُس وقت لوگ اپنے قومی کردار کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ بھارت کے خلاف 1965ء کی جنگ کے دوران پاکستانیوں نے حب الوطنی کے جذبے کا زبردست مظاہرہ کیا تھا جو دراصل اُن کے قومی کردار کا مظہر تھا۔

(v) محنت اور مشقّت:

قومیں اُس وقت ترقی کرتی ہیں جب اُس کے افراد سخت محنت و مشقت کرتے ہیں۔ اِس کے لیے احساسِ فرض شناسی کی ضرورت ہوتی ہے۔ ترقی یافتہ اقوام اِس لیے خوشحال اور ترقی یافتہ بن سکی ہیں کیوں کہ اُن کے عوام میں شدید احساسِ فرضی شناسی و ذمہ داری پایا جاتا ہے۔ کسی بھی ملک کے وسائل اُس کے افراد کی سخت محنت کی بدولت ہی ترقی اور خوشحالی کا روپ دھارتے اور نشو و نما پاتے ہیں۔

(vi) قومی مفاد:

کسی بھی شخص کے ذاتی کردار کو لازماً قومی مفاد کی برتری اور فوقیت کی عکاسی کرنا چاہیے اور اِس پر کوئی سمجھوتا بھی نہیں ہونا چاہیے۔ اِسی مرحلے سے ایمانداری، دیانتداری اور سپردگی کی صفات اور خوبیاں پھیلتی ہیں۔ صرف وہی اقوام زندہ و پائندہ رہتی ہیں جن کے افراد اپنے قومی مفادات پر کوئی سمجھوتا نہیں کرتے ہیں۔

مشق

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات دیجیے۔

1۔ کسی نظریے کے ماخذ کیا ہوتے ہیں؟
2۔ کسی قوم کے لیے نظریہ کیوں اہم ہوتا ہے؟
3۔ اسلام میں جمہوریت کے اصول بیان کیجیے۔
4۔ نظریہ میں قومی کردار کا کیا مقام ہے؟
5۔ نظریہء پاکستان کے بارے میں قائداعظمؒ کے ارشادات کا جائزہ لیجیے۔
6۔ کیا نظریہء پاکستان کے بارے میں علامہ اقبالؒ کا کوئی بیان تھا؟ بیان کیجیے۔
7۔ کسی نظریے میں کیا کیا چیز شامل ہیں؟

(ب) خالی جگہوں کو مناسب الفاظ سے پُر کیجیے۔

(i) نظریہء پاکستان کی اساس ------- پر ہے۔
(ii) اسلام سب سے زیادہ جمہوری --------- ہے۔
(iii) چیزوں کو اُن کے درست مقام پر ترتیب دینا --------- کہلاتا ہے۔
(iv) علامہ اقبالؒ نے -------- کے مقام پر ---------- میں اپنے صدارتی خطبے میں نظریہء پاکستان کے بارے میں بیان دیا۔
(v) قائداعظمؒ نے فرمایا کہ -------- اور -------- دو مختلف معاشرتی نظام ہیں۔
(vi) ایمان کی بنیاد اللہ کی -------- اور -------- پر ہے۔
(vii) اُخوت کے معنی ہیں --------
(viii) کردار، عادات و اطوار کا --------- ہے۔
(ix) اسلامی نظریہ کے ذرائع -------- اور -------- ہیں۔

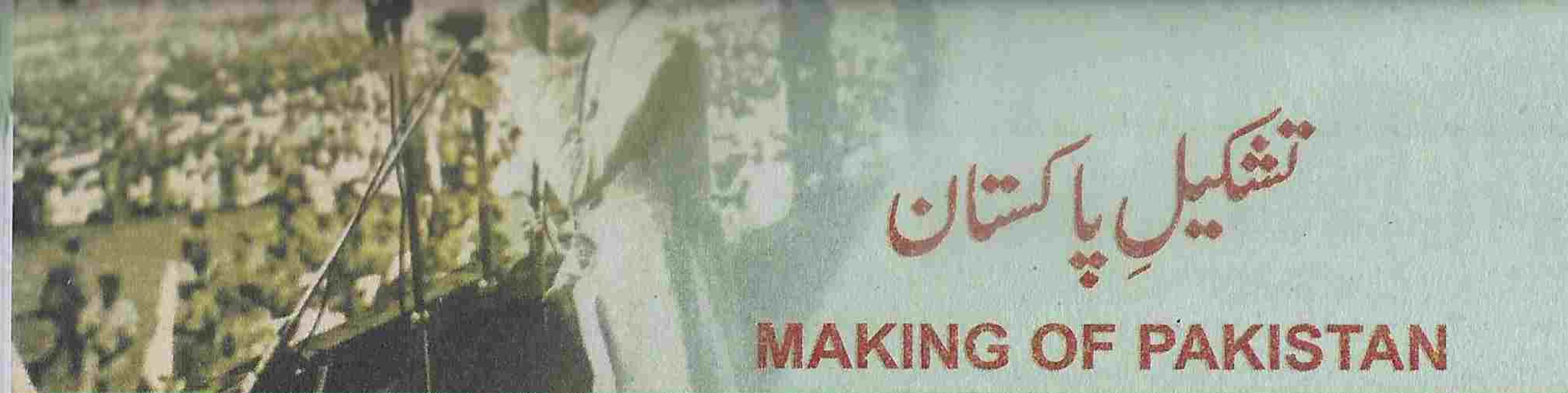

دوسرا باب

تشکیلِ پاکستان
MAKING OF PAKISTAN

1۔ برصغیر میں تحریکِ احیائے اسلام:

برصغیر پر مسلمانوں نے ایک ہزار سال سے زیادہ حکمرانی کی لیکن جب اُنھوں نے اسلام کے سنہری اصولوں سے انحراف کرنا شروع کیا تو آہستہ آہستہ اُن کا زوال شروع ہوگیا۔ برصغیر کے مسلمانوں کے حالات خراب تر ہوتے چلے گئے۔ بے شمار دینی علماء اور شخصیات نے برصغیر میں اسلامی تعلیمات اور اقدار کے احیاء کے لیے اصلاحی تحریکوں کا آغاز کیا۔ برصغیر کے مسلمانوں میں اسلامی روح بیدار کرنے کے لیے اُن کی جدوجہد کو تحریکِ احیائے اسلام کہتے ہیں۔ اِن میں مندرجہ ذیل تحریکیں بہت نمایاں ہیں۔ اِن کے نتیجے میں برصغیر کے مسلمانوں میں بیداری پیدا ہوئی۔

(i) شاہ ولی اللہ کی تحریک:

شاہ ولی اللہ کا اصل نام قطب الدین تھا مگر اپنی روحانی صفات کی وجہ سے 'ولی اللہ' کہلاتے تھے۔ وہ 21 فروری 1703ء کو دہلی کے قریب ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد کا نام شاہ عبدالرحیم تھا جو ایک معروف عالم اور دینی رہنما تھے۔ 15 سال کی عمر میں شاہ ولی اللہ نے دینی تعلیمات کے تمام بڑے شعبوں میں اپنی تعلیم مکمل کرلی تھی۔ 17 سال کی عمر میں اپنے والد کی وفات کے بعد وہ اپنے والد کے جانشین ہوئے اور مدرسے کے شیخ نامزد ہوگئے۔

مارچ 1707ء میں اورنگ زیب عالمگیر کے انتقال کے بعد برصغیر طوائف الملوکی اور افراتفری کا شکار ہوگیا۔ اُس کی نمایاں وجہ مسلمانوں کی اخلاقی و مذہبی پستی اور گراوٹ تھی۔ شاہ ولی اللہ نے بہت باریک بینی سے اُن عوامل کا تجزیہ کیا جو مسلمانوں کے زوال کا باعث بنے تھے اور اِس نتیجے پر پہنچے کہ غیر مسلموں کے اثرات کی بدولت اسلامی روح وجذبہ اور اقدار تباہ ہورہی ہیں۔ مسلمانوں کی فوجی قوت تباہ ہوچکی تھی۔ دہلی سے آگرہ تک کے علاقے میں مسلمان جاٹوں اور مرہٹوں کی قبائلی طاقت کے رحم وکرم پر تھے۔ شاہ ولی اللہ نے اندازہ لگالیا کہ اگر مسلمان اسلامی طرزِ زندگی کی پیروی نہیں کریں گے تو آہستہ آہستہ اپنے مقام سے گرتے چلے جائیں گے۔ اِن حالات میں اُنھوں نے برصغیر میں اسلامی تعلیمات اور اقدار کے احیاء کی منصوبہ بندی کی۔

شاہ ولی اللہ نے اُس وقت کے مغل شہنشاہ، حیدر آباد دکن کے نظام، روہیلہ سردار حفیظ الملک اور نجیب الدولہ کو خطوط لکھے اور انھیں برصغیر میں مسلم معاشرے کی زبوں حالی کے بارے میں آگاہ کیا۔ اُنھوں نے افغانستان کے حکمران احمد شاہ ابدالی کو بھی خط لکھا اور درخواست کی کہ وہ مرہٹوں کے ظلم وستم سے ہندوستان کے مسلمانوں کو نجات دلائیں۔ اُس کے جواب میں احمد شاہ ابدالی نے 1761ء میں پانی پت کی تیسری جنگ میں مرہٹوں کو عبرتناک شکست دی۔ اس شکست کے بعد مرہٹے پھر کبھی نہیں سنبھل سکے۔

شاہ ولی اللہ کی انتہائی اہم خدمت یہ ہے کہ آپ نے قرآنِ مجید کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ اس سے لوگوں کو قرآن مجید کو سمجھنے میں بہت مدد ملی۔ اِس کے بعد اُن کے صاحبزادوں اور دیگر افراد نے اِس کے اُردو ترجمے بھی کیے۔ اُنھوں نے حدیث، فقہ اور تفسیر پر کتابیں بھی لکھیں۔ اُن کی کتابوں میں سب سے زیادہ مشہور و معروف کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' ہے۔ اُن کی تصانیف کا پیغام یہ ہے کہ اسلام ایک آفاقی مذہب ہے جو تمام اِنسانیت کے لیے ترقی اور خوشحالی کا ضامن ہے۔ 10 اگست 1762ء کو شاہ ولی اللہ کا انتقال ہو گیا۔ ان کے صاحبزادے اور جانشین شاہ عبدالعزیز نے دہلی میں مدرسہ رحیمیہ سے شاہ ولی اللہ کے مشن کو جاری رکھا۔

(ii) سید احمد شہید بریلوی کی تحریک:

برصغیر کی تاریخ میں سید احمد شہید تبلیغ اسلام اور برصغیر کی بدی کی قوتوں کے خلاف جدوجہد کی وجہ سے بہت مشہور و معروف ہیں۔ سید احمد شہید 1786ء میں رائے بریلی میں پیدا ہوئے۔ ابتداء میں انھوں نے صرف معمولی تعلیم حاصل کی کیوں کہ آپ کا زیادہ رجحان فوجی تربیت کی جانب تھا۔ بعد میں آپ نے خود کو سماجی و معاشرتی خدمات کے لیے وقف کر دیا۔ آپ شاہ ولی اللہ کی تعلیمات سے بہت متاثر تھے اور اُن کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز کے پختہ پیروکار تھے، انھوں نے دینی تعلیم شاہ عبدالعزیز سے حاصل کی۔

سید احمد شہید کو برصغیر میں مسلمانوں کے زوال کے بارے میں شدید تشویش تھی۔ وہ برصغیر میں اسلام کی برتری اور اقتدارِ اعلیٰ کا احیاء چاہتے تھے۔ سید احمد اور اُن کے رفقاء برصغیر میں اسلامی ریاست کے قیام کا خواب دیکھ رہے تھے۔ اُنھوں نے بت پرستی اور شرک کے خلاف ایک زبردست مہم کا آغاز کیا اور مسلمانوں کو اللہ کی توحید کا درس دیا۔ یہ مہم ''تحریک مجاہدین'' کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ سید احمد شہید کی تحریک کے مقاصد حسبِ ذیل تھے۔

(الف) اللہ کی توحید کی تبلیغ کرنا۔

(ب) اسلامی تعلیمات کی احیاء۔

(ج) اسلامی اصولوں کے مطابق برصغیر میں ایک ریاست قائم کرنا۔

(د) مسلمانوں کو ایسے اعمال و افعال اور خیالات سے بچانا جو اسلامی اقدار کے منافی ہوں۔

(ہ) جہاد کی تبلیغ کرنا کیوں کہ بدی کی قوتوں سے چھٹکارا پانے اور آزادی کا حصول مسلح جدوجہد کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

اسلامی اقدار اور روایات کے احیاء کے لیے سید احمد شہید پنجاب اور شمال مغربی سرحدی صوبے سے سکھوں کا اقتدار ختم کرنا چاہتے تھے۔ اُنھوں نے پنجاب اور سرحد میں جہاد کا آغاز کر دیا۔ بدی کی قوتوں کے خلاف جہاد میں شاہ اسماعیل شہید اپنے چھ ہزار پیروکار کے ساتھ سید احمد کے ساتھ شریک ہو گئے۔ سید احمد نے دہلی اور پنجاب کے کئی علاقوں کا دورہ کیا جہاں ایک کثیر تعداد میں اُن کے پیروکار اُن کے ساتھ شامل ہوتے گئے۔

وہ 1826ء میں سندھ آئے اور پیر پگارو سے مدد کے لیے درخواست کی۔ انھوں نے اپنے جانثار مریدوں کو ان کے لشکر میں شامل ہونے کا حکم دیا جنھیں ''حر'' کہتے ہیں۔ سید احمد اپنے اہل و عیال کو پیر پگارو کی حفاظت اور سپردگی میں دے کر خود جہاد پر روانہ ہو گئے۔

سید احمد شہید دسمبر 1826ء میں نوشہرہ (شمال مغربی سرحدی صوبہ) پہنچے اور اسے اپنا مرکز اور صدر مقام بنالیا۔ سکھوں کے خلاف پہلی جنگ 21 دسمبر 1826ء کو اکوڑہ کے قریب لڑی گئی، جس میں سکھوں کو شکست ہوگئی۔ سکھوں کے خلاف دوسری جنگ حضرو کے مقام پر لڑی گئی۔ اس میں بھی مسلمان فتحیاب رہے۔ اِن فتوحات سے پٹھانوں کی ایک بڑی تعداد متاثر ہوئی اور وہ بھی تحریکِ جہاد میں شامل ہو گئے۔ مجاہدین کی تعداد اسی ہزار تک پہنچ گئی۔ سید احمد کو ''امیر المومنین'' کا منصب دے دیا گیا۔ اور سید احمد شہید کے فتح کیے ہوئے علاقوں میں اسلامی قوانین نافذ کر دیے گئے۔

ابتدا میں تحریکِ جہاد بہت کامیابی سے جا رہی تھی لیکن فوراً ہی سید احمد کے خلاف سازشیں شروع ہو گئیں۔ کچھ قبائلی سرداروں نے آپ کو زہر دے کر قتل کرنے کی کوشش کی۔ اِسی طرح مہاراجہ رنجیت سنگھ (1780ء تا 1839ء) نے سردار یار محمد اور اُس کے بھائی سلطان خان کو رشوت دی کہ وہ سید احمد کے خلافت کے خلاف سازش کریں۔ سرداروں کی نافرمانیوں کی وجہ سے سید احمد بہت نا امید اور مایوس ہو گئے۔ سید احمد نے بالاکوٹ کو اپنا نیا صدر مقام بنالیا، اُنھوں نے مظفر آباد سے اپنی جدوجہد کا آغاز کیا۔ وہاں مجاہدین اور سکھوں کے درمیان سخت معرکہ آرائی شروع ہو گئی۔ مسلمان بڑی بہادری اور جرأت سے لڑے لیکن 6 مئی 1831ء کو سید احمد اور اُن کے جانثاروں کو شہید کر دیا گیا۔ ہزاروں مجاہدین میں سے صرف تین سو زندہ بچے اور اِس طرح سید احمد شہید کی خلافت ختم ہو گئی اور اسلامی ریاست قائم کرنے کا اُن کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ لیکن اسلامی معاشرے اور ریاست کے احیاء کے لیے عظیم جدوجہد اور کوششوں کے حوالے سے سید احمد شہید

اورشاہ اسماعیل شہید کے نام ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔ بالاکوٹ کے نزدیک دونوں رہنماؤں کی تدفین کی گئی۔

(iii) فرائضی تحریک:

برصغیر میں اسلامی فکر کی شمع کو دوبارہ روشن کرنے کے لیے احیائی تحریکوں کے آغاز کرنے والے سب سے نمایاں مصلحین میں حاجی شریعت اللہ کا نام سرفہرست ہے۔ وہ 1761ء میں فرید پور (بنگال) میں پیدا ہوئے۔ بہت کم عمری میں ہی آپ مقدس شہر مکہ روانہ ہو گئے جہاں آپ نے بیس سال قیام کیا اور دینی تعلیم حاصل کی۔ وہ 1802ء میں اپنے آبائی وطن واپس آئے۔ دینی معاملات میں اپنے اہلِ وطن کی انتہائی خستہ اور ناگفتہ حالت دیکھ کر آپ کو شدید صدمہ پہنچا۔ اُنھوں نے بنگال کے مسلمانوں کو غیر مسلم رسوم و رواج سے چھٹکارا پانے کا مشورہ دیا۔ اُنھوں نے اسلامی احکامات پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت پر زور دیا اور اِن اسلامی احکامات کو اُنھوں نے فرائض کا نام دیا۔ اسی لیے اسلامی اصولوں کے لیے اُن کی تبلیغ و تلقین اور مسلمانوں کے لیے اصلاحی تحریک ''فرائضی تحریک'' کہلاتی ہے۔

فرائضی تحریک کا بنیادی مقصد اُن اسلامی رسوم و رواج و روایات کو مٹانا اور ختم کرنا تھا جو بنگالی مسلمانوں میں سرائیت کر گئی تھیں۔ اس نے مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات کے مطابق صراطِ مستقیم پر لانے میں بڑی مدد کی۔ ابتداء میں اُنھیں بہت مشکلات اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن آہستہ آہستہ اُن کی تحریک نے بنگالی مسلمانوں میں خود اعتمادی کا جذبہ بیدار کر دیا۔

حاجی شریعت اللہ کے انتقال (1840ء) کے بعد اُن کے فرزند محمد محسن عرف دودو میاں فرائضی تحریک کے رہنما بن گئے اور انھوں نے اس کو مزید مؤثر بنا دیا۔ اُنھوں نے مسلمان کسانوں اور مزارعین کو ہندو زمینداروں کے ظلم و ستم اور چیرہ دستیوں کے خلاف جمع کیا۔ محمد محسن کی کوششوں کے نتیجے میں بنگال کے مسلم مزارعین ہندو زمینداروں اور جاگیرداروں کے بہیمانہ تسلط سے آزاد ہو گئے۔ وہ بنگال کے مسلمان مزارعین کے حقوق کے عظیم علمبردار بن گئے۔ برطانوی اور ہندو تاجر اور زمیندار اُن کے خلاف ہو گئے۔ لیکن اُنھوں نے اُن کی کوئی پروا نہیں کی اور اپنی زندگی کی آخری سانسوں تک اپنا مشن جاری رکھا۔ فرائضی تحریک کے نتیجے میں بنگالی مسلمانوں کی دینی اور اخلاقی حالت بہت بہتر ہو گئی اور بڑی حد تک مزارعین کے حقوق کا تحفظ ہو گیا۔

(iv) علی گڑھ تحریک:

انگریزوں نے مسلمانوں سے برصغیر کی قیادت چھین لی تھی اسی لیے وہ مسلمانوں کو اپنا سخت مخالف اور دشمن سمجھتے

تھے۔ 1857ء کی جنگِ آزادی کے بعد برصغیر کے مسلمان انگریزوں کی چیرہ دستیوں اور سفاکیوں کا نشانہ بن گئے۔ مسلمانوں کو دینی و مذہبی، سیاسی، معاشی، معاشرتی اور تعلیمی حقوق سے محروم کر دیا گیا۔ اِس سے مسلمانوں میں خوف و ہراس اور بددلی پھیل گئی۔ دوسری جانب ہندوؤں نے انگریزوں کے ہاتھوں میں ہاتھ دے دیا اور زندگی کے تمام شعبوں میں ترقی کرنے لگے۔ اِن حالات میں سرسید احمد خان (1817ء تا 1898ء) نے برصغیر کے مسلمانوں کے رہنما اور قائد کے فرائض سنبھال لیے۔ اُنھوں نے مسلمانوں میں بیداری کی تحریک کا آغاز کیا۔ اُن کی تحریک ''علی گڑھ تحریک'' کہلاتی ہے۔ اس تحریک کے اصل مقاصد حسبِ ذیل تھے۔

(الف) عمومی بیداری اور شعور:

سرسید احمد خان نے برصغیر کے مسلمانوں پر زور دیا کہ وہ جان لیں کہ اُن کا سنہرا دور گزر چکا ہے وراب اُن پر انگریز حکومت کر رہے ہیں اور اُنھیں اِس ارضی اور معروضی حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہیے اور ماضی میں رہنے کی بجائے وہ اپنے حال پر نظر رکھیں اور مستقبل کی ترقی کے لیے منصوبہ بندی کریں۔ اِس طریقے سے سرسید نے مسلمانوں کی اکثریت کی حالت کو بہتر بنانے کی کوشش کی۔

(ب) انگریزوں کے ساتھ خیر سگالی تعلقات کا قیام:

سرسید احمد نے انگریزوں کے ساتھ خیر سگالی اور دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ اُنھوں نے انگریزوں کو بھی یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ 1857ء کی جنگ کے صرف مسلمان ہی ذمہ دار نہیں تھے۔ ہندو اور ہندوستان کی دوسری اقوام نے بھی اس جنگ میں حصہ لیا تھا۔ انگریزوں کے ذہن سے مسلمانوں کے بارے میں شکوک و شبہات دُور کرنے کے لیے سرسید احمد نے ایک کتابچہ ''اسبابِ بغاوتِ ہند'' کے نام سے تحریر کیا تھا۔ اس میں اُنھوں نے 1857ء کی جنگ کی مندرجہ ذیل حقیقی وجوہات کی نشاندہی کی۔

(i) برطانوی حکومت کی کارکردگی عوام کی توقعات سے بہت پست تھی اس وجہ سے عوام سخت برہم تھے۔

(ii) حکومت عوام کے مسائل کو سمجھنے میں ناکام ہو گئی کیوں کہ حکمرانوں اور محکوموں کے درمیان کوئی رابطہ نہیں تھا۔

(iii) حکومت کے پاس عوام کی فلاح و بہبود کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ عوام عام طور پر اور مسلمان خاص طور پر بہت زیادہ غریب ہو گئے تھے۔

(iv) حکومت نے ایسے قوانین اور ضوابط نافذ کر دیے تھے جو برصغیر کے عوام کے رسوم و رواج اور روایات کے منافی تھے۔

(v) حکومت کے انتظامی نظام میں سماج دشمن اور ناپسندیدہ عناصر موجود تھے۔ اپنے ذاتی مفاد کے لیے ان عناصر نے عوام میں بے چینی پیدا کر دی تھی۔ اُن کا مقصد تھا کہ ہندوستان کے عوام اور انگریزوں کے درمیان تصادم کی کیفیت پیدا کی جائے۔

(ج) جدید تعلیم کے لیے ترغیب و تحریک:

سر سید احمد کو پورا یقین تھا کہ جب تک برصغیر کے مسلمان تعلیم نہیں حاصل کریں گے اور سائنسی علوم نہیں سیکھیں گے اُس وقت تک وہ پسماندہ رہیں گے۔ اور برصغیر کی دیگر غیر مسلم اقوام سے مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ اُنھوں نے مسلمانوں پر زور دیا کہ وہ انگریزی زبان سیکھنے میں دلچسپی ظاہر کریں تاکہ سائنسی علم سے فیضیاب ہو سکیں۔

(د) غیر متنازع اور عدم تشدد کی سیاست:

سر سید احمد نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ خود کو اُس وقت تک سیاست سے علیٰحدہ رکھیں جب تک مسلمانوں اور انگریزوں کے درمیان خوشگوار تعلقات قائم نہیں ہو جاتے۔ سر سید احمد چاہتے تھے کہ مسلمان صرف تعلیم حاصل کرنے پر اپنی توجہ مبذول رکھیں اور سیاسی رسہ کشی سے دور رہیں۔

علی گڑھ تحریک کی امتیازی خصوصیت:

علی گڑھ تحریک جلد ہی ایک جامع اور مربوط تحریک بن گئی۔ جہاں سے برصغیر کے مسلمانوں میں بیداری کا آغاز ہوا۔ بے شمار اہم شخصیات مثلاً نواب محسن الملک، نواب وقار الملک، مولانا شبلی نعمانی، مولانا الطاف حسین حالی اور مولانا چراغ حسن نے علی گڑھ تحریک کی کامیابی میں اہم کردار ادا کیا۔ علی گڑھ تحریک کی اہم اور امتیازی خصوصیات حسبِ ذیل ہیں:

(i) تعلیمی خدمات:

سر سید احمد اِس نظریے کے حامی تھے کہ جدید تعلیم کا حصول ہندوستان میں مسلم معاشرے کی ترقی اور فروغ میں ممد و معاون ثابت ہو گا۔ اُنھوں نے مسلمانوں پر زور دیا کہ وہ جدید علم سیکھیں۔ اِسی لیے اولاً اُنھوں نے 1862ء میں غازی پور میں سائنٹفک سوسائٹی کی بنیاد رکھی۔ بعد میں اس کو علی گڑھ منتقل کر دیا گیا۔ اِس ادارے کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ مغربی کتب کا اُردو زبان میں ترجمہ کیا جائے۔ اس کے بعد سر سید نے کیمبرج یونیورسٹی (انگلستان) کی طرز پر علی گڑھ میں ایک اسکول قائم کیا جس کو بعد میں کالج کی سطح تک بڑھا دیا۔ اس کا نام محمڈن اینگلو اورینٹل کالج (ایم اے او کالج) رکھا گیا۔ سر سید احمد نے مسلمان نوجوان نسل کو اِس بات پر آمادہ کیا کہ وہ انگریزی زبان سیکھیں تاکہ جدید سائنسی علوم کا حصول آسان ہو جائے۔ اس کی وجہ سے اُردو زبان کے فروغ میں بھی مدد ملی۔

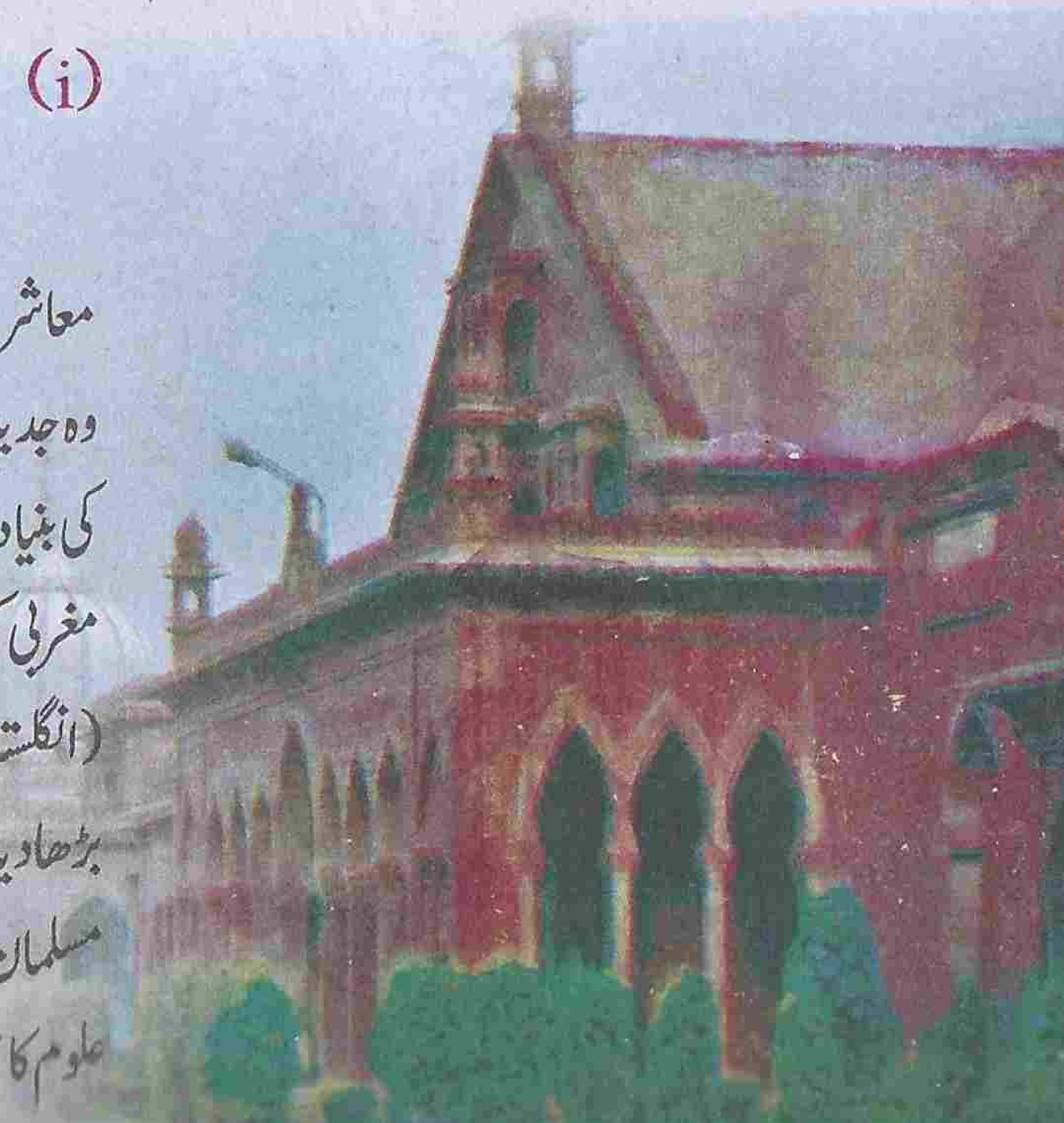

(ii) سماجی خدمات:

1857ء کی جنگِ آزادی مسلمانوں کے لیے ناقابل بیان نفرتوں، انتقامی کارروائیوں اور اذیتوں کا سبب بنی۔ اُن کو معاشی اور اقتصادی طور پر سخت نقصان پہنچا۔ اُن کو ذلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اُن کے منصب اور اعلیٰ مقام کو حاصل کرنے کے لیے سر سید نے مندرجہ ذیل اقدام کیے۔

(i) ''اسباب بغاوتِ ہند'' اور ''ہندوستان کے وفادار مسلمان'' نامی کتابچے تحریر کر کے مسلمانوں اور انگریزوں کے درمیان خیر سگالی کی فضا پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس طرح مسلمانوں کے خلاف معاندانہ اور سفاکانہ اقدامات کم ہو گئے۔

(ii) مسلمانوں پر ملازمتوں کی پابندیاں نرم کر دی گئیں۔

(iii) جنگِ آزادی کے بعد مسلمانوں کی جو جائیدادیں اور ملکیتیں چھین لی گئی تھیں وہ لوٹا دی گئیں۔

(iv) ترقی و فروغ کے مختلف پروگراموں میں مسلمانوں کو شامل کیا گیا۔

مختصر یہ کہ سر سید کی علی گڑھ تحریک برصغیر میں مسلمانوں کے لیے طاقت اور قوت کا ذریعہ بن گئی اور اِسی نے دو قومی نظریے کی بنیاد فراہم کی۔

2۔ دو قومی نظریے کا ارتقا:

دو قومی نظریے سے مراد یہ ہے کہ متحدہ ہندوستان (جنوبی ایشیا) میں دو بڑی قومیں رہتی ہیں۔ یہ قومیں ہندو اور مسلم ہیں۔ یہ دونوں قومیں سینکڑوں سال تک ایک دوسرے کے ساتھ رہی ہیں۔ لیکن اپنے مخصوص اور منفرد مذہبی اور معاشرتی نظاموں کی وجہ سے باہم ایک دوسرے میں ضم نہیں ہو سکیں۔

ابتدا میں سر سید نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی اختلافات مٹانے اور اُن میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کی کوشش کی۔ مسلم (تعلیمی) اداروں میں ہندو طلبہ کو داخلے دیے گئے اور ہندو اساتذہ کا تقرر کیا گیا۔ لیکن سر سید کو اُس وقت سخت مایوسی ہوئی جب ہندوؤں نے اُردو کے مقابلے میں ہندی زبان کے فروغ کے لیے مہم چلائی۔ ہندو یہ چاہتے تھے کہ ہندی کو سرکاری زبان قرار دیا جائے۔ ہندی اور اُردو کے اِس تنازع نے سر سید کے ذہن کو بدل کے رکھ دیا اور پھر اُنھوں نے دو قومی نظریے کی بنیاد پر اپنی سیاسی حکمت عملی استوار کی۔ یہ دو قومی نظریے کی ابتدا تھی۔ سر سید پہلے مسلمان رہنما تھے جنھوں نے برصغیر کے مسلمانوں کے لیے ''قوم'' کی اصطلاح استعمال کی۔ کیوں کہ اُن کا مذہب جدا تھا۔ اُن کی اپنی

مخصوص اور منفرد تہذیب و ثقافت تھی۔ اُن کا فلسفہ، ثقافت، اخلاقی اقدار اور معیشت بالکل جداگانہ تھی۔

سرسید احمد کے بعد برصغیر کے کئی رہنماؤں مثلاً: مولانا عبدالحلیم شرر، مولانا محمد علی جوہر، چوہدری رحمت علی، علامہ محمد اقبالؒ اور قائداعظم محمد علی جناحؒ نے درست طور پر یہ اعلان کیا کہ مسلمان ایک علیحدہ قوم ہیں۔ قائدِ اعظمؒ نے فرمایا:

"نہ ہندوستان ایک ملک ہے اور نہ ہی اس کے باشندے ایک قوم، یہ ایک برصغیر ہے جس میں کئی اقوام رہتی ہیں۔ ان میں ہندو اور مسلم دو اہم اقوام ہیں۔"

قائدِ اعظمؒ کی بے شمار تقاریر اور بیانات میں اس امر پر زور دیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو ایک اقلیت نہ سمجھا جائے بلکہ یہ ایک قوم ہیں۔ اُن کا اصرار تھا کہ برصغیر کے سیاسی تعطل (ڈیڈلاک) کا منصفانہ حل صرف یہ ہے کہ مسلمانوں کو بحیثیت ایک علیحدہ قوم تسلیم کیا جائے۔

ہندوؤں کے یہ عزائم بہت واضح تھے کہ وہ اپنی اکثریت کی بنیاد پر مسلمانوں پر برتری اور فوقیت حاصل کرلیں۔ وہ تمام شعبہ ہائے زندگی میں مسلمانوں کو پسماندہ رکھنا چاہتے تھے۔ دوسری جانب مسلمان بحیثیتِ قوم اپنے علیحدہ وجود اور شناخت کے بارے میں اس قدر پختہ اور بے لچک ہوچکے تھے کہ وہ اپنے لیے ایک علیحدہ مادرِ وطن چاہتے تھے۔ ہندو مسلم تنازع سے انگریز سخت اُلجھن میں تھے اور اس مسئلے کا سیاسی حل چاہتے تھے۔

دسمبر 1885ء میں ایک انگریز اے۔ او۔ ہیوم نے انڈین نیشنل کانگریس کے نام سے ایک سیاسی جماعت قائم کی تاکہ لوگوں کو اپنے خیالات اور جذبات کے اظہار کے لیے ایک پلیٹ فارم مل جائے اور وہ انگریزوں سے نہ اُلجھیں۔ ہندوؤں کی ایک کثیر تعداد نے اس پارٹی میں شمولیت اختیار کرلی اور جلد ہی یہ ہندوؤں کی جماعت بن گئی۔ سرسید احمد نے مسلمانوں کو کانگریس سے علیحدہ رہنے کا مشورہ دیا کیوں کہ وہ ہندوؤں کے خود غرضانہ عزائم سے آگاہ ہوگئے تھے کہ وہ انگریزوں کے ملک چھوڑ جانے کے بعد برصغیر میں ہندو حکومت قائم کرکے مسلمانوں کو اپنا زیرِنگیں بنانا چاہتے ہیں۔

3۔ آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام:

دسمبر 1906ء میں ڈھاکہ میں سالانہ محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اختتام پر برصغیر کے مختلف حصوں سے آئے ہوئے مسلم زعما نے ایک اجلاس میں شرکت کی جو ڈھاکہ کے نواب سلیم اللہ خان نے خصوصی طور پر بلایا تھا۔ اِس اجلاس میں دوسری باتوں کے علاوہ تقسیم بنگال 1905ء کے خلاف چلائی گئی ہندوؤں کی تحریک کا بھی تفصیل سے جائزہ لیا گیا اور یہ طے پایا کہ برصغیر کے مسلمانوں کی رہنمائی کے لیے ایک منظم سیاسی جماعت تشکیل دی جائے جو اُن کے حقوق کا تحفظ کرے۔ اس

اجلاس کی صدارت نواب وقار الملک نے کی اور مولانا محمد علی جوہر، مولانا ظفر علی خان، حکیم اجمل خان اور دیگر علماء اور نمایاں رہنماؤں نے اِس اجلاس میں شرکت کی۔ 30 دسمبر 1906ء کو ایک سیاسی جماعت "آل انڈیا مسلم لیگ" کے نام سے تشکیل دی گئی۔ علی گڑھ کو اِس کا صدر مقام بنایا گیا اور جلد ہی سر آغا خان (سوم) کو آل انڈیا مسلم لیگ کا صدر اور سید علی حسن بلگرامی کو سیکریٹری جنرل منتخب کیا گیا۔

مسلم لیگ کے قیام کے اغراض و مقاصد:

(i) برطانوی حکومت اور مسلمانوں کے درمیان خیر سگالی کے جذبات اور دوستانہ تعلقات قائم کرنا اور انگریزوں کے ذہن سے مسلمانوں کے خلاف شکوک وشبہات کا ازالہ کرنا۔

(ii) مشترکہ فلاح و بہبود کے لیے برصغیر کی دوسری اقوام اور سیاسی جماعتوں سے تعلقات استوار کرنا۔

(iii) حکومت اور دیگر سیاسی جماعتوں کا تعاون حاصل کرتے ہوئے مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ کرنا۔

آزادی کی جدوجہد میں مسلم لیگ کا کردار:

1906ء میں مسلم لیگ کی تشکیل کے بعد ہی سے اس نے جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے لیے ایک پلیٹ فارم کی شکل اختیار کرلی۔ جہاں سے وہ اپنے حقوق اور انگریزوں سے حصولِ آزادی کے لیے جدوجہد کرسکتے تھے۔ مسلم لیگ کی یہ جدوجہد بے شمار مشکلات سے گزری۔ مسلم لیگ کے کردار کو مختصراً ذیل کے مطابق بیان کیا جاسکتا ہے۔

(i) حقوق کا تحفظ:

ایک نمائندہ سیاسی جماعت کے طور پر قیام کے فوراً بعد مسلم لیگ کا فوری ہدف یہ تھا کہ برصغیر کے مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے مناسب اقدام اُٹھائیں اور حکومت کو اُن کے مسائل اور مطالبات سے آگاہ کیا جائے۔ ایک جانب مسلم لیگ نے انگریزوں کو برصغیر سے نکالنے کے لیے ہندوؤں کے ساتھ ہاتھ میں ہاتھ ملانے اور تعاون کرنے میں انتہائی متوازن رویہ اختیار کیا اور دوسری جانب اِس نے مسلمانوں اور برطانوی سرکار کے درمیان تعلقات کو بہتر بنانے کے لیے جدوجہد کی۔

(ii) کانگریس کے ساتھ سیاسی سمجھوتہ:

قائداعظم محمد علی جناحؒ نے اکتوبر 1913ء میں مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی۔ اُن کی کوششوں سے مسلم لیگ اور کانگریس کے درمیان دسمبر 1916ء میں ایک سمجھوتہ طے پایا۔ جو "میثاق لکھنؤ" کے نام سے معروف ہے۔ اس میثاق کی

روسے کانگریس نے مسلمانوں کی جداگانہ حیثیت کو تسلیم کرلیا اور ہندوستانی مسلمانوں کے لیے جداگانہ انتخاب کے مطالبے کو بھی تسلیم کیا گیا۔

(iii) مسلمانوں کی تعداد:

مرکزی مجلس قانون ساز (سینٹرل لیجسلیٹیو اسمبلی) میں مسلم اراکین کی تعداد ایک تہائی طے پائی۔

(iv) نشستیں:

مسلم اکثریت کے دونوں صوبوں یعنی بنگال اور پنجاب کی قانون ساز اسمبلیوں میں مسلمانوں کی اکثریت مستحکم ہوگئی۔

(v) متناسب نمائندگی:

اُن صوبوں میں جہاں مسلمان اقلیت میں تھے وہاں اُن کی نمائندگی اُن کے آبادی کے تناسب سے زیادہ کردی گئی۔

4۔ قائداعظمؒ کے چودہ نکات:

1920ء کے عشرے میں برصغیر میں کئی اہم سیاسی واقعات رونما ہوئے۔ ان میں تحریکِ خلافت، تحریکِ ہجرت اور تحریکِ عدم تعاون قابلِ ذکر ہیں، جن میں مسلمانوں اور ہندوؤں نے ایک دوسرے سے مل کر کام کیا لیکن یہ اتحاد زیادہ دیر نہ چل سکا۔ ہندوؤں کی مسلمان دشمنی اجاگر ہوگئی۔ مسلمانوں کے خلاف کانگریس کے متعصبانہ رویہ کا سب سے بڑا ثبوت نہرو رپورٹ 1928ء کی اشاعت تھی جس میں میثاق لکھنؤ کی ان شقوں کو رد کر دیا گیا جو مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے منظور کی گئی تھیں۔ نہرو رپورٹ نے جداگانہ انتخابات کے اصول کو رد کرتے ہوئے ان تمام تحفظات کو مسترد کر دیا جو مسلمان اپنے علیٰحدہ قومی تشخص کی بقا اور ترقی کے لیے ضروری سمجھتے تھے۔

قائدِ اعظم نے نہرو رپورٹ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ برصغیر کے سیاسی مسائل پر مسلمانوں کے نقطہء نظر پیش کرنے کے لیے آپ نے 1929ء میں رہنما اصولوں کا خاکہ تیار کیا جو چودہ نکات پر مشتمل ہے۔ یہ رہنما اصول قائداعظمؒ کے چودہ نکات کے نام سے مشہور ہوئے۔ یہ نکات درجِ ذیل ہیں۔

1۔ آئندہ آئین وفاقی طرز کا ہو جس میں صوبوں کو زیادہ سے زیادہ خودمختاری دی جائے۔

2۔ تمام صوبوں کو ایک ہی اصول پر داخلی خودمختاری دی جائے۔

3۔ تمام مجلسِ قانون ساز اور دیگر منتخب اداروں میں اقلیتوں کو مؤثر نمائندگی دی جائے اور یہ خیال رکھا جائے کہ اکثریت اقلیت میں نہ بدلی جائے۔

4۔ مرکزی مجلسِ قانون ساز میں مسلمانوں کی نمائندگی ایک تہائی سے کم نہ ہو۔

5۔ جدا انتخاب کا اصول ہر فرقے پر لاگو ہوگا۔ البتہ اگر کوئی فرقہ چاہے تو اپنی مرضی سے مخلوط انتخاب قبول کرسکتا ہے۔

6۔ اگر کبھی صوبوں کی حدود میں تبدیلی کرنا مقصود ہو تو اس بات کا خیال رکھا جائے کہ اس تبدیلی کا مسلم اکثریت والے صوبوں یعنی پنجاب، بنگال اور مغربی سرحدی صوبے پر اثر نہ پڑے۔

7۔ تمام فرقوں کو یکساں اور مکمل مذہبی آزادی حاصل ہو۔

8۔ اگر کوئی مسودۂ قانون کسی فرقے سے متعلق ہو اور اس فرقے کے کم از کم تین چوتھائی ممبران اسمبلی مسودۂ قانون کے خلاف رائے دیں تو اسے مسترد قرار دیا جائے۔

9۔ سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کر دیا جائے۔

10۔ صوبہء بلوچستان اور شمال مغربی سرحدی صوبے میں دوسرے صوبوں کی مانند اصلاحات نافذ کی جائے۔

11۔ آئین میں یہ بات واضح کر دی جائے کہ مسلمانوں کو تمام ملازمتوں میں ان کی اہلیت کے مطابق حصہ دیا جائے۔

12۔ مسلمانوں کو ہر قسم کا مذہبی و ثقافتی تحفظ دیا جائے۔

13۔ صوبائی اور مرکزی وزارتوں میں مسلمانوں کو کم از کم ایک تہائی نمائندگی دی جائے۔

14۔ وفاق میں شامل صوبوں کی منظوری کے بغیر مرکزی آئین میں کوئی ردّ و بدل نہ کیا جائے۔

نہرو رپورٹ کی سفارشات اور قائداعظمؒ کے چودہ نکات کے موازنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان سیاسی خلیج کافی وسیع ہوگئی تھی۔ کانگریس اور اس کے ہندو رہنما برصغیر میں ایسا آئین نافذ کروانا چاہتے تھے جس میں ہندو اپنی عددی اکثریت کی بناء پر اس کے حاکم بن جائیں اور مسلمانوں کو اپنا دست نگر بنالیں۔ وہ مسلمانوں کی علیٰحدہ سیاسی حیثیت تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھے اور نہ ہی ان کے مفادات و حقوق کے لیے خصوصی تحفظات مہیا کرنے پر رضامند تھے۔

مسلمانوں کی خواہش تھی کہ ان کے علیٰحدہ تشخص کو تسلیم کیا جائے اور برصغیر کے دستور میں ایسے تحفظات مہیا کیے جائیں جن سے مسلمانوں کے حقوق اور مخصوص مفادات کی حفاظت ممکن ہو۔ برصغیر کے مسلمانوں کو یقین تھا کہ اگر ایسا نہ ہوا تو مسلمانوں کی تہذیب و تمدن، مذہب و عقائد اور علیٰحدہ تشخص مسخ ہو جائے گا۔ یہ صورتحال مسلمانوں کے لیے قابلِ قبول نہ

تھی۔ وہ کسی طرح بھی اس بات کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں تھے کہ کانگریس اور ہندو مسلمانوں کے علیحدہ وجود کو ختم کر کے انھیں سیاسی اور معاشرتی حقوق سے محروم کر دیں۔

5۔ علامہ اقبالؒ کا خطبہ الٰہ آباد:

مسلمانانِ برصغیر کی یہ خواہش تھی کہ ان کا الگ تشخص تسلیم کیا جائے۔ اس سلسلہ کی کڑی علامہ اقبالؒ کا خطبہ الٰہ آباد (1930ء) ہے۔ کیونکہ مسلمان یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ ان کے مذہبی، سیاسی اور معاشرتی حقوق کو سلب کر لیا جائے۔ لہٰذا مسلمانوں نے اپنے لیے الگ ملک کا مطالبہ کر دیا جس کو علامہ اقبالؒ نے اپنے خطبہ میں اس طرح پیش کیا۔

”میری خواہش ہے کہ پنجاب، سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ملا کر ایک ریاست بنا دی جائے۔ خواہ ہندوستان برطانوی سلطنت کے اندر رہ کر آزادی حاصل کرے۔ مجھے شمال مغربی مسلم ریاست کا قیام مسلمانوں یا کم از کم شمال مغربی علاقوں کے مسلمانوں کا مقدر نظر آتا ہے۔“

قائدِ اعظمؒ کی خواہش تھی کہ مسلمان برصغیر میں ایک قوت بن کر ابھریں۔ علامہ اقبالؒ نے اس تصور کو آگے بڑھاتے ہوئے خطبہ الٰہ آباد میں الگ ریاست کا تصور دیا۔ 1933ء میں چوہدری رحمت علی نے علامہ اقبالؒ کے اس تصور کو پاکستان کا نام دیا۔ قائدِ اعظمؒ نے 1934ء میں مسلم لیگ کی باگ ڈور سنبھالی اور مسلمانوں کے سیاسی استحکام کے لیے اس جماعت کو مضبوط اور فعال بنایا۔

6۔ 1935ء کا ایکٹ اور صوبائی خود مختاری:

1935ء میں برطانوی حکومت نے برصغیر میں ایک نیا آئین متعارف کرایا جس میں صوبائی خود مختاری کو اولیت دی گئی اور اس آئین کے تحت 1937ء میں انتخابات کرائے گئے جس میں کانگریس نے واضح اکثریت حاصل کی۔ اکثریت حاصل کرنے کے بعد کانگریس نے مسلمانوں کے تشخص کے خاتمے کا پروگرام بنایا۔ برصغیر میں سات صوبوں میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے کے غرور میں مسلم ثقافت مسخ کرنا شروع کر دی۔ ہندوؤں نے اس سلسلہ میں مسلمانوں کے مذہب پر پابندی لگانے کی کوششیں کیں، مسجدوں کے باہر شور و غل کرنا شروع کر دیا۔ مسلمانوں پر ملازمتوں کے دروازے بند کرائے، اسکولوں میں اُردو کی جگہ ہندی رائج کرنے کی کوشش کی گئی۔ گاندھی کی مورتی کی پوجا کرنے پر زور دیا گیا۔ مسلمان بچوں کو ماتھوں پر تلک لگانے کو کہا جانے لگا۔ بندے ماترم کا ترانہ گانے کے لیے مجبور کیا گیا جس میں مسلمانوں کے خلاف ابھارا گیا تھا۔ اس رویہ کو دیکھتے ہوئے مسلمانوں میں الگ ملک کے مطالبے کی شدت اور بڑھ گئی۔

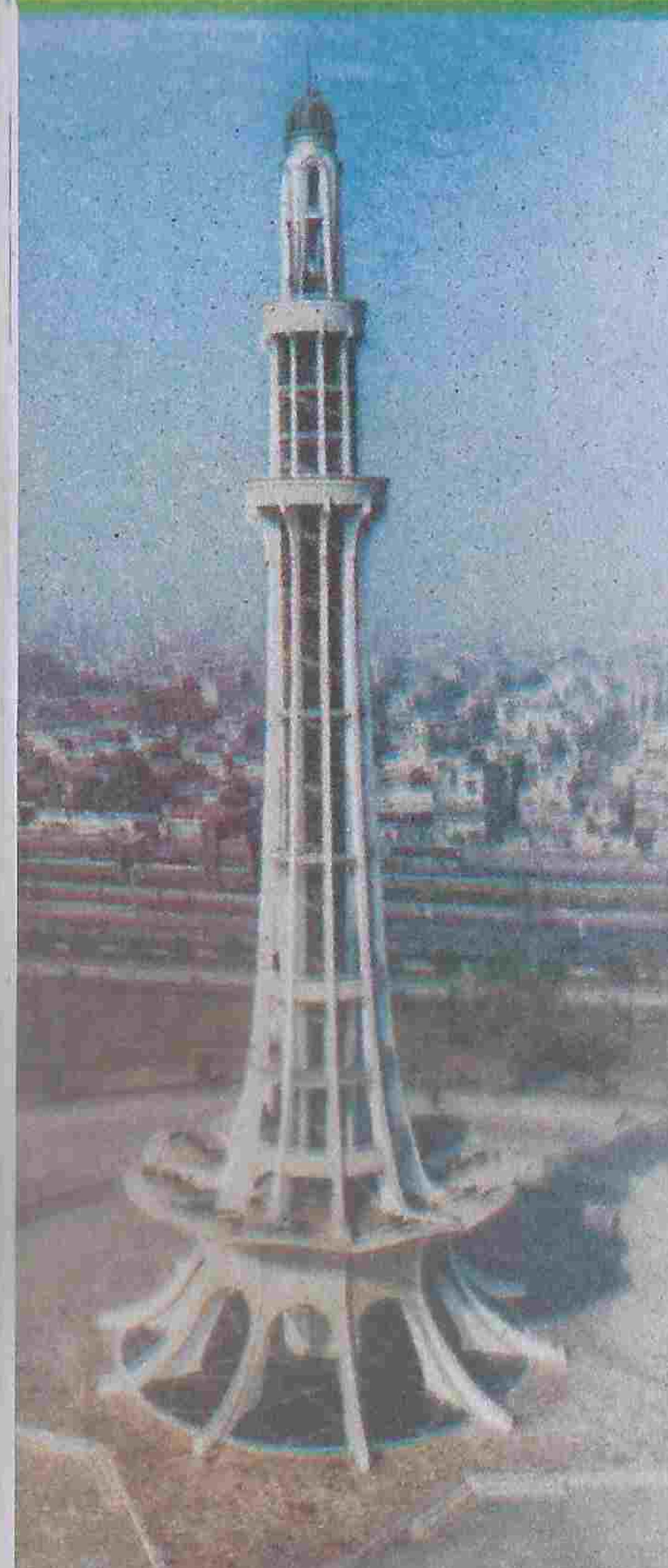

1938ء میں محمد علی جناحؒ پٹنہ اجلاس میں قائدِ اعظمؒ کے خطاب سے نوازے گئے۔ 1939ء میں جب کانگریسی وزارتوں کا خاتمہ ہوا تو قائدِ اعظمؒ نے مسلمانوں کو 22 دسمبر 1939ء کو یوم نجات منانے کا مشورہ دیا۔

7۔ تحریکِ پاکستان:

1906ء میں مسلم لیگ کے قیام کے بعد سے ہی تحریک پاکستان جاری ہو گئی، یہ تحریک کئی نازک مراحل سے گزری لیکن اس کو 1940ء کو قرارداد لاہور (قراردادِ پاکستان) کے بعد نیا جوش و جذبہ اور ولولہ حاصل ہوا۔

(i) قراردادِ لاہور 1940ء:

مارچ 1940ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس منٹو پارک لاہور میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس کی صدارت قائدِ اعظمؒ نے کی۔ قائدِ اعظم نے اپنی تقریر میں کہا کہ ”ہندوؤں اور مسلمانوں کا مذہب الگ، ان کی طرزِ معاشرت الگ، رسم و رواج الگ، ان کا ادب الگ۔ نہ وہ آپس میں شادی بیاہ کر سکتے ہیں نہ اکٹھا کھانا کھا سکتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ہندو، مسلمان دونوں الگ الگ تہذیبوں سے تعلق رکھتے ہیں جن میں خیالات اور تصورات کے لحاظ سے بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان دونوں قوموں کو جن میں ایک کی تعداد زیادہ ہے اور دوسرے کی کم۔ ایک گاڑی میں جوتنا یعنی ان کی ایک مشترکہ مملکت قائم کرنا سرے سے غلط ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ بددلی اور بے اطمینانی پھیلے گی۔ آپس میں جھگڑے ایسا طول پکڑیں گے کہ آخر کار یہ حکومت ہی مٹ جائے گی۔“

قائدِ اعظمؒ کی تقریر کے بعد 23 مارچ کو بنگال کے وزیرِ اعلیٰ مولوی فضل الحق نے وہ اہم قرارداد پیش کی جو قراردادِ پاکستان کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ اس قرارداد میں یہ مطالبہ کیا گیا کہ ”ہندوستان کے شمال مغربی اور شمال مشرقی علاقوں میں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے وہاں اس طرح کی مسلم مملکتیں قائم کی جائیں جو خود مختار اور آزاد ہوں۔ ان علاقوں کی اقلیتوں کے لیے آئین میں معین اور مؤثر تحفظات کا بندوبست کیا جائے۔ اسی طرح ہندوستان کے دوسرے حصوں میں بھی جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں ان سے مشورے سے معین اور مؤثر طریقے پر ان کے حقوق کے تحفظ کا مناسب انتظام کیا جائے۔“

اِس قرارداد سے ہندو سراسیمہ ہو گئے اور اُنھوں نے انگریزوں سے مطالبہ کیا کہ مسلمانوں کے مطالبے کو نامنظور کر دیا جائے۔ لیکن مسلمان قائدِ اعظمؒ کی قیادت اور رہنمائی میں متحد ہو چکے تھے اور وہ اپنے اعلیٰ مقصد کے لیے ہر قسم کی قربانیاں دینے کو تیار تھے۔ قراردادِ لاہور ہی دراصل پاکستان کی اصل بنیاد بنی۔

(ii) آئینی اور دستوری تجاویز (کرپس مشن 1942ء):

برصغیر کے سیاسی تعطل کو دور کرنے کے لیے برطانوی حکومت نے سر اسٹیفورڈ کرپس کی سربراہی میں 23 مارچ 1942ء کو ایک مشن ہندوستان بھیجا۔ اِس مشن نے کانگریس، مسلم لیگ اور ہندوستان کی دیگر اقلیتی جماعتوں سے اپنی تجاویز پر گفت وشنید کی۔ ایک ہفتے کی گفت وشنید کے بعد کرپس نے 29 مارچ 1942ء کو اپنی تجاویز کا اعلان کیا جو یہ تھیں:

(1) دوسری جنگِ عظیم کے خاتمے پر ہندوستان کے لیے ایک دستور ساز اسمبلی تشکیل دی جائے گی جو ملک کے لیے دستور تیار کرے گی لیکن جنگ کے دوران ہندوستان پر برطانیہ کا قبضہ برقرار رہے گا۔

(2) مجوزہ دستور وفاقی طرز کا ہوگا جس میں تمام صوبے اور ریاستیں شریک ہوں گی۔

(3) وفاقی دستور میں کسی بھی آئینی صوبے یا وفاق کی ریاست کو یہ حق دیا جائے گا کہ وہ دس سال بعد بطور وفاقی اکائی علیحدگی اختیار کرلے اور جو اکائیاں علیحدگی اختیار کرلیں گی وہ اپنا وفاق بنا سکیں گی۔

لیکن اِن تجاویز کو کانگریس اور مسلم لیگ دونوں نے نامنظور کر دیا۔ کانگریس نے اس لیے اس کو تسلیم نہیں کیا کہ اس میں ہندوستان کی تقسیم کی تجویز تھی اور مسلم لیگ نے اس لیے اس کو قبول نہیں کیا کیوں کہ اس میں تخلیقِ پاکستان کی یقین دہانی نہیں تھی۔ کرپس مشن ناکام ہو گیا اور ہندوستان کی سیاسی صورتحال بد سے بدتر ہو گئی۔

(iii) شملہ کانفرنس 1945ء:

دوسری جنگِ عظیم کے بعد لارڈ ویول ہندوستان کے وائسرائے بن گئے۔ برصغیر کو متحد کرنے کے لیے اور مرکز میں کانگریس اور مسلم لیگ کی مخلوط حکومت بنانے کے لیے انھوں نے جون 1945ء میں شملہ میں برصغیر کی تمام سیاسی جماعتوں کا ایک اجلاس طلب کیا۔ قائدِ اعظمؒ مسلم لیگ کی نمائندگی کر رہے تھے جبکہ کانگریس نے مولانا ابوالکلام آزاد کو اپنا نمائندہ منتخب کیا۔ مولانا آزاد کو اس اجلاس میں بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ دنیا کو یہ پیغام دیا جائے کہ کانگریس مسلمانوں کی بھی نمائندگی کرتی ہے۔ یہ کانفرنس 25 جون 1945ء کو شروع ہوئی اور کئی روز تک جاری رہی۔ لارڈ ویول یہ چاہتے تھے کہ پانچ وزراء مسلمانوں میں سے، پانچ وزرا ہندوؤں میں سے اور تین وزرا دیگر اقلیتوں میں سے لیے جائیں۔ کانگریس مسلمانوں میں سے پانچ نامزدگیوں کے حق میں نہیں تھی۔ اُس کا مطالبہ تھا کہ صرف ایک مسلم وزیر نامزد کیا جائے اور اُس کی نامزدگی بھی وہ خود کرے گی۔ اِس پر قائدِ اعظمؒ نے ملک میں عام انتخابات کا مطالبہ کر دیا کہ یہ فیصلہ ہو سکے کہ مسلمانوں کی نمائندگی کا حق کس کو ہے۔ کانگریس کے منفی رویے کی وجہ سے یہ کانفرنس ناکام ہو گئی۔ لیکن ماسوائے کانگریس دیگر تمام جماعتوں نے عام

انتخابات کے لیے قائدِ اعظمؒ کے مطالبے کی حمایت کر دی۔ اس موقع پر اکثر مسلم علماء نے مسلم لیگ کی حمایت کی۔ اس حمایت سے مسلم لیگ کو تقویت حاصل ہوئی اور یہ ہندوستان کے مسلمانوں کی انتہائی مقبول جماعت بن گئی۔

(iv) عام انتخابات 46-1945ء:

دسمبر 1945ء میں مرکزی قانون ساز اسمبلی کے انتخابات ہوئے۔ مسلم لیگ نے قیامِ پاکستان کے نعرے پر ان انتخابات میں حصہ لیا۔ مسلمانوں کی اکثریت نے مسلم لیگ کی بھرپور حمایت کی۔ مسلم لیگ نے مسلمانوں کی تمام تیس کی تیس نشستیں جیت لیں۔ کانگریس کو 72 سے صرف 57 پر کامیابی حاصل ہوئی۔ سندھ، پنجاب اور بنگال میں مسلم لیگ کو واضح اکثریت حاصل ہوگئی۔

فروری 1946ء میں صوبائی انتخابات منعقد ہوئے۔ مسلم لیگ نے مسلمانوں کی 495 نشستوں میں سے 430 پر کامیابی حاصل کی۔ مسلم لیگ نے بنگال میں اپنی حکومت بنالی۔ لیکن کانگریس کی سازشوں کی وجہ سے وہ اسمبلی توڑ دی گئی۔ 1946ء میں پھر دوبارہ انتخابات ہوئے۔ مسلم لیگ نے سندھ میں تمام نشستیں جیت لیں اور اپنی حکومت بنالی۔ کانگریس نے پنجاب اور شمال مغربی سرحدی صوبہ میں مخلوط حکومتیں قائم کیں۔

(v) 3 جون کا منصوبہ اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن:

مارچ 1947ء میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن برصغیر کے وائسرائے بن کر آئے جنھوں نے برصغیر کو متحد رکھنے کی بہت کوشش کی مگر ناکام رہے۔ وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ تقسیم برصغیر کے علاوہ برصغیر کے سیاسی مسئلے کا کوئی اور حل نظر نہیں آتا۔

(vi) 3 جون کا منصوبہ اور قیامِ پاکستان:

3 جون 1947ء کو برصغیر کی تقسیم کا اعلان کیا گیا جس کی رو سے اس بات کا فیصلہ کیا گیا کہ 14 اگست 1947ء تک اقتدار ہندوستان کے حوالے کر دیا جائے گا۔ اس قانون کی منظوری کے بعد یہ قانون آزادیٔ ہند 1947ء کہلایا۔ 3 جون کے منصوبے میں ایک شق یہ بھی تھی کہ پنجاب اور بنگال کی اسمبلیوں کے ہندو اور مسلمان اراکین کے الگ الگ اجلاس ہوں گے اور یہ بھی فیصلہ کیا کہ صوبوں کو تقسیم کر دیا جائے تو اس تجویز پر عمل کیا جائے گا جبکہ صوبوں کی حد بندی ایک کمیشن کرے گا۔ سندھ اسمبلی کثرت رائے سے صوبے کے مستقبل کا فیصلہ کرے گی۔ صوبہ سرحد اور سلہٹ کے عوام پاکستان یا بھارت میں شمولیت کا فیصلہ استصوابِ رائے کے ذریعے کریں گے۔ سندھ اسمبلی نے پاکستان میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا اور سلہٹ اور سرحد کے لوگوں نے بھی پاکستان کے حق میں ووٹ دیا۔

(vii) قانون آزادئ ہند، جولائی 1947ء:

3جون کے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے برطانوی پارلیمنٹ نے 16جولائی 1947ء کو قانون آزادئ ہند منظور کیا۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ پاکستان کے پہلے گورنر جنرل بنے۔

(viii) ریڈکلف ایوارڈ:

پنجاب اور بنگال کی اسمبلیوں کی تقسیم کا فیصلہ ہونے لگا تو برطانوی حکومت نے سر ریڈکلف کی سربراہی میں ایک حد بندی کمیشن قائم کیا۔ جس میں پنجاب کی حد بندی کے لیے پاکستان کے نمائندے جسٹس منیر اور جسٹس دین محمد جبکہ بھارت کے نمائندے مہر چاند مہاجن اور جسٹس تیجا سنگھ تھے جو ہائیکورٹ کے جج تھے۔

بنگال کی حد بندی کے لیے پاکستان کی طرف سے جسٹس ابوصالح محمد، ایس۔اے رحمان، محمد اکرم جبکہ بھارت کی طرف سے سی۔سی بسواس اور بی۔کے مکرجی تھے۔ تقسیم کے وقت وائسرائے اور ان کے عملے نے کانگریس سے گٹھ جوڑ کر کے حد بندی کا فیصلہ کرلیا اور ریڈکلف کو دستخط کرنے والی مشین کے طور پر استعمال کیا گیا۔ تقسیم میں ریڈکلف نے مشرقی پنجاب کے مسلم اکثریت کے کئی علاقے بھارت میں شامل کر کے ایک جانب پاکستان کو ستلج، بیاس اور راوی کے پانی سے محروم کردیا جبکہ دوسری جانب بھارت کی سرحد کو کشمیر کے ساتھ ملا دیا۔

پاکستان اور بھارت کی غیر منصفانہ تقسیم سے نفرتوں کی دیواریں اور زیادہ مضبوط ہوگئیں اور دونوں قوموں کے درمیان امن وسکون کی بجائے انتقامی جذبے فروغ پانے لگے۔

قیامِ پاکستان کے بعد برصغیر فرقہ ورانہ فسادات کی لپیٹ میں آگیا۔ پنجاب، دہلی اور بہار میں وسیع پیمانے پر فسادات ہوئے جن میں 15لاکھ افراد قتل ہوئے، پچاس ہزار (50,000) خواتین اغوا ہوئیں اور ایک کروڑ سے زائد افراد کو ترکِ وطن ہونا پڑا۔

نوزائیدہ مملکت کے لیے اتنی بڑی تعداد میں مہاجرین کو سنبھالا دینا مشکل کام تھا۔ کشمیر کو عوام کی مرضی کے خلاف بھارت میں شامل کرلیا۔ جبکہ جوناگڑھ اور مناوادر کی دو ریاستوں کو طاقت کے بل بوتے پر قبضے میں لے لیا گیا۔

آزادی کے وقت برصغیر میں تقریباً ساڑھے چاسو کے قریب نیم خودمختار ریاستیں تھیں جن کو کہا گیا کہ وہ چاہیں تو آزاد رہ سکتی ہیں یا پاکستان اور بھارت میں سے کسی ایک کے ساتھ شامل ہوسکتی ہیں۔ کشمیر اور حیدرآباد کی ریاستوں نے آزاد رہنے کا فیصلہ کیا۔ پاکستان بننے کے بعد کشمیر کے مسئلہ پر بھارت اور پاکستان کے درمیان تین جنگیں ہوچکی ہیں۔ بھارت اس مسئلہ کو خود اقوامِ متحدہ میں لے گیا جہاں آج بھی سلامتی کونسل کے ایجنڈا میں مسئلہ کشمیر حل طلب ہے۔

8۔ تحریکِ پاکستان میں مختلف صوبوں کا کردار:

برصغیر کے مسلمانوں کی طویل جدوجہد کی بدولت پاکستان وجود میں آیا۔ تمام صوبوں کے عوام نے تحریکِ پاکستان کو مقبول بنانے میں حصہ لیا۔ مسلم رہنماؤں نے برصغیر کے کونے کونے تک پاکستان کا پیغام پہنچایا۔ ذیل میں تحریکِ پاکستان میں مختلف صوبوں کا کردار بیان کیا جارہا ہے۔

i. صوبہء پنجاب:

آبادی اور وسائل کے اعتبار سے پنجاب سب سے بڑا صوبہ تھا۔ لیکن ہندوؤں اور انگریزوں کی باہمی سازشوں اور ملی بھگت سے یہاں کے عوام کو دبا کر رکھا گیا تھا۔ علامہ اقبالؒ نے اپنی فکر اور شاعری کے ذریعے عوام میں اسلامی روح پھونک دی اور سب سے پہلے اُنھوں نے ہی اسلامی ریاست کے تصور کو اُجاگر کیا۔ قراردادِ پاکستان بھی پنجاب کے سب سے بڑے شہر اور دارالحکومت لاہور میں 23مارچ 1940ء کو منظور کی گئی۔ اُس کے بعد مسلم لیگ نے پاکستان کے تصور کو پورے پنجاب میں مشہور کردیا۔ 1945-46ء کے انتخابات میں مسلم لیگ نے پنجاب کی صوبائی اسمبلی میں تقریباً نوے فیصد مسلم نشستوں پر کامیابی حاصل کر کے اکثریت حاصل کرلی۔ اس تحریک کے نمایاں رہنماؤں میں نواب افتخار حسین ممدوٹ، میاں ممتاز احمد خان دولتانہ، میاں افتخار الدین، میاں امیر الدین، راجہ غضنفر علی خان اور دیگر زعماء شامل تھے۔

پنجاب کے علماء اور مذہبی عمائدین نے پنجاب کے عوام کو آزادی کے لیے آمادہ کیا۔ اُنھوں نے پنجاب مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن قائم کی اور آزاد مسلم ریاست کا مطالبہ کیا۔ 1941ء میں قائدِ اعظمؒ نے اسلامیہ کالج لاہور میں منعقدہ پاکستان کانفرنس کی صدارت فرمائی۔ پنجاب کے طلبہ نے پنجاب کی یونینسٹ حکومت کی مخالفت کی۔ اس حکومت کو انگریزوں اور ہندوؤں کی حمایت حاصل تھی لیکن بالآخر اس حکومت نے استعفیٰ دے دیا اور اس طرح تخلیقِ پاکستان کے لیے راستہ صاف ہوگیا۔ پنجاب کی خواتین نے بھی اس تحریک میں بھرپور حصہ لیا۔ پنجاب میں سول نافرمانی کی تحریک کے دوران ایک بہادر خاتون صغریٰ فاطمہ (صغریٰ آفتاب) نے پنجاب سیکریٹریٹ (سول سیکریٹریٹ لاہور) سے برطانوی جھنڈا (یونین جیک) اُتار پھینکا اور اس کی جگہ مسلم لیگ کا جھنڈا لہرا دیا۔

ii. صوبہء سندھ:

صوبہء سندھ کو باب الاسلام کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس صوبے میں مسلمانوں کی اکثریت کو کم کرنے کے لیے انگریزوں نے اس کو صوبہء بمبئی کا حصہ بنا دیا۔ مسلم لیگ کی جدوجہد کی بدولت 1935ء کے حکومتِ ہند

قانون (ایکٹ) کے تحت سندھ کو علیحدہ صوبے کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ مسلم لیگ کا پہلا سالانہ اجلاس دسمبر 1907ء میں کراچی میں منعقد ہوا۔ سندھ وہ پہلا صوبہ تھا جس میں مسلم لیگ نے اکتوبر 1938ء میں ایک قرارداد منظور کی جس میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ مسلم اکثریتی صوبوں میں مسلمانوں کی حکومت قائم کی جائے۔ یہ قرارداد مارچ 1940ء کی قراردادِ پاکستان کی پیش خیمہ بنی۔ دوسری جنگِ عظیم کے دوران سید صبغت اللہ شاہ پگارو نے انگریز حکومت کے خلاف مسلح جدوجہد شروع کی۔ یہ جدوجہد "حر تحریک" کے نام سے مشہور ہے۔ حالانکہ پیر پگارو نے جامِ شہادت نوش کیا لیکن اس تحریک کے نتیجے میں تحریکِ پاکستان کو بڑی تقویت ملی۔ 46-1945ء کے انتخابات میں صوبہ سندھ میں مسلم لیگ نے اکثریت حاصل کر لی اور اپنی حکومت بنالی۔ سندھ کے مسلمانوں کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ سر عبداللہ ہارون، محمد ایوب کھوڑو، قاضی فضل اللہ، شیخ عبدالمجید سندھی، سر غلام حسین ہدایت اللہ، پیر الٰہی بخش، جی الانا، رئیس غلام محمد خان بھرگڑی اور قاضی محمد اکبر وہ ممتاز رہنما اور قائدین تھے جنھوں نے صوبہ سندھ میں مسلم لیگ کو مقبول بنایا۔ سندھ کے علماء اور دینی رہنماؤں نے بھی اِس تحریک میں نمایاں کردار ادا کیا۔ پوری جدوجہدِ آزادی کے دوران سندھ کے عوام تحریکِ پاکستان کے وفادار اور جاں نثار رہے۔

iii. صوبہء بلوچستان:

اگرچہ رقبے کے لحاظ سے بلوچستان سب سے بڑا صوبہ تھا مگر انگریزوں نے اُسے ہمیشہ پسماندہ رکھنے کی کوشش کی۔ بلوچستان کے قاضی محمد عیسیٰ 1939ء میں مسلم لیگ کی مجلسِ عاملہ (ورکنگ کمیٹی) میں شامل ہوئے۔ انھوں نے بلوچستان میں مسلم لیگ قائم کی اور کئی قبائلی زعما اس میں شامل ہو گئے۔ جلد ہی مسلم لیگ بلوچستان کی ایک مقبول جماعت بن گئی۔ میر جعفر خان جمالی، میر قادر بخش زہری، سردار باز جان اور نواب محمد خان جوگیزئی نے بلوچستان کے مختلف علاقوں میں مسلم لیگ کے اجلاس منعقد کیے اور عوام تک قائدِ اعظمؒ کا پیغام پہنچایا۔ خان آف قلات میر احمد یار خان نے تحریکِ پاکستان کی حمایت کی۔ 23 مارچ 1941ء کو کوئٹہ میں یومِ پاکستان منایا گیا جس میں قاضی محمد عیسیٰ کی قیادت میں لوگوں نے ایک بڑی ریلی نکالی۔ 1943ء میں بلوچستان مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن قائم ہوئی۔ قیامِ پاکستان کے وقت بلوچستان کے شاہی جرگے نے پاکستان میں شمولیت کا فیصلہ کیا۔

iv. صوبہء سرحد (خیبر پختونخوا صوبہ):

صوبہ سرحد کے عوام اپنی بہادری اور مذہبی ذہنیت کی شہرت رکھتے تھے۔ انگریزوں کی پالیسی کی وجہ سے اس صوبے میں اولاً کوئی حقیقی دستور نہیں تھا۔ قائدِ اعظمؒ کے مطالبے پر 1927ء میں دستوری اصلاحات کا آغاز ہوا۔ 1940ء میں سردار اورنگ زیب نے قراردادِ پاکستان کی تائید و توثیق کی۔ لیکن 1945ء میں صوبہء سرحد میں مسلم لیگ کو منظم نہیں

کیا جاسکا۔ اِس صورتِ حال کا کانگریس نے فائدہ اُٹھایا اور پاکستان مخالف پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ کانگریس کو خان عبدالغفار خان اور ڈاکٹر خان صاحب کی حمایت حاصل تھی۔ صوبے کے پہلے انتخابات میں کانگریس نے اپنی وزارت بنالی اور ڈاکٹر خان صاحب وزیرِ اعلیٰ بن گئے۔ یہ وقت تھا جب مسلم لیگ کی تنظیم کا آغاز ہوا، سردار اورنگ زیب خان، جسٹس سجاد احمد جان اور خان بہادر اسد اللہ خان کی کوششوں سے 1939ء میں ایبٹ آباد میں مسلم لیگ کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ یہ کانفرنس سرحد کے مسلمانوں میں تحریکِ آزادی کی روح پھونکنے کا آلہ کار ثابت ہوئی۔ کئی اضلاع میں مسلم لیگ کے دفاتر کھولے گئے۔ مسلم لیگ کے عروج اور کانگریس کے اثرات کم ہونا شروع ہو گئے۔ کانگریس حکومت نے مسلم لیگ کے قائدین اور کارکنوں پر دباؤ بڑھانا شروع کر دیا۔ مسلم لیگ نے 1947ء میں صوبے میں سول نافرمانی کی تحریک شروع کر دی۔ کارکنان کی ایک بڑی تعداد کو بے بنیاد اور جھوٹے مقدمات میں ملوث کر دیا گیا۔ تقریباً آٹھ ہزار کارکنوں کو گھروں میں نظر بند کر دیا گیا۔ لیکن مسلم لیگ کی تحریک بڑی تیزی سے پھیلتی چلی گئی۔ مذہبی رہنماؤں نے اِس تحریک میں بہت نمایاں کردار ادا کیا۔ اسلامیہ کالج پشاور اور ایڈورڈ کالج کے طلبہ تصورِ پاکستان کو نمایاں کرنے میں سب سے اگلی صفوں میں کھڑے تھے۔ کانگریس کے پیروں تلے زمین نکل گئی اور اُس کا زور ٹوٹ گیا اور مسلم لیگ ایک مقبول سیاسی جماعت بن گئی۔ اس طرح 14 اگست 1947ء کو یہ پاکستان کا حصہ بن گیا۔

اپریل 2010ء کو آئین میں اٹھارھویں ترمیم کے بعد صوبہء سرحد کا نیا نام خیبر پختونخوا رکھا گیا ہے۔

9۔ 14 اگست 1947ء کی اہمیت:

پاکستان اور بھارت نے ایک دن کے فرق سے آزادی حاصل کی۔ پاکستان 14 اگست 1947ء (27 رمضان 1366ھ) کو آزاد ہو گیا جبکہ بھارت 15 اگست 1947ء کو۔ یہ بھی قدرت کی طرف سے ایک انعام تھا کہ 14 اگست 1947ء کو ہی رمضان کی ستائیسویں شب تھی۔ اِس شب کو" لیلة القدر "کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ یعنی نیکیوں، بھلائیوں اور قدر کی رات۔

کیونکہ برطانوی ہند (جنوبی ایشیا کا وہ خطہ تھا جس پر انگریز براہِ راست حکمرانی کر رہے تھے) کو تقسیم ہونا تھا۔ اِس لیے بڑی فطری بات تھی کہ پاکستان، بھارت سے ایک روز قبل آزاد ملک کی حیثیت سے معرضِ وجود میں آیا۔ انگریزوں کے زیرِ اقتدار مقامی ریاستوں سے یہ کہا گیا کہ وہ اپنے جغرافیائی محلِ وقوع اور اپنے عوام کے مذہبی تشخص کی بنیاد پر پاکستان یا بھارت میں سے کسی ایک کے ساتھ الحاق کر لیں۔ لیکن جموں اور کشمیر کے راجا نے اس کی پیروی نہیں کی۔ اِس لیے یہ آج تک ایک متنازعہ علاقہ ہے۔

10۔ نظریاتی ریاست کے شہریوں کی ذمہ داری:

قائداعظمؒ نے 15 جون 1948ء کو قوم سے خطاب کیا اور اُنھیں صوبائیت اور نسل پرستی کے خطرات سے ان الفاظ میں آگاہ فرمایا:

''اب ہم بلوچی، پٹھان، سندھی، پنجابی اور بنگالی کے بجائے صرف پاکستانی ہیں۔ ہماری سوچ اور فعل و عمل ایک پاکستانی کے شایانِ شان ہونا چاہیے اور ہمیں پاکستانی ہونے پر فخر ہونا چاہیے''۔

جدوجہدِ پاکستان کے پس منظر میں یہ فکر و فلسفہ کارفرما تھا کہ ایک ایسی اسلامی ریاست قائم کی جائے جہاں مسلمان اسلام کے ابدی اصولوں کے مطابق اپنی زندگی گزار سکیں۔ اِس پس منظر میں پاکستان کا تصور ایک نظریاتی ریاست کا تھا۔ اور نظریاتی ریاست اپنے عوام سے مندرجہ ذیل ذمہ داریوں کا تقاضا کرتی ہے۔

(i) وہ اپنی زندگی اسلامی تعلیمات کے مطابق بسر کرنے کی کوشش کریں گے، جو اِس ملک کی بنیادی اساس ہیں۔ اِس اصول کا تقاضا تھا کہ اسلامی شریعت کے مطابق قوانین و قواعد و ضوابط مرتب کیے جائیں۔

(ii) وہ ایک ایسا جمہوری نظام قائم کرنے کے لیے جدوجہد کریں گے جس کی بنیادیں اسلامی اصولوں پر رکھی گئی ہوں۔ مغربی طرز کا جمہوری نظام پاکستان کے لیے مناسب نہیں ہے۔ سب کے لیے آزادی، احترام، عزت و تکریم اور مساوات کا جمہوری اصول ہی زندگی گزارنے کا واحد مناسب طریقہ ہے۔

(iii) نظریاتی ریاست کے ہر شہری کو وفادار اور محبِ وطن ہونا چاہیے اور آزمائش کے وقت ریاست و مملکت کے لیے قربانی دینے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ اُس کا ذاتی مفاد ریاست و مملکت کے مفاد سے بالاتر نہیں ہونا چاہیے۔

(iv) ہر شہری کو رزقِ حلال کمانا چاہیے اور کبھی بھی کسی فراڈ یا دھوکے میں ملوث نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی دوسروں کو فریب دینا چاہیے۔

(v) اُن کا رویہ ایک تعلیم یافتہ اور مہذب شخص کا ہونا چاہیے۔ اُن کے لیے یہ لازمی ہو کہ وہ خود تعلیم حاصل کریں کیوں کہ تعلیم ہی تمام کامیابیوں کی کلید ہے۔

(vi) اُن کو ریاست کے قوانین کا احترام کرنا چاہیے اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے۔ اُن کو کبھی تشدد پر نہیں اُترنا چاہیے اور قوانین و قواعد و ضوابط کی خلاف ورزی سے بچنا چاہیے۔

(vii) اُن کو ایسی سرگرمیوں میں حصہ لینا چاہیے جو قومی یکجہتی، وقار اور ترقی کو فروغ دیتی ہوں۔ اُن کو سماج دشمن عناصر کی سرگرمیوں کے خلاف حکومت کی مدد کرنا چاہیے۔

(viii) اُن کو سخت محنت کش ہونا چاہیے اور معاشرے کی فلاح و بہبود میں حصہ لینا چاہیے۔

(ix) اُن کو ہمیشہ دوسروں کی مدد کے لیے تیار رہنا چاہیے اور اپنے فرائض پوری ذمہ داری اور توجہ سے ادا کرنا چاہییں۔ اُنھیں تمام ٹیکس باقاعدگی سے ادا کرنا چاہییں۔

(x) اُنھیں مسلم اخوت اور انسانی عظمت کے لیے کام کرنا چاہیے۔

11۔ قائداعظمؒ کا بحیثیت پہلے گورنر جنرل کردار اور اُن کے کارنامے:

بحیثیت گورنر جنرل قائداعظمؒ کا کردار اُن کی ذاتی شخصیت، بے داغ کردار، پاکستان سے محبت، قربانی، وابستگی اور عہد کی بے غرض اور بے لوث صفات کی روشنی میں دیکھا اور پرکھا جاسکتا ہے۔ وہ ایک حقیقی معنوں میں سیاسی قائد اور رہنما تھے۔ اُن کی اپنی ذات میں کئی صفات جمع ہوگئی تھیں۔ اولاً ہم قائداعظمؒ کے کردار پر گفتگو کرتے ہیں۔

(i) وہ ایک بااصول شخص تھے اور اُنھوں نے ہمیشہ اپنے قول یا وعدے کے مطابق عمل کیا۔

(ii) وہ ایک ذہین سیاسی رہنما تھے اور اپنی ذات میں ہمہ جہت صفات جمع کر لی تھیں مثلاً تدبر، حوصلہ، جرأت، احساس ذمہ داری، وقار، عظمت، پاسداری، راست گوئی اور اپنے مقصد سے خلوص۔

(iii) وہ ایک ایماندار، دیانت دار اور جرأت مند شخص تھے اور برصغیر کے مسلمانوں کی بہبود اور اُن کے مفاد میں جو کچھ ہوتا تھا اُس پر بات کرتے جھجکتے نہیں تھے۔

(iv) وہ دلفریب اور انتہائی جاذب نظر شخصیت کے حامل تھے اور اُن کے انداز و اطوار انتہائی سلجھے ہوئے تھے۔ مجالس میں اُن کی موجودگی دوسروں کے لیے کشش کا باعث ہوتی تھی۔

(v) وہ انتہائی مضبوط کردار کے مالک تھے اور اُنھوں نے اصولوں پر کبھی سمجھوتا نہیں کیا۔ خاص طور سے مسلمانوں اور پاکستان کے مفاد پر۔

(vi) وہ ایک پُرعزم، مستقل مزاج، قوی الارادہ اور ثابت قدم شخص تھے، جو کبھی تھکتے نہیں تھے۔

(vii) اُنھوں نے اپنی زندگی پاکستان کے لیے وقف کر دی تھی۔ یہ اُن کی وسعتِ نظر، جرأت، بے لوث خدمت اور وابستگی ہی تھی جس کی بدولت وہ دنیا کے نقشے پر ظاہر ہونے کے فوراً بعد پاکستان کے بڑے بڑے مسائل کو حل کر سکے۔

(viii) وہ طلبہ کی نوجوان نسل کے بہت بڑے حامی اور معترف تھے اور اُنھیں اسلام اور پاکستان کا مستقبل کا اسلحہ خانہ تصور کرتے تھے۔

قائداعظمؒ بحیثیت گورنر جنرل:

قیامِ پاکستان کے بعد قائداعظمؒ کو ورثے میں بے شمار مسائل ملے۔ اِن بڑے مسائل میں بھارت سے آئے ہوئے مہاجرین کی بحالی، پاکستان اور بھارت کے درمیان اثاثوں کی تقسیم، نہری پانی کا تنازع اور کشمیر کا مسئلہ شامل تھے۔ اِن حالات میں بحیثیتِ گورنر جنرل قائداعظمؒ نے اپنا فرض منصبی ذیل کے مطابق ادا کیا۔

(i) قومی یک جہتی:

پاکستان کے ابتدائی مسائل کا تقاضا تھا کہ اِس نئی مملکت کے عوام کے درمیان قومی یک جہتی اور بھرپور تعاون کا جذبہ پروان چڑھے۔ بھارت نے کبھی دل سے پاکستان کے وجود کو تسلیم نہیں کیا تھا اور ہندو رہنماؤں کا خیال خام تھا کہ پاکستان کا وجود ختم ہو جائے گا اور برصغیر پھر متحد ہو جائے گا۔ لیکن قائداعظمؒ کی ذہانت اور لیاقت تھی کہ اُنھوں نے اپنے خلوص، محنت اور پاکستان سے محبت کی بدولت یہاں کے لوگوں میں قومی روح و جذبہ اور حب الوطنی کا جذبہ بیدار کیا۔ قومی اتحاد و اتفاق نے فروغ پایا اور پاکستان ایک حقیقت بن گیا۔

(ii) مہاجرین کی بحالی:

تقسیمِ ہند کے نتیجے میں 6.5 ملین (65 لاکھ) مسلمان بے گھر کر دیئے گئے اور اُنھیں پاکستان ہجرت کرنے اور پناہ لینے پر مجبور کر دیا گیا۔ اُن کی بحالی پہاڑ جیسا کام تھا۔ قائداعظمؒ نے اِن مہاجروں کی بحالی پر فوری توجہ دی اور ''قائداعظم ریلیف فنڈ'' قائم کر دیا گیا۔ اُنھوں نے لوگوں سے عطیات جمع کرانے کی اپیل کی۔ قائداعظمؒ ذاتی طور پر اکتوبر 1947ء میں خود لاہور تشریف لائے تاکہ مشرقی پنجاب سے ترکِ وطن کرنے والے مہاجرین کے مسائل کا جائزہ لے سکیں اور اُن کی خوراک و رہائش کا بندوبست کیا جائے۔ اُنھوں نے 30 اکتوبر 1947ء کو لاہور میں ایک بڑے جلسہ عام سے خطاب کیا کہ یہ تمام پاکستانیوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اِن مہاجرین کی ہر ممکن مدد کریں، جنھوں نے پاکستان کی خاطر اپنے گھروں کو چھوڑا ہے اور جنھیں ہندوؤں اور سکھوں کے ہاتھوں نقصان اُٹھانا پڑا ہے۔

(iii) سرکاری افسران کے رویے میں تبدیلی:

قائداعظمؒ نے سرکاری افسران کو مشورہ دیا کہ وہ خود کو عوام کا خادم ثابت کریں۔ 25 مارچ 1948ء کو قائداعظمؒ نے سرکاری ملازمین سے خطاب کیا اور اُن کو ہدایت کی کہ وہ سیاسی یا گروہی وابستگی سے بلند تر ہو کر عوام کے خادمین کی

حیثیت سے اپنے فرائض ایمانداری اور دیانت داری سے سرانجام دیں۔ اِس سے عوام کی نظروں میں اُن کا مقام بلند ہوگا۔ قائداعظمؒ کی ہدایات نے ایک قومی روح و جذبہ پھونک دیا۔

(iv) صوبائی اور نسلی امتیاز کی نفی:

قائداعظمؒ نے لوگوں کو ہدایت کی کہ وہ خود کو پاکستانی کہلوانے پر فخر محسوس کریں اور ہر قسم کے نسلی امتیاز اور علاقائی تعصبات سے خود کو علیحدہ رکھیں۔ اُنھوں نے تمام صوبوں کا دورہ کیا اور ان کے مسائل حل کرنے کی کوشش کی۔ آزاد قبائلی علاقے کی وزیرستان ایجنسی سے مسلح افواج کو ہٹا لیا گیا۔ اِس سے اس علاقے کو یہ پیغام دینا مقصود تھا کہ وہ بھی پاکستان کا جزولاینفک ہیں۔ مختلف آزاد ریاستوں کو پاکستان میں شامل کر لیا گیا۔ کراچی کو پاکستان کا دارالخلافہ قرار دیا گیا۔

(v) پاکستانی معیشت کے رہنما اصولوں کا تعین:

یکم جولائی 1948ء کو اسٹیٹ بینک آف پاکستان (بینک دولت پاکستان) کا افتتاح کرتے ہوئے قائداعظمؒ نے فرمایا کہ پاکستان کے لیے مغربی معاشی اور اقتصادی نظام غیر مناسب ہے اور اِس سے ملک کے عوام میں خوشحالی نہیں آسکتی ہے۔ ہمیں ایک ایسا نظام تشکیل دینا ہے جس کی بنیاد اسلامی مساوات اور عدل پر مبنی ہو۔ اس طرح شاید ساری دنیا میں ہم ایک نیا سماجی نظام متعارف کرا سکیں گے۔

(vi) خارجہ پالیسی:

آزادی کے فوراً بعد قائداعظمؒ نے پاکستان کو اقوام متحدہ کا رکن بنانے کے لیے اپنی توجہ مرکوز کر دی۔ اُن کی رہنمائی میں بہت جلد ہی بے شمار ممالک سے سفارتی تعلقات قائم ہو گئے۔ پاکستان کی خارجہ پالیسی کا مرکزی نکتہ یہ تھا کہ تمام ممالک کے ساتھ اور خاص طور سے اپنے قریبی ہمسایوں اور اسلامی ممالک سے دوستانہ تعلقات برقرار رکھے جائیں۔ اِس سلسلے میں قائد کا کردار ایک انتہائی محبِ وطن شخص کا تھا۔

(vii) طلبہ کو ہدایات:

قائداعظمؒ اِس نظریے کے حامی تھے کہ پاکستان کے نوجوان ہی پاکستان کے مستقبل کا قیمتی اثاثہ ہیں۔ اُنھوں نے طلبہ کو ہدایت کی کہ وہ پوری توجہ اپنی تعلیم پر دیں۔ اُنھوں نے قیامِ پاکستان میں طلبہ کے کردار کو سراہا لیکن یہ ہدایت کی کہ اب وقت آگیا ہے کہ وہ خود کو سیاست سے علیحدہ کر لیں۔

(viii) پاسداری و وابستگی:

1947ء میں پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے وقت قائداعظمؒ سخت بیمار تھے اور بہت زیادہ تھک چکے تھے۔ لیکن نوزائیدہ ملک کے عوام کے مسائل کو حل کرنے کے لیے شب و روز محنت کرتے رہے۔ اپنی زندگی کی آخری سانسوں تک اُنھوں نے اپنی کوششیں پاکستان کے استحکام اور سالمیت کے لیے مرکوز کر دیں۔ اسی لیے اُنھیں "بابائے قوم" کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُنھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے (آمین)۔

مشق

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات دیجیے۔

1۔ فرائضی تحریک کے کیا مقاصد تھے؟
2۔ بھارت 14 اگست 1947ء کو کیوں آزاد نہیں ہوا تھا؟
3۔ تحریکِ احیاء میں شاہ ولی اللہ کے کردار پر روشنی ڈالیے۔
4۔ پنجاب اور خیبر پختونخوا سے معاشرتی برائیوں کو مٹانے کے لیے سید احمد شہید کی جدوجہد بیان کیجیے۔
5۔ علی گڑھ تحریک کے کارنامے بیان کیجیے۔
6۔ "دو قومی نظریہ" کیا ہے؟
7۔ جدوجہد پاکستان میں مسلم لیگ کے کردار پر روشنی ڈالیے۔
8۔ جدوجہد پاکستان میں صوبوں نے کیا کردار ادا کیا تھا؟
9۔ ایک نظریاتی ریاست کے شہریوں کی کیا ذمہ داریاں ہیں؟
10۔ قائداعظمؒ کے کردار کی وہ نمایاں صفات واضح کیجیے جو اُنھیں دوسروں کے لیے نمونہ بناتی ہیں۔
11۔ بحیثیت گورنر جنرل قائداعظمؒ کا کردار بیان کیجیے۔

(ب) مناسب الفاظ سے خالی جگہیں پُر کیجیے۔

(i) مسلم لیگ ---------- میں قائم ہوئی۔
(ii) علی گڑھ تحریک کے تحت 1862ء میں سائنٹفک سوسائٹی ---------- میں قائم ہوئی۔
(iii) بلوچستان میں مسلم لیگ ---------- نے قائم کی۔
(iv) شاہ ولی اللہ کا سال ---------- میں انتقال ہوا۔
(v) ---------- میں سندھ علیحدہ صوبہ بن گیا۔
(vi) پاکستان رمضان کی ---------- تاریخ کو وجود میں آیا۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں آئینی ارتقا

CONSTITUTIONAL DEVELOPMENT IN ISLAMIC REPUBLIC OF PAKISTAN

تیسرا باب

1۔ آئین کی ضرورت:

قوانین و قواعد و ضوابط کے ایسے مجموعے کو آئین یا دستور کہا جاتا ہے، جو کسی ملک یا ریاست کا نظام یا کاروبارِ حکومت چلانے کے لیے مرتب کیا جاتا ہے۔ اِس کا مقصدِ اوّل یہ ہوتا ہے اُس ملک یا ریاست کے عوام آزاد، منظم، پُرامن اور خوشحال زندگی گزار سکیں۔

اگر تاریخِ انسانی پر نگاہ ڈالی جائے تو یہ پتا چلتا ہے کہ ابتدائی دور کا اِنسان چھوٹے کنبہ کی صورت میں رہتا تھا۔ ہر کنبہ یا خاندان کے اپنے قواعد و ضوابط اور طرزِ زندگی ہوتے تھے۔ بعد میں بہت سے کنبوں نے مل کر چھوٹا یا بڑا قبیلہ بنا لیا تاکہ اپنی بے شمار معاشی، اقتصادی، معاشرتی اور دفاعی ضروریات کو باہمی طور پر پورا کیا جائے۔ اِس کے بعد وقت گزرنے کے ساتھ اور آبادی میں اضافے کی وجہ سے اُنھوں نے یہ محسوس کیا کہ وہ کسی خاص علاقے میں زیادہ بڑی اکائیوں میں خود کو منظم کریں۔ ایسی قلمرو یا علاقے کی اساس زبان، تہذیب و ثقافت اور رسوم و رواج پر تھی۔ اسی کے نتیجے میں مختلف ممالک اور ریاستیں وجود میں آئیں۔ کسی بھی ملک یا ریاست کا نظام یا کاروبارِ حکومت چلانے کے لیے کئی ادارے وجود میں آتے ہیں اور ہر ادارے کے لیے قواعد و ضوابط مرتب کیے جاتے ہیں۔ اِن اداروں کو چلانے کے لیے کچھ افراد کا تقرر کیا جاتا ہے۔ اِس طرح ایک نظامِ حکومت وجود میں آتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں ادارے اور افراد مل کر حکومت بناتے ہیں۔ یہ حکومت پھر قواعد و قوانین و ضوابط کو یکجا کرتی ہے۔ اِن قواعد و قوانین و ضوابط کے مجموعے کو جن کی روشنی میں کاروبارِ حکومت چلایا جاتا ہے اور جو حکومت کے مختلف شعبوں کے اختیارات اور اُن کے باہمی تعلقات نیز شہریوں کے حقوق کا تعین کرتے ہیں، آئین یا دستور کہتے ہیں۔ اسی لیے کاروبارِ حکومت چلانے کے لیے ایک آئین یا دستور کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ کوئی بھی شخص آئین میں دی گئی حدود کو پار نہ کر سکے۔ اِس پوری گفتگو کا خلاصہ یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ:

(i) چھوٹے کنبے قبائل میں بدل گئے۔
(ii) قبائل ریاست یا مملکت میں ضم ہو گئے۔

(iii) ریاست کو کاروبارِ حکومت چلانے کے لیے اداروں اور شعبوں کی ضرورت تھی۔

(iv) شعبوں، اداروں اور افراد نے مل کر حکومت تشکیل دی۔

(v) کاروبارِ حکومت چلانے کے لیے قاعدے، قوانین اور ضابطے بنائے گئے۔

(vi) ان قاعدوں، قوانین اور ضوابط کے مجموعے کو آئین یا دستور کہا جاتا ہے۔

اس لیے حکومت کے معاملات کو چلانے کے لیے آئین اور دستور کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کا واضح مقصد یہ ہے کہ قانون کی نگاہ میں سب برابر ہیں اور جو کوئی ان قوانین کی خلاف ورزی کرتا ہے اُس کو اس کے انجام تک پہنچایا جائے۔

جب پاکستان معرضِ وجود میں آیا تو اس کی فوری اور اشد ضرورت یہ تھی کہ آئین بنایا جائے۔ یہ فیصلہ کیا گیا کہ جب تک نیا آئین اور دستور نہیں بنتا ہے اُس وقت تک حکومتِ ہند قانون 1935ء (گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء) کو چند ضروری اصلاحات کے ساتھ عبوری آئین کے طور پر قبول کرلیا جائے۔

2۔ قراردادِ مقاصد 1949ء:

پاکستان کے آئینی ارتقا کی تاریخ میں قراردادِ مقاصد ایک انتہائی اہم دستاویز اور آئین سازی میں بنیادی قدم ہے۔ اُسے 12 مارچ 1949ء کو منظور کیا گیا۔ اِس قرارداد میں اسلام کو پاکستان کی اساس قرار دیا گیا ہے۔ اس قراردادِ مقاصد میں کہا گیا کہ تمام اختیارات اور اقتدارِ اعلیٰ کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ جمہوریت، آزادی، مساوات اور معاشرتی انصاف کے وہ سنہرے اصول و تصورات جو اسلام نے پیش کیے ہیں نافذ کیے جائیں گے تاکہ لوگ اپنی زندگیوں کو اسلام کے اصولوں کے مطابق ڈھال سکیں۔ اسلامی تصورات کے نفاذ پر اس لیے اصرار کیا گیا کیوں کہ جدوجہدِ پاکستان کا مقصد ہی یہ تھا کہ برصغیر کے مسلم عوام کو ایک ایسی ریاست مل جائے جہاں وہ اپنے دین و مذہب کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ اس لیے یہ انتہائی ضروری تھا کہ اسلام کو حکومت اور ریاستی پالیسی کی بنیاد بنایا جائے۔

قراردادِ مقاصد 1949ء کے نمایاں خدوخال:

(i) اس قرارداد میں اِس بات کی وضاحت کردی گئی کہ ساری کائنات کا مالک اور مقتدرِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ ہے۔ اقتدار مسلمانوں کے پاس اللہ کی امانت ہے اور اِس اقتدار کو اسلام کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہ کر استعمال کیا جائے گا جو عوام کے منتخب نمائندے استعمال کریں گے۔

(ii) اسلام کے پیش کردہ جمہوریت، مساوات اور عدلِ اجتماعی (معاشرتی عدل) کے اصول اور تصورات ملک میں نافذ کیے جائیں گے۔

(iii) مسلمانوں کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیاں قرآن مجید اور سنت میں پیش کردہ اصولوں کے مطابق گزارنے کے لیے بہتر اور مناسب ماحول فراہم کیا جائے گا۔

(iv) تمام اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ کیا جائے گا۔ اُن کو اپنے اپنے مذاہب کی پیروی کرنے اور اپنی ثقافت کو فروغ دینے کے لیے پوری آزادی ہوگی۔

(v) پاکستان ایک وفاقی ریاست ہوگا۔ آئین میں متعین کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے تمام صوبوں کو خودمختاری حاصل ہوگی۔

(vi) عوام کے بنیادی حقوق اور عدلیہ کی آزادی کو یقینی بنایا جائے گا۔

قراردادِ مقاصد کی منظوری کے بعد پہلی دستور ساز اسمبلی نے آئین سازی کا کام شروع کردیا۔ دستور ساز اسمبلی نے کئی کمیٹیاں تشکیل دیں۔ اس موضوع پر تفصیلی مطالعے اور گہرے غوروخوض کے بعد ان کمیٹیوں نے اپنی سفارشات رپورٹ کی صورت میں دستور ساز اسمبلی کو پیش کردیں۔ لیکن یہ سفارشات شرمندہ تعبیر نہ ہوسکیں بلکہ گورنر جنرل غلام محمد نے 24 اکتوبر 1954ء کو دستور ساز اسمبلی ہی کو توڑ دیا۔ پس اس دستور ساز اسمبلی کی سات سال کی عمر (1947ء تا 1954ء) کے دوران ملک کے لیے آئین نہیں بنایا جاسکا۔ اس کی وجوہات میں سیاسی بحران وعدمِ استحکام اور سیاسی جماعتوں کی اقتدار کے لیے جنگ شامل ہیں۔

3۔ 1956ء کا آئین:

جون 1955ء میں دوسری دستور ساز اسمبلی منتخب ہوئی اور آئین سازی کا کام شروع ہوا اور ایک سال سے بھی کم عرصے میں ملک کا آئین تیار کیا گیا، جو 23 مارچ 1956ء کو نافذ ہوا۔

1956ء کے آئین کے نمایاں خدوخال:

(i) اِس آئین کے ابتدائیہ میں یہ کہا گیا کہ حاکمیت اور اقتدارِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور پاکستان کو اسلامی جمہوریہ قرار دیا گیا۔

(ii) ملک میں وفاقی پارلیمانی نظام حکومت قائم کیا گیا۔

(iii) گورنر جنرل کی جگہ صدر نے لے لی۔

(iv) حکومت کے وفاقی نظام کے تحت مرکز اور پاکستان کے دونوں صوبوں یعنی (سابقہ) مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے درمیان اختیارات کا تعین کیا گیا۔

(v) اِس بات کی ضمانت دی گئی کہ مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنے کے تمام مواقع مہیا کیے جائیں گے۔

(vi) حکومتِ پاکستان دنیا کے تمام مسلم ممالک سے قریبی اور دوستانہ تعلقات قائم کرے گی۔

(vii) سربراہِ مملکت مسلمان ہوگا۔

(viii) کوئی ایسا قانون نافذ نہیں کیا جائے گا جو اسلامی اصولوں (قرآن وسنّت) کے خلاف ہو اور اگر ایسا کوئی قانون موجود ہوگا تو اُس میں ترمیم کی جائے گی۔

(ix) صدر پاکستان ایک کمیشن تشکیل دیں گے جو تمام موجودہ قوانین کا جائزہ لے گا اور ان میں ضروری ترامیم کی سفارش کرے گا۔

(x) غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کو مناسب تحفظ فراہم کیا گیا۔

1956ء کا آئین بدقسمتی سے صرف ڈھائی سال تک نافذ رہا۔ سیاسی سازشوں، باہمی چپقلش اور ملک کی بدتر اقتصادی صورتِ حال نے فوج کو یہ موقع فراہم کیا کہ وہ ملک کا نظم ونسق سنبھال لے۔ 7 اکتوبر 1958ء کو مارشل لا نافذ کردیا گیا۔ افواجِ پاکستان کے سپہ سالار (کمانڈر انچیف) جنرل محمد ایوب خان نے حکومتِ پاکستان کے اختیارات سنبھال لیے۔ 1956ء کا آئین منسوخ کردیا گیا اور تمام وفاقی اور صوبائی اسمبلیاں توڑ دی گئیں۔ اس طرح پاکستان پھر تقریباً تین سال آٹھ ماہ تک بے دستور ملک رہا۔

4۔ 1962ء کا آئین:

جنرل محمد ایوب خان نے ایک نیا آئین تیار کروایا جسے 8 جون 1962ء کو ملک میں نافذ کیا گیا۔ ملک سے مارشل لا اُٹھا لیا گیا۔ اِس آئین کو 1962ء کا آئین کہا جاتا ہے۔

1962ء کے آئین کے نمایاں خدوخال:

(i) قراردادِ مقاصد 1949ء کو آئین کے ابتدائیہ (Preamble) میں شامل کیا گیا۔

(ii) عوامی نمائندے قرآن وسنّت کی مقرر کردہ حدود کے اندر اپنے اختیارات استعمال کرسکتے ہیں۔

(iii) 1962ء کے آئین میں پاکستان کو اسلامی جمہوریہ قرار دیا گیا تھا۔

(iv) قرآن وسنّت کے خلاف کوئی قانون نافذ نہیں کیا جائے گا۔ عوام کو تمام مواقع اور سہولتیں مہیا کی جائیں گی تاکہ وہ قرآن وسنّت کی تعلیمات کے مطابق اپنی زندگیاں گزار سکیں۔

(v) اسلامی مشاورتی کونسل قائم کی گئی جس کا مقصد یہ تھا کہ قوانین میں غیر اسلامی دفعات کی نشاندہی کرے اور اِن قوانین میں ایسی ترامیم کی سفارش کرے جو اُنھیں اسلامی اصولوں (قرآن وسنّت) کے مطابق ڈھال دے۔

(vi) تمام اختیارات ایک فرد یعنی صدر کی ذات میں جمع کردیے گئے۔

(vii) ملک میں صدارتی طرزِ حکومت رائج کیا گیا۔

(viii) بنیادی جمہوریت کے نظام کو آئین کا حصہ بنا دیا گیا۔

(ix) صدر، قومی وصوبائی اسمبلی کے اراکین کے لیے انتخابات کا بالواسطہ نظام رائج کیا گیا۔

1962ء کا آئین تقریباً سات سال تک نافذ رہا کہ اچانک 1968ء کے آخر اور 1969ء کے اوائل (دسمبر 1968ء تا مارچ 1969ء) میں صدر ایوب خان کی حکومت کے خلاف اور ملک میں جمہوریت کی بحالی کے لیے عوام نے ایک زبردست تحریک چلائی۔ پورے ملک میں تشدد کی لہر پھیل گئی۔ شدید فسادات، ہنگاموں اور شورشوں کے باعث 25 مارچ 1969ء کو صدر ایوب نے اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دیا اور اُس وقت کے برّی افواج کے کمانڈر انچیف جنرل یحییٰ خان نے 1962ء کے آئین کو منسوخ کردیا اور ملک میں دوبارہ مارشل لا نافذ کردیا۔

5۔ 1973ء کا آئین:

مارچ 1969ء میں مارشل لا کے نفاذ کے وقت یہ وعدہ کیا گیا کہ بالغ رائے دہی کی بنیاد پر منتخب پاکستان کی نئی دستور ساز اسمبلی ایک نیا آئین تیار کرے گی۔ اس مقصد کے لیے مارچ 1970ء میں "لیگل فریم ورک آرڈر" (ایل ایف او) جاری کیا گیا۔ ایل ایف او میں صوبائی اور قومی اسمبلی کے اراکین کی تعداد اور انتخابات کے انعقاد کے لیے ہدایات فراہم کی گئی تھیں اور آئین کی تیاری کے لیے بنیادی اصول طے کردیے گئے۔

دسمبر 1970ء میں ملک میں عام انتخابات منعقد ہوئے تاکہ منتخب نمائندے ملک کے لیے آئین بنا سکیں۔ بدقسمتی سے انتخابات کے انعقاد کے فوراً بعد ملک میں زبردست سیاسی بحران اور ہل چل پیدا ہوگئی جس کا بالآخر نتیجہ یہ نکلا کہ دسمبر 1971ء میں مشرقی پاکستان متحدہ پاکستان سے علیٰحدہ ہوگیا۔ مشرقی پاکستان بنگلہ دیش کے نام سے ایک علیٰحدہ آزاد ملک بن گیا۔

مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد مغربی پاکستان کے منتخب اراکین کو نیا آئین بنانے کے لیے کہا گیا۔ حکومت اور

حزبِ اختلاف کے نمائندوں پر مشتمل 25 اراکینِ اسمبلی کی ایک کمیٹی بنائی گئی جس کے سپرد یہ کام دیا گیا کہ وہ ملک کے لیے مستقل آئین کا مسودہ تیار کرے۔ کمیٹی کا تیار کردہ مسودہ اپریل 1973ء میں منظور کر لیا گیا اور 14 اگست 1973ء کو یہ آئین ملک میں نافذ کر دیا گیا۔

1973ء کے آئین کے نمایاں خدوخال:

(i) 1973ء کے آئین کی بنیاد بھی قراردادِ مقاصد پر رکھی گئی تھی۔

(ii) ملک کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان رکھا گیا اور اسلام کو ریاست کا سرکاری مذہب قرار دیا گیا۔

(iii) مسلمان کی تعریف کو آئین کا حصہ بنایا گیا اور یہ کہا گیا کہ "ایسا شخص مسلمان ہے جو اللہ اور آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ کو اللہ کے آخری نبی ہونے پر کامل ایمان رکھتا ہو۔"

(iv) سربراہِ مملکت یعنی صدر اور سربراہِ حکومت یعنی وزیرِ اعظم مسلمان ہوں گے۔

(v) قراردادِ مقاصد کو آئین میں ابتدائیہ (Preamble) کے طور پر شامل کیا گیا جس میں کہا گیا ہے کہ تمام کائنات کا مالک، حاکمِ اعلیٰ اور مقتدرِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ ہے اور عوام کے پاس اختیار و اقتدار اللہ کی امانت ہے جس کو وہ اللہ کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے استعمال کر سکتے ہیں۔

(vi) ملک میں وفاقی پارلیمانی نظام رائج کیا گیا۔ وزیرِ اعظم کو بہت زیادہ اختیارات دیے گئے۔ صدرِ مملکت کے اختیارات کو بہت محدود کر دیا گیا۔ عملی طور پر صدرِ مملکت وزیرِ اعظم کی رضامندی کے بغیر اہم احکامات جاری نہیں کر سکتا تھا۔

(vii) پاکستان میں پہلی مرتبہ دو ایوانوں پر مشتمل پارلیمان قائم کی گئی۔ ایوانِ بالا کا نام سینیٹ اور ایوانِ زیریں کا نام قومی اسمبلی رکھا گیا۔

(viii) صوبائی حکومتوں کو صوبائی خودمختاری دی گئی۔

(ix) عوام کے حقوق کے تحفظ کے لیے عدلیہ کی آزادی کے لیے ضروری تحفظات مہیا کیے گئے۔

(x) آئین کی رو سے ایک اسلامی نظریاتی کونسل قائم کی گئی تاکہ وہ اسلامی اصولوں کے مطابق حکومت کی رہنمائی کرے۔ یہ ایک مشاورتی ادارہ ہے جو وفاقی اور صوبائی حکومتوں کو ایسے اقدام کے لیے سفارشات پیش کرتا ہے جو مسلمانوں کو اسلامی اصولوں وضوابط کے مطابق زندگی گزارنے میں مددگار ثابت ہوں۔ یہ کونسل موجودہ قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لیے بھی اپنی رائے دے سکتی ہے۔

(xi) مسلم ممالک سے قریبی تعلقات قائم کرتے ہوئے اسلامی اتحاد و اتفاق و یک جہتی کو پروان چڑھانا۔

(xii) اسلامی تعلیمات اور عربی زبان کو فروغ دینے کے لیے ضروری اقدامات کرنا۔

6۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی:

14 اگست 1947ء کو پاکستان دو حصوں میں وجود میں آیا، یعنی مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان۔ 1971ء میں مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے وقت تک یہ ایک ہی ملک رہا۔ مشرقی پاکستان کے زوال یا علیحدگی کے اسباب مندرجہ ذیل ہیں:

(i) مشرقی اور مغربی پاکستان کا جغرافیائی محل وقوع:

پاکستان کا ان دونوں حصوں کے درمیان تقریباً سولہ سو کلومیٹر کا فاصلہ تھا اور درمیان میں بھارت اور سمندر حائل ہے اسی لیے دونوں حصوں کے عوام ایک دوسرے کے زیادہ قریب نہیں آسکے۔ اس کی وجہ سے مشرقی اور مغربی پاکستان کے عوام کے درمیان غلط فہمیاں پیدا ہو گئیں۔ بھارت نے کبھی بھی برصغیر کی تقسیم اور قیامِ پاکستان کو دل سے قبول نہیں کیا تھا۔ اُس نے ان غلط فہمیوں کا فائدہ اُٹھانا شروع کر دیا اور مشرقی پاکستان کے لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے اُس نے مغربی پاکستان کے خلاف من گھڑت اور جھوٹا پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔ اس پروپیگنڈہ نے دونوں صوبوں کے عوام میں بداعتمادی پیدا کر دی جس سے شدید نقصان پہنچا۔

(ii) معاشرتی اور سماجی ڈھانچے میں فرق:

دونوں صوبوں کے عوام کے مسائل بہت مختلف تھے۔ اس لیے اُن کے مابین ایک دوسرے سے آگاہی پروان نہیں چڑھ سکی۔ مشرقی پاکستان کے افسران کا رویہ زیادہ دوستانہ تھا اور وہ عوام کے زیادہ قریب تھے۔ اُنھوں نے اپنے عوام کے مسائل حل کرنے کی کوشش کی۔ اس کے مقابلے میں مغربی پاکستان کے افسران مشرقی پاکستان میں تعینات کیے جاتے تھے۔ اُن کا رویہ مشرقی پاکستان کے عوام کے ساتھ بالکل مختلف اور جداگانہ ہوتا تھا۔ وہ عوام سے فاصلہ کے اصول پر عمل کرتے تھے۔ اس کی وجہ سے مغربی پاکستان کے خلاف نفرت کا احساس پیدا ہوا۔ مشرقی پاکستان کے عوام یہ سمجھتے تھے کہ اُنھیں حکومت کے عمل دخل اور نظم و نسق میں جائز اور حقیقی حصہ دار نہیں بنایا گیا ہے۔

(iii) مارشل لا:

بار بار مارشل لا کے نفاذ نے بھی مشرقی پاکستان کے عوام میں احساسِ محرومی پیدا کر دیا تھا۔ جنرل محمد ایوب خان

سیاستدانوں کو یہ الزام دیتے تھے کہ وہ پارلیمانی حکومت کی ناکامی کے ذمہ دار ہیں جب کہ عوامی رہنما یہ یقین رکھتے تھے کہ پارلیمانی نظامِ حکومت کے قیام میں مارشل لا سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اس طرح ملک میں جمہوریت پروان نہیں چڑھ سکی۔

(iv) زبان کا مسئلہ:

سرکاری زبان کے مسئلے پر مشرقی پاکستان کے عوام کو وفاقی حکومت کی پالیسی سے اختلاف تھا۔ حکومت کے خلاف مظاہرے ہوئے اور کئی بنگالی طلبہ کی جان قربان ہو گئی۔ اس سے بھی بنگالیوں کے ذہنوں میں اشتعال پیدا ہوا۔

(v) صوبائی خود مختاری:

مشرقی پاکستان مکمل صوبائی خود مختاری چاہتا تھا۔ اس مطالبے کو اُس وقت تک تسلیم نہیں کیا گیا جب تک بھارت نے 1971ء میں مشرقی پاکستان پر حملہ نہیں کر دیا۔ اگر یہ مطالبہ پہلے ہی تسلیم کر لیا جاتا تو شاید مشرقی پاکستان علیحدہ نہ ہوتا۔

(vi) معاشی اور اقتصادی محرومی اور پروپیگنڈہ:

عوامی لیگ کے قائد شیخ مجیب الرحمٰن نے بنگال میں یہ پروپیگنڈہ اور تشہیر کرنا شروع کر دیا کہ بنگالیوں کو معاشی اور اقتصادی طور پر محروم رکھا گیا ہے۔ اُس نے مشرقی پاکستان کے علیحدہ اقتصادی نظام کا مطالبہ کر دیا۔ اُس نے عوامی لیگ کا چھ نکاتی منشور پیش کیا۔ ملک کی دیگر جماعتوں نے شیخ مجیب الرحمٰن کی تجاویز کو رد کر دیا۔ اُس نے بھارت کے ساتھ خفیہ تعلقات جوڑنے شروع کر دیئے۔ آل انڈیا ریڈیو نے اپنے پروگراموں کے ذریعے بنگالیوں کے دلوں میں مغربی پاکستان کے عوام کے خلاف نفرت پیدا کر دی۔

(vii) ہندو اساتذہ کا کردار:

مشرقی پاکستان کے تعلیمی اداروں میں ہندو اساتذہ کی ایک کثیر تعداد پڑھا رہی تھی۔ اُنھوں نے ایسا ادب اور لٹریچر تیار کیا جس کی بدولت بنگالیوں کے ذہنوں میں مغربی پاکستان کے عوام کے خلاف منفی جذبات اور خیالات پروان چڑھے۔

(viii) بین الاقوامی سازشیں:

مشرقی پاکستان میں تقریباً دس ملین (ایک کروڑ) ہندو اقلیت آباد تھی۔ ہندوؤں کے مفادات کے تحفظ کے لیے بھارت اُن کی پشت پناہی کرتا تھا۔ بھارت مشرقی پاکستان کو علیحدہ کرنا چاہتا تھا تاکہ ہندوؤں کی معاشی اور اقتصادی حیثیت

مزید مستحکم ہو سکے۔ بے شمار ہندو بھارت کے لیے جاسوسی کرتے تھے۔ روس بھی پاکستان مخالف تھا۔ کیونکہ پاکستان نے امریکہ کو اپنے ہاں فوجی اڈے قائم کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ دوسری جانب خود امریکہ بھی مشرقی پاکستان کی علیحدگی چاہتا تھا۔ ان حالات میں روس نے پاکستان پر بھارت کے حملے اور جارحیت کی کھل کر حمایت کی۔

(ix) 1970ء کے انتخابات میں شیخ مجیب کی اکثریت:

1970ء کے عام انتخابات میں شیخ مجیب الرحمٰن کی عوامی لیگ نے مشرقی پاکستان میں واضح اکثریت اور برتری حاصل کر لی اور 169 نشستوں میں سے 167 پر کامیابی حاصل کر لی۔ انتخابات میں اکثریت حاصل ہونے کے بعد شیخ مجیب الرحمٰن نے اپنے مطالبات میں اضافہ کرنا شروع کر دیا لیکن اُس وقت کے فوجی حکمرانوں نے ان مطالبات کو نظر انداز کر دیا۔

(x) مشرقی پاکستان میں فوجی کارروائی:

دسمبر 1970ء کے عام انتخابات کے بعد مشرقی پاکستان میں امن وامان کی صورتِ حال بد سے بدتر ہوتی چلی گئی۔ اس صورتِ حال کا سیاسی حل ڈھونڈنے کی بجائے اُس وقت کی فوجی حکومت نے عوامی لیگ کو کچلنے کا فیصلہ کیا۔ جنرل یحییٰ خان نے عوامی لیگ کو غیر قانونی جماعت قرار دے دیا اور عوامی لیگ کی سیاسی سرگرمیوں پر پابندی عائد کر دی۔ اس نے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو مزید ہوا دی۔ عوامی لیگ کی علیحدگی کی تحریک کے خلاف فوج نے کارروائی شروع کر دی۔ اس کے نتیجے میں بنگالیوں میں زبردست نفرت پیدا ہو گئی اور اُنھوں نے بھی مسلح جدوجہد شروع کر دی۔

(xi) بھارت کا حملہ:

فوجی کارروائی کے نتیجے میں عوامی لیگ کے رہنما اور بنگالیوں کی ایک کثیر تعداد بھارت فرار ہو گئی۔ بھارت نے پاکستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت شروع کر دی۔ بھارت نے یہ گمراہ کن پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ مشرقی پاکستان کے لاکھوں پناہ گزینوں کی وجہ سے اُس کی سلامتی کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ مشرقی پاکستان میں فوجی کارروائی کو بھارت نے اپنے اوپر حملہ قرار دیا۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے مکتی باہنی (آزادی کی فوج) کے نام سے ایک نیم فوجی دستہ ترتیب دیا تھا۔ اس دستے نے پاکستانی فوج کے خلاف گوریلا جنگ کا آغاز کر دیا۔ اس کی حمایت میں بھارت نے بھی پاکستانی فوج پر حملے شروع کر دیے۔ 3 دسمبر 1971ء کو پاکستان اور بھارت کے درمیان باقاعدہ جنگ کا آغاز ہو گیا۔ اندرونِ ملک عوام کی حمایت نہ ہونے اور رسد اور ملک کے انتظامات نہ ہونے کی وجہ سے 16 دسمبر 1971ء کو پاکستان کی فوج نے بھارتی فوج کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔ جبکہ مغربی پاکستان کے محاذ پر بغیر کسی بڑے حملے کے جنگ بند کر دی گئی۔ 16 دسمبر کو مشرقی پاکستان

"بنگلہ دیش" کے طور پر ایک آزاد ملک بن گیا۔

7۔ بنگلہ دیش کو تسلیم کرنا:

دنیا کے اکثر ممالک نے بنگلہ دیش کو فوراً ہی ایک آزاد و خود مختار ملک کی حیثیت سے تسلیم کر لیا لیکن مشرقی پاکستان کی علیحدگی اور بنگلہ دیش کے قیام سے مغربی پاکستان کے محبِ وطن عوام کو شدید صدمہ پہنچا۔ وہ اس کو پاکستان کے لیے عظیم المیہ تصور کر رہے تھے اور اس سے پاکستان کی وحدت اور اتحاد کو شدید دھچکا پہنچا تھا تاہم 22 فروری تا 24 فروری 1974ء کو لاہور میں دوسری اسلامی سربراہی کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں مسلم ریاستوں کے تقریباً چالیس وفود نے شرکت کی۔ یہ پاکستان کے لیے ایک بہت بڑا موقع تھا۔ اپنے بہت سے اعلیٰ مرتبت سربراہانِ مملکت پاکستان کے دورے پر آئے ہوئے تھے۔ یہ پہلا موقع تھا جب اسلامی اخوت، دوستی اور بھائی چارے کے اثر انگیز مناظر نظر آئے۔ اس سربراہی کانفرنس میں مسلم دنیا کو درپیش تمام مسائل زیرِ بحث آئے۔ مشرقِ وسطیٰ کا مسئلہ بہت تفصیل سے زیرِ بحث آیا۔ اخوت اور بھائی چارے کے جذبات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے بنگلہ دیش کو بھی اس کانفرنس میں مدعو کیا گیا۔ اس موقع پر پاکستان نے بنگلہ دیش کو بطور آزاد ریاست تسلیم کر لیا۔ شیخ مجیب الرحمٰن کو سربراہ کانفرنس میں خوش آمدید کہا گیا۔

8۔ پاکستان کی ترقی و خوشحالی میں ہمارا کردار:

پاکستان عطیہ خداوندی ہے۔ اس کا استحکام اور خوشحالی تمام پاکستانیوں کی ذمہ داری ہے۔ پاکستان مخالف عناصر اور قوتیں بحیثیت ملک پاکستان کو اور بحیثیت قوم مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے درپے ہیں۔ ان حالات میں ہماری ذمہ داریاں ہمہ جہتی ہیں۔ پاکستان کے استحکام اور خوشحالی کے لیے ہمارا کردار حسبِ ذیل ہونا چاہیے:

(i) ہمیں سخت محنت سے کام کرنی چاہیے اور قومی نشوونما اور فروغ کے تمام شعبوں میں ترقی کرنی چاہیے تاکہ ملک خوشحال اور معاشی طور پر آزاد ہو۔

(ii) ہمیں لسانیت اور علاقائیت سے بلند ہو کر سوچنا چاہیے۔

(iii) ہمیں اپنے قول و فعل سے پاکستان سے محبت اور حب الوطنی کا اظہار کرنا چاہیے۔

(iv) ہمیں اپنی نوجوان (نئی) نسل کو تعلیم یافتہ بنانا چاہیے اور ملک کے دور دراز علاقوں اور کونے کونے تک تعلیم کو پھیلا دینا چاہیے کیونکہ لوگوں میں شعور بیدار کرنے کے لیے تعلیم واحد ذریعہ ہے۔

(v) ہمیں خود انحصار ہونے کی کوشش کرنے چاہیے اور غیروں سے بھاری قرضے اور امداد لینے سے پرہیز

کرنا چاہیے۔ یہ صرف سخت محنت اور جانفشانی سے ہی ممکن ہے۔

(vi) ہمیں ایسا نظام حکومت تشکیل دینا چاہیے جو معاشرتی عدل و انصاف اور اخوت پر مبنی ہو۔ تمام برائیوں، بدعنوانیوں اور بے ایمانیوں سے بچنا

(vii) بطور پاکستانی ہمیں فخر محسوس کرنا چاہیے۔

مشق

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات دیجیے۔

1۔ کسی ملک کے لیے آئین یا دستور کیوں ضروری ہے؟

2۔ قراردادِ مقاصد کے اہم خدوخال کیا ہیں؟

3۔ 1956ء کے آئین کے امتیازی خدوخال بیان کیجیے۔

4۔ مشرقی پاکستان مغربی پاکستان سے کیوں علیحدہ ہوا؟

5۔ ملک میں خوشحالی لانے کے لیے پاکستانیوں کو کیا کردار ادا کرنا چاہیے۔

6۔ 1973ء کے آئین کے اہم نکات تحریر کیجیے۔

(ب) خالی جگہوں کو پُر کیجیے۔

(i) ابتدائی انسان چھوٹی ------- اکائیوں میں رہتا تھا۔

(ii) اپنے قیام کے فوراً بعد پاکستان کو ایک -------- کی ضرورت تھی۔

(iii) 1956ء کے آئین کے ابتدائیہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ -------- اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

(iv) تقریباً ------ سربراہانِ مسلم ریاستوں نے دوسری اسلامی سربراہی کانفرنس میں شرکت کی تھی۔

(v) پاکستان نے ------ سربراہ کانفرنس کے دوران بنگلہ دیش کو تسلیم کیا۔

(vi) 1973ء کے آئین کی بنیاد -------- پر رکھی گئی ہے۔

(vii) پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی -------- نے توڑ دی تھی۔

(viii) پاکستان کے تینوں آئینوں میں یہ کہا گیا ہے کہ اقتدارِ اعلیٰ اور حاکمیتِ اعلیٰ ------ کے پاس ہے۔

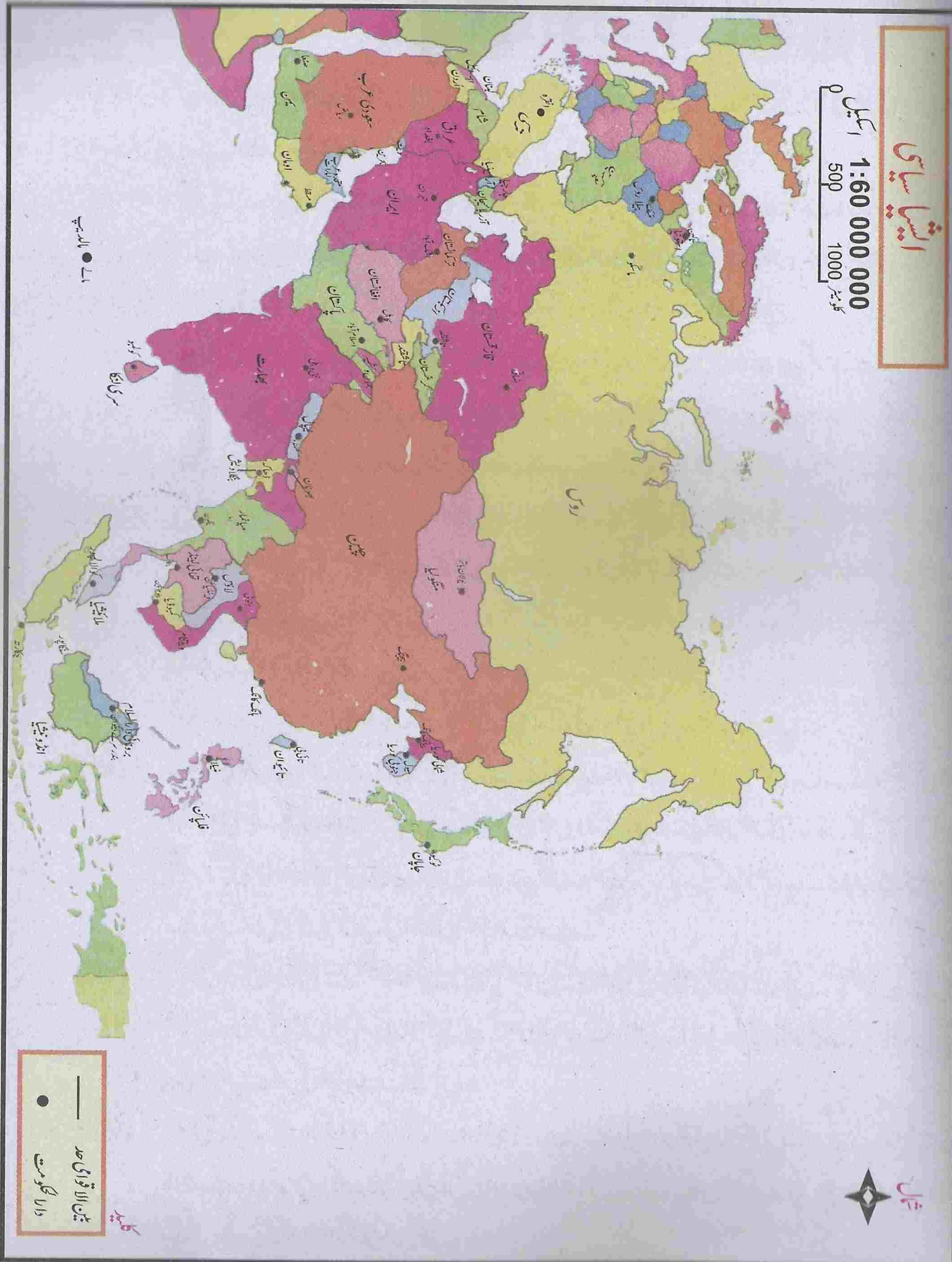

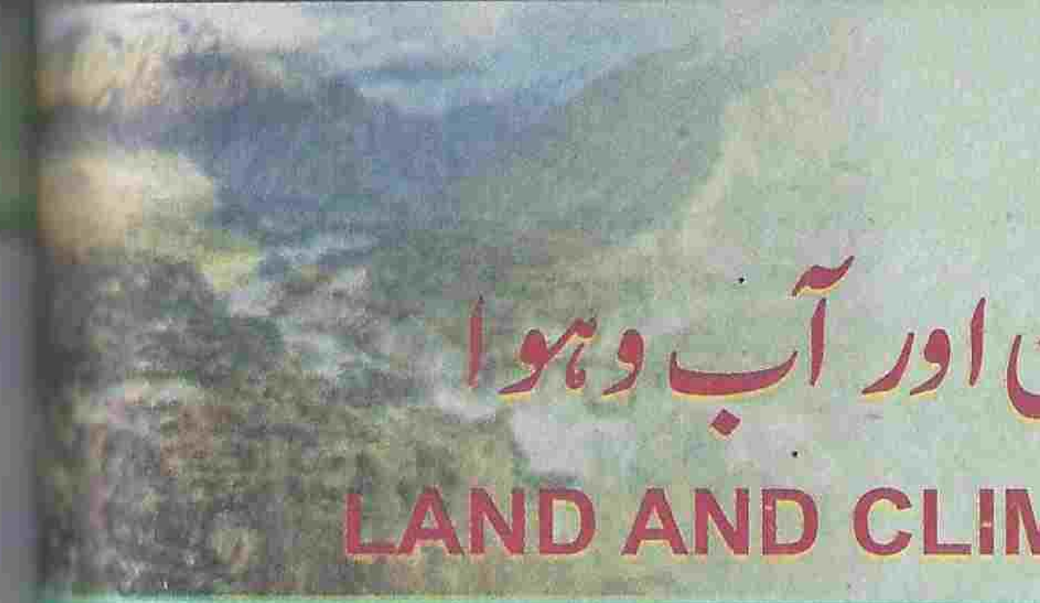

چوتھا باب
پاکستان کی سرزمین اور آب و ہوا
LAND AND CLIMATE OF PAKISTAN

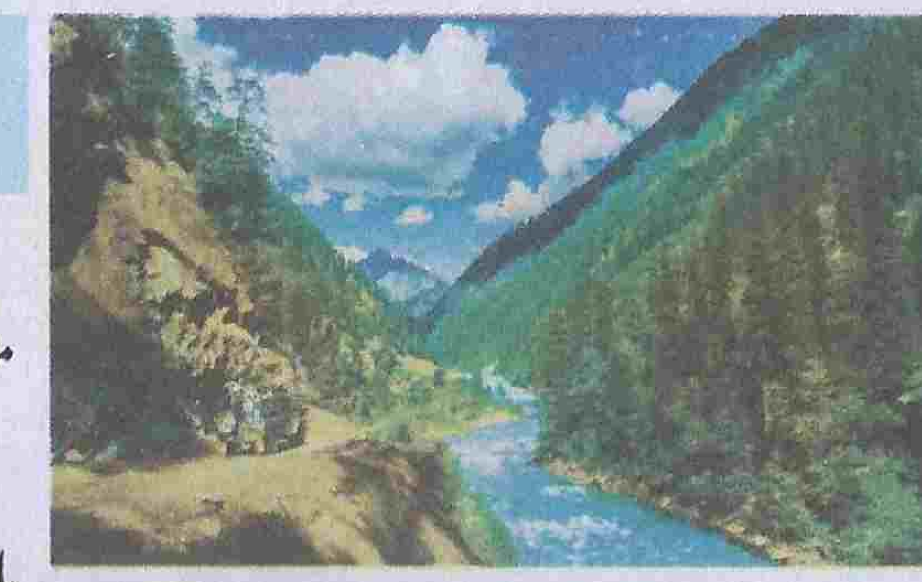

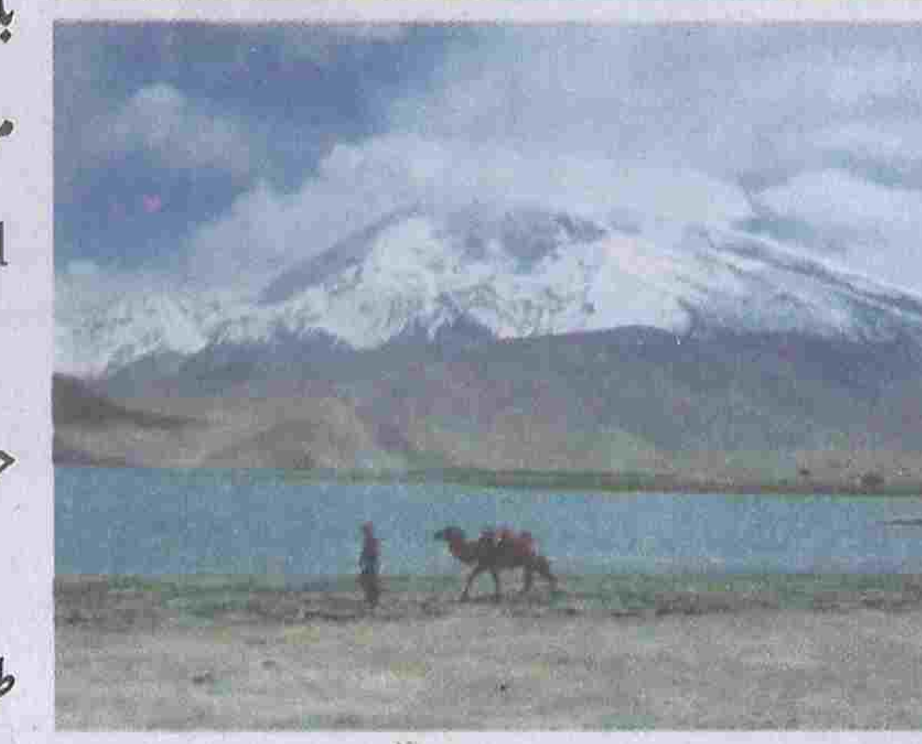

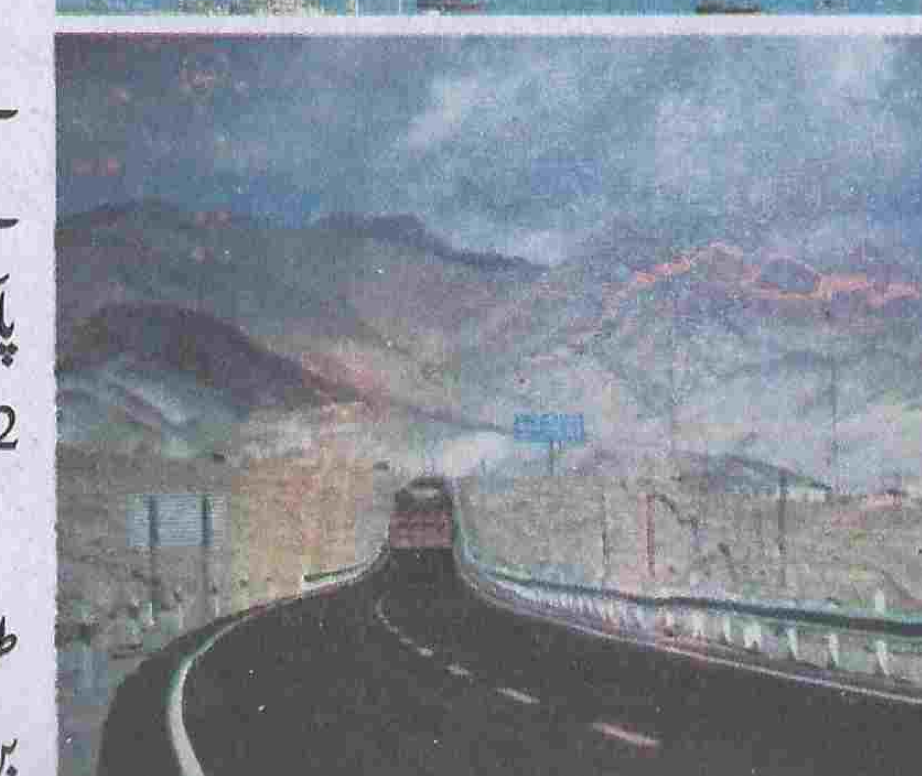

1۔ محلِ وقوع:

اسلامی جمہوریہ پاکستان °23.35 اور °37.05 شمالی عرض البلد اور °60.50 اور °77.50 مشرقی طول البلد کے درمیان واقع ہے۔ اس کا کل رقبہ 796096 مربع کلومیٹر ہے۔

پاکستان چار صوبوں، وفاقی دارالحکومت اور گلگت بلتستان پر مشتمل ہے۔ رقبے کے لحاظ سے صوبہ بلوچستان سب سے بڑا صوبہ ہے۔ اس کا رقبہ 3,47,190 مربع کلومیٹر ہے۔ پنجاب کا رقبہ 2,05,345 مربع کلومیٹر ہے۔ جبکہ صوبہء سندھ کا رقبہ 1,40,914 مربع کلومیٹر اور خیبر پختونخوا صوبے کا رقبہ 101,741 مربع کلومیٹر ہے جبکہ وفاقی دارالحکومت اسلام آباد کا رقبہ 906 مربع کلومیٹر ہے۔

ایشیا کے نقشے پر نگاہ ڈالیے۔ پاکستان ایشیا کے جنوب میں واقع ہے۔ اِسی لیے اس کو جنوبی ایشیا کا حصہ سمجھا جاتا ہے۔

پاکستان کے جنوب مغرب میں ایران واقع ہے۔ جس کی پاکستان کے ساتھ تقریباً 800 کلومیٹر طویل مشترکہ سرحد ہے۔ ایران پاکستان کے ساتھ ریل اور سڑک کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔

پاکستان کے مشرق میں بھارت واقع ہے۔ بھارت کے ساتھ پاکستان کی 1610 کلومیٹر طویل مشترکہ سرحد ہے۔ سندھ اور پنجاب کے صوبوں کے ساتھ یہ پاکستان سے مربوط ہے۔ ریل اور سڑک ذرائع نقل و حمل ہیں۔ بھارت کے مشرق میں کئی مسلم ممالک مثلاً بنگلادیش، ملائیشیا، انڈونیشیا اور برونائی دارالسلام واقع ہیں۔

پاکستان کے شمال میں چین واقع ہے۔ چین کے ساتھ پاکستان کی 585 کلومیٹر طویل مشترکہ سرحد ہے۔ شاہراہِ قراقرم کے راستے پاکستان چین سے جڑا ہوا ہے۔ تاجکستان بھی پاکستان کے شمال میں واقع ہے۔ صرف افغانستان کی ایک چھوٹی سی پٹی جسے واخان کہتے ہیں، پاکستان کو تاجکستان سے جدا کرتی ہے۔

پاکستان کے شمال مغرب میں افغانستان واقع ہے۔ پاکستان اور افغانستان کی مشترکہ بین الاقوامی سرحد 2252 کلومیٹر طویل ہے جو ڈیورنڈ لائن کہلاتی ہے۔

پاکستان کے جنوب میں بحیرہء عرب ہے۔ بحیرہء عرب کے ساتھ پاکستان کا تقریباً 1050 کلومیٹر طویل ساحلی علاقہ ہے۔ اِس ساحلی علاقے میں پاکستان کی بندرگاہیں بھی واقع ہیں۔ ان میں کراچی بندرگاہ، بن قاسم اور گوادر کی بندرگاہ اہم ہیں۔

پاکستان کے محل وقوع کی اہمیت:

پاکستان کا محل وقوع بہت اہمیت کا حامل ہے کیونکہ پاکستان جس خطے میں واقع ہے، اس کی دفاعی، فوجی، اقتصادی اور سیاسی اہمیت نمایاں ہے۔ مندرجہ ذیل عوامل یا وجوہات کی بناء پر اس کی اہمیت عیاں ہے۔

(i) شمال میں یہ چین سے جڑا ہوا ہے۔ شاہراہ قراقرم کی برّی اور زمینی راستے سے چین اور پاکستان کو باہم ملاتی ہے۔ یہ شاہراہ سلسلہ قراقرم کی چٹانوں کو کاٹ کر بنائی گئی ہے اور یہ چین اور پاکستان کے مابین اہم تجارتی شاہراہ ہے۔ پاکستان کے چین کے ساتھ انتہائی دوستانہ تعلقات ہیں۔

(ii) پاکستان افغانستان کو تجارت کے لیے عبوری برّی اور بحری راستوں کی سہولت مہیا کرتا ہے۔

(iii) چین کے مغرب میں افغانستان کے علاقے کی ایک تنگ پٹی واخان، پاکستان کی شمالی سرحد کو تاجکستان سے جدا کرتی ہے۔ پاکستان نے وسطی ایشیا کے اس ملک کے ساتھ انتہائی خوشگوار تعلقات قائم کر لیے ہیں۔

(iv) پاکستان کے مشرق میں بھارت واقع ہے۔ بھارت کے مشرق میں بنگلہ دیش، ملائیشیا، انڈونیشیا اور برونائی دارالسلام کے مسلم ممالک واقع ہیں۔ پاکستان کے ان تمام ممالک سے انتہائی خوشگوار تعلقات ہیں۔

(v) پاکستان کی جنوب مغربی سرحد پر ایران واقع ہے۔ پاکستان، ایران اور ترکی اقتصادی تعاون کی تنظیم (ایکو) کے بنیادی اراکین ہیں۔ اس تعاون کے نتیجے میں تمام رکن ممالک کے مابین انتہائی دوستانہ تعلقات قائم ہیں۔ ان ممالک نے باہمی دلچسپی کے کئی معاہدوں پر دستخط کیے ہیں۔

(vi) پاکستان تیل پیدا کرنے والے خلیجی ممالک کے نزدیک اور مغرب میں مراکش سے لے کر مشرق میں انڈونیشیا تک پھیلی ہوئی مسلم دنیا کے درمیان میں واقع ہے۔ بے شمار مغربی ممالک کا صنعتی ترقی کا انحصار خلیجی ممالک کی تیل کی پیداوار پر ہے۔ یہ تیل دوسرے ممالک کو بحیرۂ عرب کے ذریعے بھیجا جاتا ہے۔ اور کراچی بحیرۂ عرب کی انتہائی اہم بندرگاہ ہے۔

(vii) مشرق وسطیٰ اور خلیج کے مسلم ممالک سے پاکستان کے انتہائی دوستانہ تعلقات ہیں۔ پاکستان نے ان ممالک کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ سعودی عرب اور عرب امارات جیسے ممالک پاکستانیوں کے لیے دوسرے گھر کی حیثیت رکھتے ہیں۔

(viii) کراچی ایک بین الاقوامی بندرگاہ اور ہوائی اڈا ہے۔ یہ ہوائی اور بحری راستوں سے یورپ کو ایشیا سے ملاتا ہے۔ وہ تمام ممالک جو مشرق وسطیٰ اور وسط ایشیائی ممالک سے رابطہ کرنا چاہتے ہیں وہ پاکستان کے محلِ وقوع کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔

(ix) پاکستان میں وادیٔ سندھ اور گندھارا کی قدیم تہذیبیں ہیں اور سیاحت کے نقطۂ نظر سے یہ بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ بے شمار سیاح وادیٔ کاغان، سوات اور پاکستان کے شمالی علاقوں کی سیاحت کو بہت پسند کرتے ہیں۔

(x) پاکستان، افغانستان اور ترکمانستان نے ایک معاہدے پر دستخط کیے ہیں جس کے تحت پاکستان کو افغانستان کے راستے گزرنے والی پائپ لائن کے ذریعے گیس مہیا کیا جائے گی۔ یہ منصوبہ ایک دوسرے کے مابین دوستانہ تعلقات کو پروان چڑھانے میں مددگار ثابت ہوگا۔ پاکستان کی رضامندی سے بھارت بھی اس منصوبے سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔

(xi) پاکستان اور بھارت کے درمیان کشمیر اصل تنازع ہے۔ اگر ان دونوں ممالک کے درمیان یہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے تو پورے جنوبی ایشیا کے خطے میں امن قائم ہو جائے گا۔ تجارت کو فروغ ملے گا۔ دونوں ممالک کے درمیان خوشگوار سیاسی اور اقتصادی تعلقات سے اس خطے میں غربت اور افلاس کے خاتمے میں مدد ملے گی۔

(xii) پاکستان دنیا کی ساتویں ایٹمی قوت ہے اور مسلم دنیا میں اس کو انتہائی تحسین اور احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ چند فنیات (ٹیکنالوجی) میں یہ ایک ترقی یافتہ ملک ہے۔ مسلم ممالک کی نظریں پاکستان پر لگی ہیں کہ وہ کئی میدانوں میں مشترکہ ترقی اور فروغ کے لیے قائدانہ کردار ادا کرے گا اور رہنمائی کرے گا۔

2۔ پاکستان کے طبعی خدوخال:

پاکستان کی ارضی سطح کو طبعی خدوخال کے لحاظ سے مندرجہ ذیل چار بڑے حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(1) پہاڑی سلسلے

(2) سطح مرتفع

(3) میدانی علاقے

(4) ریگستانی علاقے بشمول ساحلی علاقے

(1) پہاڑی سلسلے (سلسلہ کوہ):

پاکستان کے پہاڑی سلسلوں کی دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ یعنی اوّل شمالی اور شمال مشرقی پہاڑی سلسلہ اور شمال مغربی اور مغربی پہاڑی سلسلہ۔

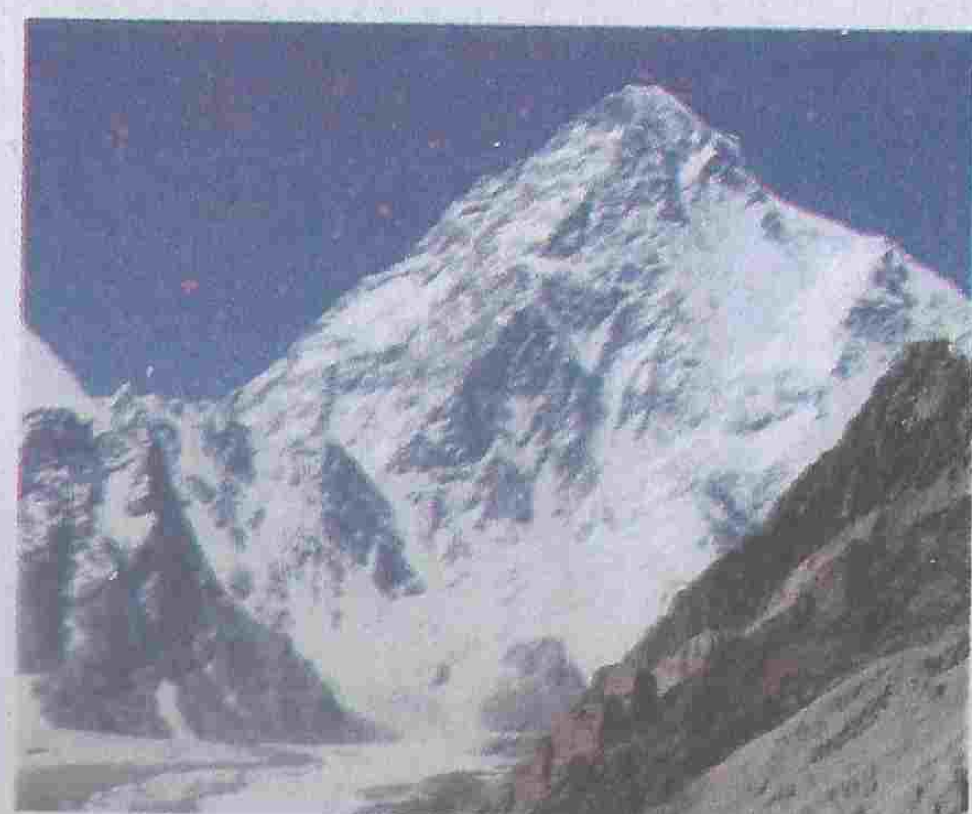
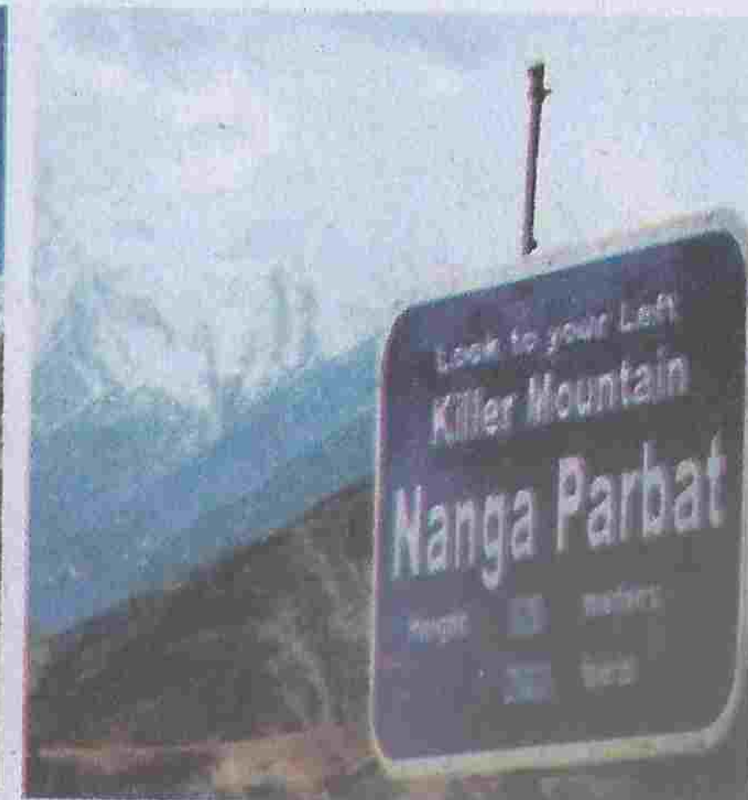

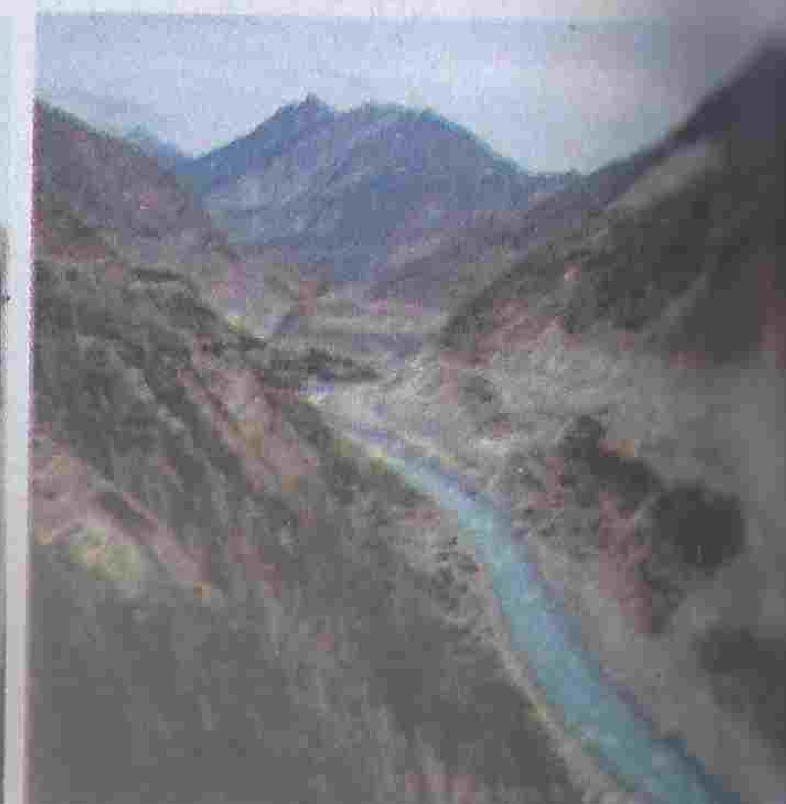

1۔ شمال مشرقی پہاڑی سلسلہ:

اس حصے میں کوہِ ہمالیہ اور کوہِ قراقرم شامل ہیں۔

(الف) سلسلہء کوہِ ہمالیہ:

پاکستان کے شمال مشرقی حصے میں دنیا کا سب سے بلند پہاڑ ہمالیہ واقع ہے۔ کوہِ ہمالیہ کے متوازی سلسلے ایک کمان کی صورت میں بھارت کے مشرقی حصے تک تقریباً 2430 کلو میٹر تک کی لمبائی میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اِس سلسلوں میں بے شمار خوبصورت اور حسین وادیاں واقع ہیں۔ اِن سلسلوں کو مندرجہ ذیل چار بڑے حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

i۔ شوالک کی پہاڑیاں / ہمالیہ بیرونی کا سلسلہ:

یہ پہاڑیاں شمال میں بلند ہو رہی ہیں، جہاں بالائی سندھ طاس ختم ہوتا ہے۔ یہ پہاڑیاں ہمالیہ کے جنوب میں ضلع سیالکوٹ سے راولپنڈی کے شمال حصے تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اُن کی اوسط بلندی 300 میٹر تا 1000 میٹر ہے۔

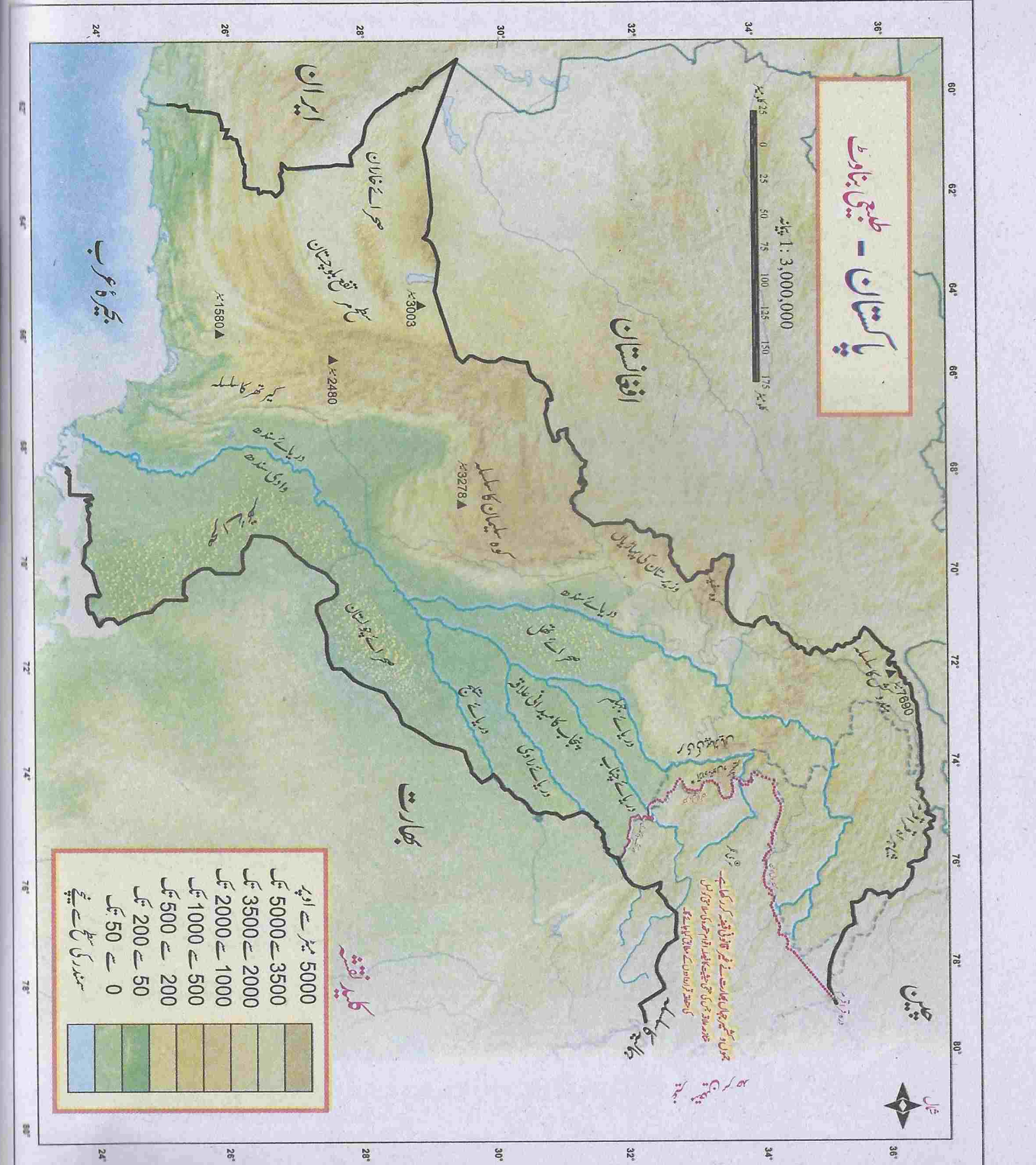

ii۔ پیر پنجال / ہمالیہ صغیر کا سلسلہ:

شوالک کے پہاڑی سلسلے اور کوہ قراقرم کے قریب یہ پہاڑی سلسلہ واقع ہے۔ یہ سلسلہ شوالک کی پہاڑیوں کے شمال سے شروع ہوتا ہے، یہیں سے کوہ ہمالیہ آہستہ آہستہ 1800 میٹر سے 4600 میٹر تک بلند ہوتا چلا گیا ہے۔ مری، ایوبیہ، نتھیا گلی، ایبٹ آباد اور خوبصورت وادیٔ کاغان جیسے پہاڑی تفریحی اور صحت افزا مقامات یہیں واقع ہیں۔ اِن پہاڑی سلسلوں کے زیادہ تر حصے برف سے ڈھکے رہتے ہیں۔

iii۔ ہمالیہ کبیر کا سلسلہ:

پیر پنجال کے پہاڑی سلسلے اور کوہِ قراقرم کے درمیان ہمالیہ کبیر کا سلسلہ واقع ہے۔ دنیا کا سب سے زیادہ بلند سلسلہ کوہ پیر پنجال کے شمال سے شروع ہوتا ہے اور اِس سلسلہ کوہ کی اوسط بلندی تقریباً 6500 میٹر ہے۔ اِس سلسلہ کوہ کی سب سے زیادہ بلند چوٹی نانگا پربت ہے جو سطح سمندر سے تقریباً 8126 میٹر بلند ہے۔ پاکستان کا سب سے طویل دریائے سندھ کا منبع ان ہی پہاڑی سلسلوں میں ہے۔ کشمیر کی خوبصورت اور حسین وادی بھی اسی سلسلہ کوہ میں ہے۔

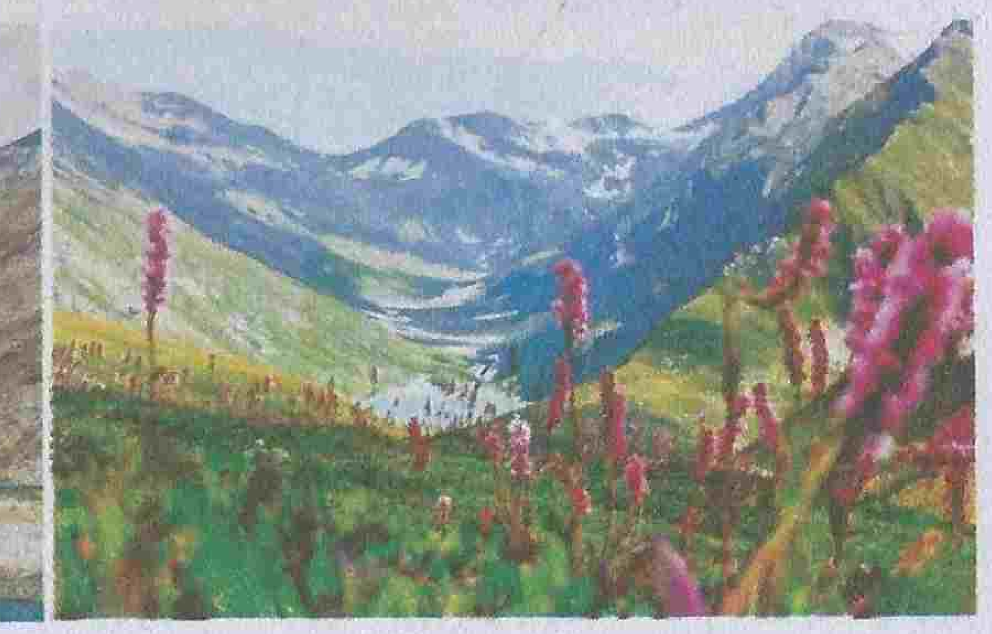
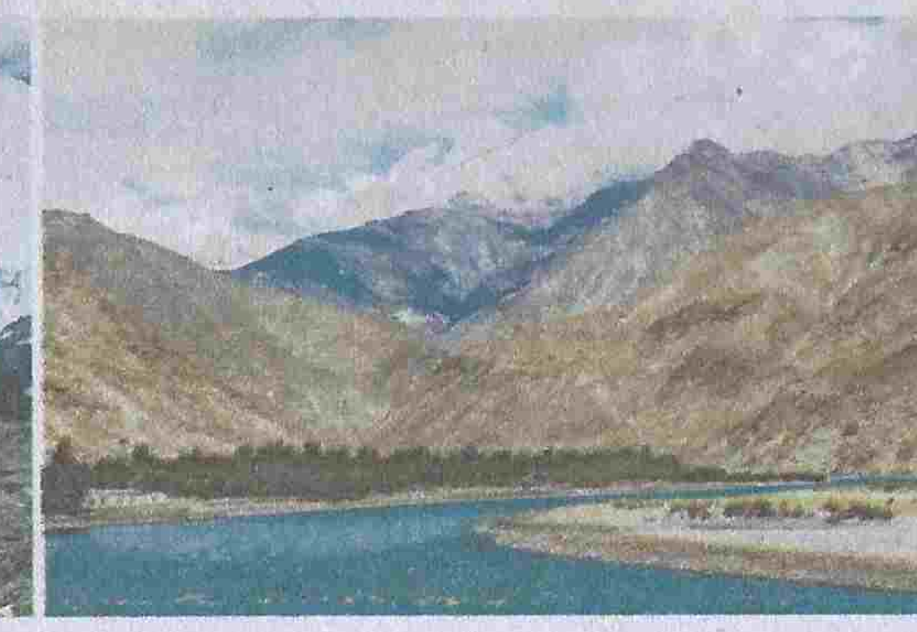
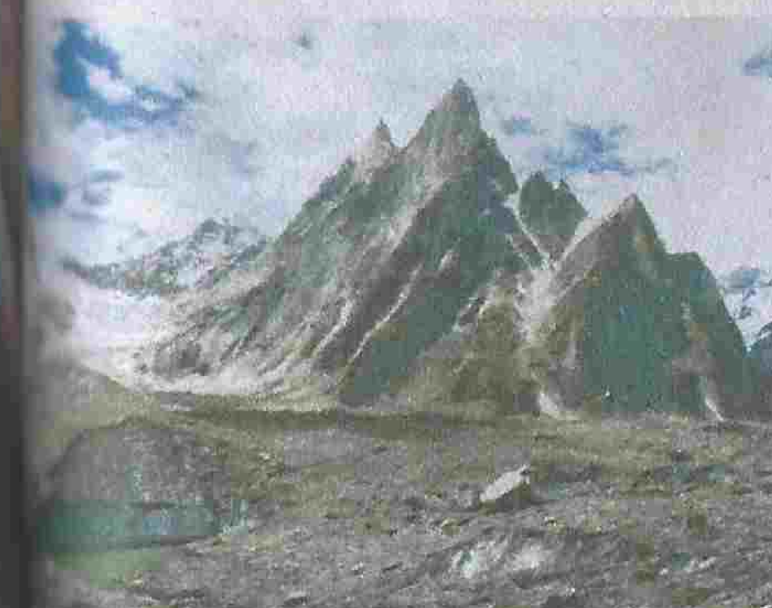

iv۔ کوہِ لدّاخ / ہمالیہ اندرونی کا سلسلہ:

ہمالیہ کبیر کے شمال میں پہاڑی سلسلہ کی بلندی پھر کم ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اس سلسلہ کو لدّاخ کا پہاڑی سلسلہ یا ہمالیہ اندرونی کا سلسلہ کہتے ہیں۔

(ب) سلسلہ کوہِ قراقرم:

ہمالیہ کبیر کے شمال مغرب میں کوہ قراقرم واقع ہے، جس کے شمال میں کشمیر اور گلگت کے علاقے آتے ہیں۔ کوہِ قراقرم کی اوسط بلندی تقریباً 7000 میٹر ہے۔ پاکستان کی بلند ترین اور دنیا کی دوسری بلند ترین چوٹی گوڈون آسٹن یا کے۔ ٹو سلسلہ قراقرم میں واقع ہے۔ سطح سمندر سے اس کی بلندی 8611 میٹر ہے۔ ان سلسلوں میں کئی گلیشیر پائے جاتے ہیں۔ ان ہی میں سیاچن گلیشیر بھی شامل ہے۔ پاکستان کی شاہراہِ ریشم یا شاہراہ قراقرم اسی سلسلے سے گزرتی ہے اور چین سے ملاتی ہے۔

شمالی اور شمال مشرقی پہاڑی سلسلے کی اہمیت:

i. یہ پہاڑ پاکستان کے لیے بہت فائدہ مند ہیں۔ اپنی بلندی اور ناہموار سطح کی وجہ سے یہ پاکستان کو شمال کی جانب سے ایک قدرتی حصار اور دفاع مہیا کرتے ہیں۔

ii. یہ پاکستان کو قطب شمالی سے اُٹھنے والی خون جما دینے والی سرد ہواؤں سے محفوظ رکھتی ہیں۔

iii. مون سون کے موسم میں ان پہاڑوں کی وجہ سے پنجاب اور شمالی علاقوں میں بہت زیادہ بارشیں ہوتی ہیں۔ ان ہی بارشوں کا پانی دریاؤں کے راستے آبپاشی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

iv. موسم سرما میں یہ پہاڑ برف سے ڈھک جاتے ہیں جو موسم گرما میں پگھلتی ہے اور زیرِ زمین اس پانی کی سطح کو بلند کرتی ہے جو زراعت کے کام آتا ہے۔

v. ہمارے ملک کے اسّی فیصد جنگلات ان ہی پہاڑوں میں واقع ہیں۔ اگرچہ ہمارے ملک کے 4.5 فیصد جغرافیائی رقبے میں جنگلات پھیلے ہوئے ہیں لیکن یہ جنگلات بہت گھنے ہیں اور ملک کے لیے دولت و سرمایہ کا ذریعہ ہیں۔

2۔ شمال مغربی پہاڑی سلسلہ:

پاکستان کے شمال میں واقع سلسلہ کوہ یا پہاڑی سلسلہ کو ہمالیہ کی مغربی شاخیں بھی کہا جاتا ہے۔ شمال مشرقی پہاڑوں کے مقابلے میں یہ کم بلند ہیں۔ کئی وادیاں، چھوٹے دریا اور درّے ان پہاڑوں میں واقع ہیں۔ اِن پہاڑی سلسلوں کو ان حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

i۔ سلسلہ کوہِ ہندوکش:

یہ پہاڑی سلسلہ (قراقرم کے مغرب میں واقع) سطح مرتفع پامیر کی مغربی سمت سے شروع ہوتا ہے۔ اِن سلسلوں کی بلند ترین چوٹی ترچ میر ہے جس کی بلندی 7690 میٹر ہے۔ موسم سرما میں یہ پہاڑ برف سے ڈھکے رہتے ہیں۔ خلیج بنگال اور بحیرہ عرب سے اُٹھنے والی مون سون ہواؤں کی حرکت میں کوہِ ہندوکش سدّراہ بن جاتا ہے۔ یہ ان پہاڑوں

سے نہیں گزر سکتی ہیں اور پاکستان اور بھارت میں بارشوں کا سبب بنتی ہیں۔ یہ پہاڑ وسطی ایشیا سے چلنے والی انتہائی سرد ہواؤں کو روکنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اس طرح یہ ہوائیں پاکستان کے میدانوں تک نہیں پہنچتی ہیں اور لوگوں کو شدید سردی سے محفوظ رکھتی ہیں۔

ii- سلسلہ کوہِ سفید:

یہ سلسلہ کوہ درّہ خیبر اور درّہ کُرّم کے درمیان واقع ہے۔ اس سلسلے کا زیادہ تر حصہ پاکستان اور کچھ حصہ افغانستان میں واقع ہے۔ سلسلہ کوہِ سفید شرقاً غرباً پھیلا ہوا ہے۔ اس کی اوسط بلندی 3600 میٹر ہے۔ کوہِ سفید کی چوٹیاں تقریباً تمام سال برف سے ڈھکی رہتی ہیں۔ دریائے کُرّم کوہِ سفید کے جنوب میں بہتا ہے۔ کوہِ سفید میں واقع درّہ خیبر پاکستان کو افغانستان سے ملاتا ہے۔

iii- وزیرستان کی پہاڑیاں:

درّہ کرّم اور درّہ گومل کا درمیانی علاقہ وزیرستان کی پہاڑیاں کہلاتا ہے۔ تین دریا یعنی گومل، کرّم اور ٹوچی ان درّوں سے گزرتے ہیں۔ درّہ ٹوچی افغانستان کے مشہور شہر غزنی تک جاتا ہے۔ درّہ گومل پاکستان اور افغانستان کے مابین تجارت کے حوالے سے بہت مشہور ہے۔ ڈیرہ اسماعیل خان اور بنوں کی فوجی چھاؤنیاں ان ہی پہاڑیوں میں واقع ہیں۔

iv- سلسلہ کوہِ سلیمان:

یہ سلسلہ دریائے گومل کے جنوب سے شروع ہوتا ہے۔ اس کی بلند ترین چوٹی تخت سلیمان ہے جو سطح سمندر سے 3487 میٹر بلند ہے۔ دریائے بولان اس خطے کا سب سے اہم دریا ہے جو درّہ بولان سے گزرتا ہے۔ یہ درّہ کوئٹہ کو سبّی سے ملاتا ہے۔ کوئٹہ ایک بہت اہم فوجی چھاؤنی ہے جو درّہ بولان کے سرے پر واقع ہے۔ اس علاقے سے ایک ریلوے لائن کوئٹہ تک اور پھر اُس کے آگے زاہدان (ایران) تک جاتی ہے۔

v- سلسلہ کوہِ کھیر تھر:

یہ سلسلہ کوہِ سلیمان کے جنوب میں زیریں وادیٔ سندھ کے مغربی سرے پر واقع ہے۔ یہ کم بلند اور خشک پہاڑ ہیں۔ اِن کے جنوب میں دریائے حب اور لیاری ندی بہتے ہیں جو آخر کار کراچی کے قریب بحیرۂ عرب میں جا گرتے ہیں۔

2- سطحِ مرتفع:

پاکستان میں مندرجہ ذیل دو سطحِ مرتفع واقع ہیں۔

i- سطحِ مرتفع پوٹھوہار ii- سطحِ مرتفع بلوچستان

i- سطحِ مرتفع پوٹھوہار:

یہ سطحِ مرتفع دریائے سندھ اور جہلم کے درمیان واقع ہے۔ اس کی ابتدا دریائے جہلم کے جنوب میں ٹلہ جوگیاں کے قریب سے ہوتی ہے اور جہلم، میانوالی، راولپنڈی کے اضلاع اور اسلام آباد کے کچھ حصّے تک پھیلا ہوا ہے۔ اِن علاقوں کی سطح کٹی پھٹی اور ناہموار ہے۔ اِس سطحِ مرتفع کی بلندی 300 میٹر تا 600 میٹر ہے۔ اِس علاقے کے مشہور دریا سوان اور ہرو ہیں۔ اس علاقے کے بیشتر مقامات پر تیل اور دیگر معدنیات پائی جاتی ہیں۔

کوہِ نمک کا سلسلہ اس سطحِ مرتفع کے قریب واقع ہے۔ نمک کی سب سے بڑی کان کھیوڑہ اِسی سلسلے میں واقع ہے۔ یہ سلسلہ دریائے جہلم کے جنوب میں ٹلہ جوگیاں سے شروع ہوتا ہے اور میانوالی، بنوں اور ڈیرہ اسماعیل خان کے کچھ حصوں تک پھیل جاتا ہے۔ اس سلسلۂ کوہ کی اوسط بلندی 700 میٹر ہے۔ اِس کی بلند ترین چوٹی سکیسر 1500 میٹر بلند ہے۔ یہ پورا علاقہ تقریباً بنجر ہے۔ لیکن جپسم، کوئلے اور نمک جیسی معدنیات اِس سلسلۂ کوہ میں پائی جاتی ہیں۔

ii- سطحِ مرتفع بلوچستان:

یہ سطحِ مرتفع کوہِ سلیمان اور کھیر تھر کے مغرب میں واقع ہے۔ اِس کی بلندی 650 میٹر ہے۔ شمال میں ٹوبہ کاکڑ اور چاغی کے پہاڑی سلسلے بلوچستان کو افغانستان سے جدا کرتے ہیں۔ اِن پہاڑی سلسلوں میں زیارت اور مسلم باغ کی چوٹیاں زیادہ بلند ہیں۔ اُن کی بلندی 2133 میٹر ہے۔ اِس سطحِ مرتفع کے جنوب میں مکران کے پہاڑی سلسلے ہیں۔ جبکہ وسط میں وسطی براہوی شمالی مکرانی سلسلے واقع ہیں۔ شمال مغرب میں ایک بڑا رقبہ ریگستان ہے۔ یہاں ایک نمکین پانی کی جھیل ہے، جسے ہامون مشخیل کہتے ہیں۔ اس میں کئی چھوٹے چھوٹے دریا گرتے ہیں۔ یہ پاکستان کی سب سے بڑی سطحِ مرتفع ہے، جو پاکستان کے چالیس فیصد رقبہ پر محیط ہے۔ شمال مشرق میں بلند پہاڑ واقع ہیں جو موسم سرما میں برف سے

ڈھک جاتے ہیں۔ اِس سطح مرتفع کے بیشتر علاقوں میں بہت کم بارش ہوتی ہے۔ یہ زیادہ تر خشک اور بنجر ہے۔ تاہم یہ علاقہ معدنیات کی دولت سے مالا مال ہے۔ اس علاقے کا مشہور دریا ژوب ہے جو کوہِ سلیمان سے نکلتا ہے۔ اس سطح مرتفع کے دیگر دریاؤں میں پورالی، ہنگول اور دشت شامل ہیں۔

3۔ میدانی علاقے:

پاکستان کے میدانی علاقے دریائے سندھ اور اُس کے معاون دریاؤں کی لائی ہوئی مٹی سے بنے ہیں۔ یہ وسیع و عریض میدانی علاقے تین حصّوں میں تقسیم کیے جاسکتے ہیں۔

i۔ دریائے سندھ کا بالائی میدان　ii۔ دریائے سندھ کا زیریں میدان　iii۔ دریائے سندھ کا ڈیلٹائی میدان

i۔ دریائے سندھ کا بالائی میدان:

دریائے سندھ کے مشرقی معاون دریا یعنی جہلم، چناب اور راوی کا پانی مٹھن کوٹ کے مقام پر دریائے سندھ میں شامل ہو جاتا ہے۔ مٹھن کوٹ سے اوپر کا علاقہ دریائے سندھ کا بالائی میدان کہلاتا ہے۔ یہ سطح سمندر سے 200 تا 300 میٹر بلند ہے۔ دریائے سندھ کا بالائی میدان اِن دریاؤں کی لائی ہوئی زرخیز مٹی سے بنا ہے۔ تاہم سرگودھا، چنیوٹ اور سانگلہ کے قریب خشک پہاڑیاں پائی جاتی ہیں۔ بارشوں ک کم اوسط کی وجہ سے آبپاشی کے بغیر زراعت ممکن نہیں ہے۔ اِسی لیے دنیا کا عظیم ترین نہری نظام اِس میدان میں بچھایا گیا ہے۔ یہ میدانی علاقہ زرعی پیداوار گندم، چاول، گنّا، کپاس، مکئی اور دالوں وغیرہ کا مرکز ہے۔

ii۔ دریائے سندھ کا زیریں میدان:

مٹھن کوٹ سے نیچے کا علاقہ دریائے سندح کا زیریں میدان کہلاتا ہے۔ اس میں بڑی حد تک صوبہء سندھ کا علاقہ شامل ہے۔ اِس علاقے میں دریائے سندھ کا بہاؤ بہت سست ہو جاتا ہے کیونکہ زمین زیادہ ہموار ہے اور کم ڈھلان رکھتی ہے یہی وجہ ہے کہ دریا کی تہ پہاڑوں سے اپنی لائی مٹی کے جمع ہونے سے برابر اونچی ہوتی رہتی ہے۔ چنانچہ دریائے سندھ آس پاس کے علاقے سے زیادہ بلندی پر بہتا ہے۔ اِس علاقے میں بارشیں بہت کم ہوتی ہیں۔ اِسی لیے زراعت کو آبپاشی کے ذریعے پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ دریائے سندھ کے اس حصے میں نہری نظام آبپاشی کی بدولت مختلف اقسام کی فصلیں اُگتی ہیں۔

iii۔ دریائے سندھ کا ڈیلٹائی میدان:

جیسے جیسے دریائے سندھ کا سفر بحیرہء عرب کی جانب جاری رہتا ہے اُس کی روانی بہت آہستہ ہوتی جاتی ہے اور پھر ٹھٹھہ کے نزدیک یہ ڈیلٹا بناتا ہے جہاں یہ بہت سی مختلف شاخوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ سمندری لہروں نے تقریباً 40 کلو میٹر تک ساحلی علاقے کو دلدلی زمین میں بدل دیا ہے۔

4۔ ریگستانی علاقے بشمول ساحلی علاقے:

پاکستان کے جنوب مشرق میں ایک وسیع و عریض علاقہ ریت کے ٹیلوں سے بھرا ہوا ہے۔ یہ ٹیلے اپنی جگہ بدلتے رہتے ہیں۔ پاکستان کے ریگستانی علاقوں میں بارشیں بہت کم ہوتی ہیں اس لیے ان ریگستانوں میں قدرتی نباتات نہیں پائی جاتی ہیں۔ پاکستان کے کچھ میدانی علاقے بھی ریگستان یا نیم ریگستانی علاقے کہلاتے ہیں۔ کیوں کہ اُن کی طبعی حالات میدانی علاقوں سے مختلف ہیں۔ اِن میں سے چند صوبہء پنجاب میں اور کچھ صوبہء سندھ میں واقع ہیں۔ یہ علاقے حسب ذیل ہیں۔

(i) تھل کا ریگستانی علاقہ:

تھل ضلع میانوالی، مظفر گڑھ اور ڈیرہ غازی خان میں واقع ہے۔ اِس کا تین چوتھائی رقبہ ریت کے بڑے بڑے ٹیلوں پر مشتمل ہے۔ اگرچہ کہ اس کے زیادہ تر علاقوں کو دریائے سندھ کے نہری پانی سے کاشت کیا جاتا ہے۔

(ii) چولستان کا ریگستانی علاقہ:

بہاولپور ریجن کا تقریباً ساٹھ فیصد رقبہ اور اس کا جنوب مشرقی علاقہ صحرائے چولستان میں واقع ہے۔ اس کا زیادہ تر علاقہ بھارت میں ہے۔ یہ صحرا ریت کے ٹیلوں اور کانٹے دار جھاڑیوں کے جھنڈ اور کیکر اور ببول کی جھاڑیوں سے بھرا ہوا ہے۔

(iii) تھر اور نارا کا ریگستانی علاقہ:

تھر اور نارا کا صحرائی علاقہ صوبہ سندھ کے خیر پور کے سرحدی علاقوں، ضلع تھرپارکر اور عمر کوٹ کے جنوبی حصوں اور ضلع سانگھڑ میں پھیلا ہوا ہے۔ درحقیقت یہ بھارت کے صحرائے راجستھان کا تسلسل اور پھیلاؤ ہے۔ اِس صحرا میں کوئی مستقل یا دائمی دریا یا ندی نہیں ہے۔ اِسی لیے علاقے کے جغرافیائی خدوخال کی تشکیل میں ہواؤں کے عمل دخل کو غلبہ حاصل ہے۔ وسیع و عریض ریتیلے میدان اور لاتعداد مٹی کے ٹیلے اِس منظر پر چھائے ہوئے ہیں۔

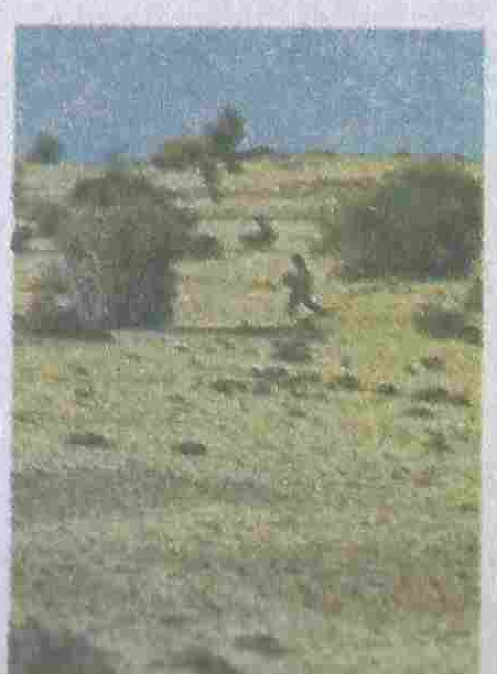

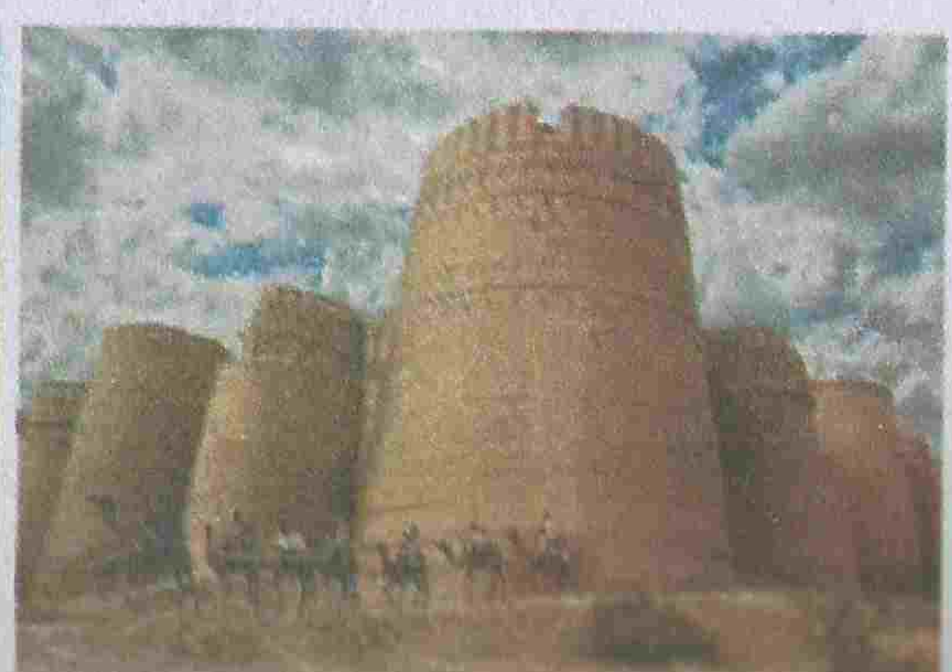

زراعت کے لحاظ سے یہ انتہائی بنجر علاقہ ہے۔ آبپاشی کی سہولیات کی توسیع سے کچھ علاقوں میں زراعت ممکن ہو سکی ہے۔اس کی فطری نباتات میں کانٹے دار جھاڑیاں شامل ہیں۔

(iv) چاغی اور خاران کا ریگستانی علاقہ:

بلوچستان کے شمال مغربی اضلاع چاغی اور خاران کا علاقہ خشک ترین خطہ ہے۔ یہاں بارش کی اوسط صرف 25 ملی میٹر کے قریب ہے۔ یہ بے آب وگیاہ خطہ انتہائی کم آباد ہے۔ یہاں آبادی کی گنجائش صرف 4 افراد فی مربع کلومیٹر ہے۔

ساحلی علاقہ:

پاکستان کے ساحلی علاقے کی لمبائی تقریباً 1050 کلومیٹر ہے۔ اس کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ ایران کی سرحد اور دریائے حب کے درمیان واقع ہے جو کہ مکران کا ساحل کہلاتا ہے۔ اس کی لمبائی 750 کلومیٹر ہے۔ دوسرا حصہ سندھ کا ساحل کہلاتا ہے۔ اس کی لمبائی 300 کلومیٹر ہے۔ یہ دریائے حب کے ڈیلٹا اور شاہ بندر (ضلع ٹھٹھہ) کے درمیان واقع ہے۔

پاکستان کا تمام ساحلی علاقہ بحیرۂ عرب کے ساتھ واقع ہے۔ پاکستان کی سب سے اہم بندرگاہ کراچی ہے۔ دوسری بندرگاہوں میں پورٹ قاسم، سونمیانی اورمارا، پسنی، گوادر اور جیوانی شامل ہیں۔

3۔ آب وہوا:

کسی علاقے یا ملک کی طویل عرصے کی موسمی کیفیات کا مطالعہ آب وہوا کہلاتا ہے۔ موسمی کیفیات سے مراد ہوا کا دباؤ، درجہ حرارت، رطوبت (نمی) اور بارش کی اوسط ہیں۔

پاکستان خطِ سرطان (Tropic of Cancer) کے شمال میں واقع ہے جبکہ یہ ملک مون سون آب وہوا کے خطے کے انتہائی مغرب میں واقع ہے۔ لہٰذا اس ملک کی آب وہوا خشک اور گرم ہے۔ پاکستان کے شمال میں کچھ علاقے نیم گرم مرطوب ہیں جبکہ پہاڑی علاقوں میں سطح سمندر سے بلندی کے باعث پہاڑی آب وہوا پائی جاتی ہے۔ پاکستان کے میدانی علاقوں میں جنوری کے مہینے کا کم از کم درجہ حرارت اوسطاً 4 درجے سینٹی گریڈ اور زیادہ سے زیادہ اسی ماہ کا درجہ حرارت 24 درجے سینٹی گریڈ تک رہتا ہے جبکہ موسم گرما یعنی جون جولائی کے مہینے کا کم از کم درجہ حرارت 30 درجے سینٹی گریڈ اور زیادہ سے زیادہ اسی مہینے کا درجہ حرارت 48 درجے سینٹی گریڈ تک رہتا ہے۔ جیکب آباد، نواب شاہ اور سبی کا درجہ حرارت زیادہ سے زیادہ 50 درجے سینٹی گریڈ تک ریکارڈ کیا گیا ہے۔

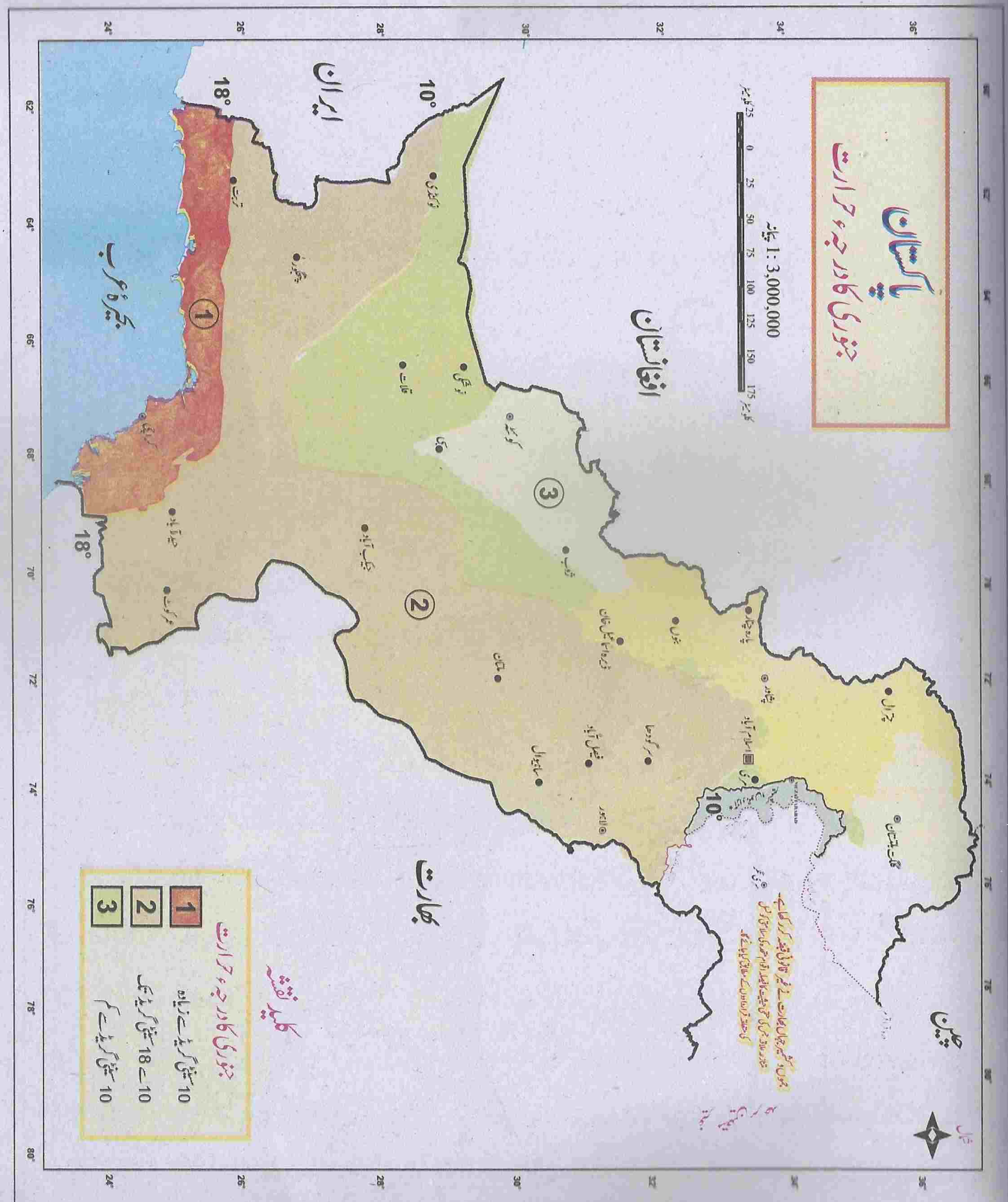

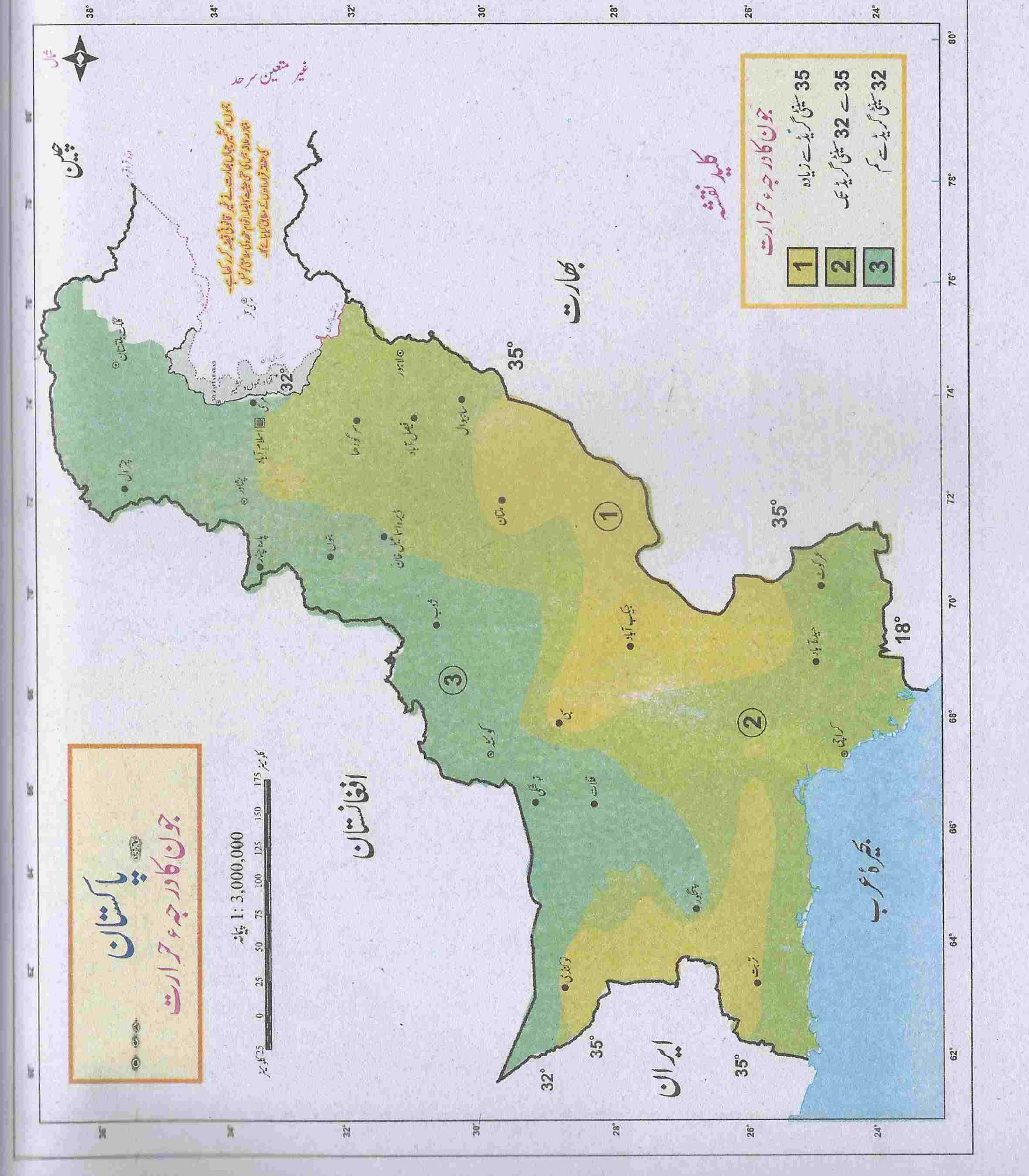

سالانہ درجہ حرارت، سالانہ بارش اور مجموعی فضائی کیفیات کو مدِنظر رکھتے ہوئے پاکستان کو مندرجہ ذیل چار آب ہوائی خطوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(1) برّی آب وہوا کا پہاڑی خطہ

(2) برّی آب وہوا کا سطح مرتفع خطہ

(3) برّی آب وہوا کا میدانی خطہ

(4) بحری آب وہوا کا ساحلی خطہ

(1) برّی آب وہوا کا پہاڑی خطہ:

آب وہوا کے اس خطہ میں پاکستان کے تمام شمال مشرقی اور شمال مغربی پہاڑی علاقے شامل ہیں۔ یہاں کی آب وہوا کی خصوصیت میں موسم سرما سرد ترین ہوتا ہے۔ عموماً برف باری ہوتی ہے، موسم گرما ٹھنڈا ہوتا ہے جبکہ موسم سرما اور بہار میں بارشیں اور اکثر دھند ہوتی ہے۔

اس خطہ کے کچھ علاقوں مثلاً بیرونی ہمالیہ، مری اور ہزارہ میں تقریباً سارا سال بارشیں ہوتی ہیں۔ زیادہ تر بارشیں موسم گرما کے آخر میں ہوتی ہیں۔

(2) برّی آب وہوا کا سطح مرتفع خطہ:

آب وہوا کے اس خطہ میں زیادہ تر بلوچستان کا علاقہ آتا ہے۔ مئی سے وسط ستمبر تک گرم اور گرد آلود ہوائیں مسلسل چلتی رہتی ہیں۔ سبی اور جیک آباد اسی خطہ میں واقع ہیں جنوری اور فروری کے مہینوں میں کچھ بارشیں ہوتی ہیں۔ موسم شدید گرم، خشک اور گرد آلود ہوائیں اس خطے کی اہم خصوصیات ہیں۔

(3) برّی آب وہوا کا میدانی خطہ:

آب وہوا کے اس خطہ میں دریائے سندھ کا بالائی (صوبہ پنجاب) اور زیریں میدان (صوبہ سندھ) شامل ہیں۔ اس خطے کی آب وہوا میں موسم گرما میں زیادہ درجہ حرارت رہتا ہے اور موسم گرما کے آخر میں مون سون ہواؤں سے شمالی پنجاب میں زیادہ بارشیں ہوتی ہیں جبکہ بقیہ میدانی علاقے میں بارشیں کم ہوتی ہیں۔ موسم سرما میں بھی بارش کی یہی صورت حال رہتی ہے۔ تھل اور جنوب مشرقی صحرا خشک ترین علاقے ہیں یعنی بارش بہت کم ہوتی ہے۔

(4) بحری آب وہوا کا ساحلی خطہ:

آب وہوا کے اس خطہ میں صوبہ سندھ اور بلوچستان کے ساحلی علاقے شامل ہیں۔ سالانہ اور روزانہ درجہ حرارت میں بہت کم فرق ہوتا ہے۔ موسم گرما کے دوران نسیم بحری (سمندر سے آنے والی ہوائیں) چلتی ہیں۔ ہوا میں نمی زیادہ ہوتی ہے۔ سالانہ اوسط درجہ حرارت 32 درجے سینٹی گریڈ ہوتا ہے۔ بارش 180 ملی میٹر سے کم ہوتی ہے۔ مئی اور جون گرم ترین مہینے ہیں۔ لسبیلہ کے ساحلی میدان میں بارشیں موسم گرما اور سرما دونوں موسموں میں ہوتی ہیں۔

پاکستان اگرچہ مون سون آب وہوا کے خطے میں واقع ہے لیکن اس خطے کے انتہائی مغربی حصے میں ہونے کی وجہ سے خطے کی خصوصیات کا حامل نہیں ہے۔ لہٰذا پاکستان کی آب و ہوا خشک (Arid)، گرم (Hot) اور براعظمی (Continental) قسم کی ہے۔ درجہ حرارت میں انتہائی طنوع (Extreme Variations) ہے۔ پاکستان کا بہت بڑا حصہ سمندر سے دور واقع ہے۔

آب وہوا کا زندگی پر اثر:

آب وہوا سے انسانی حیات وزندگی پر گہرے اثرات پڑتے ہیں۔ کسی جگہ کی آب وہوا اور موسمی کیفیات اُس علاقے کے مکینوں کے بود وباش کے طریقوں، لباس، غذا، پیشوں، مصروفیات، کھیل، رسوم ورواج اور معاشی اور اقتصادی سرگرمیوں کو بہت زیادہ متاثر کرتی ہیں۔ پاکستان رقبے کے لحاظ سے ایک وسیع وعریض ملک ہے۔ اس لیے اِس کے مختلف خطوں کی آب وہوا میں نمایاں فرق ہے۔ اِس کی وجہ سے مختلف علاقوں کے عوام کے رہن سہن کے طریقوں اور رسوم ورواج میں نمایاں فرق نظر آتا ہے۔

پاکستان کے شمالی پہاڑی علاقوں میں موسم سرما شدید نوعیت کا ہوتا ہے۔ درجہ حرارت نقطہ انجماد سے بھی نیچے گر جاتا ہے اور اکثر علاقے برف سے ڈھک جاتے ہیں۔ اِس شدید سردی کے باعث اِس علاقے کی اِنسانی، حیوانی اور نباتاتی زندگی بری طرح متاثر ہوتی ہے۔ اس علاقے کے لوگ سردیاں شروع ہونے سے قبل ہی ضروری غذائی اجناس اور مویشی جمع کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ سردیوں میں لوگ موسم سرما میں روزی کمانے کی غرض سے عارضی طور پر میدانی علاقوں میں نقل مکانی کر جاتے ہیں اور موسم گرما شروع ہوتے ہی اپنے گھروں کو واپس لوٹ آتے ہیں۔ گرمیوں کے شروع ہوتے ہی جب برف پگھلنا شروع ہوتی ہے تو زندگی کی گہما گہمی شروع ہو جاتی ہے۔ اِس موسم کے مختصر عرصے میں درخت، پودے، گھاس وغیرہ جلدی پھلتے پھولتے اور پروان چڑھتے ہیں۔ سردیوں میں جو چشمے، ندی نالے منجمد ہو گئے تھے اُن میں شفاف پانی بہنا شروع ہو جاتا ہے، جس سے اِس علاقے کے حسن میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ لوگ اپنی بیرونِ خانہ سرگرمیاں یعنی

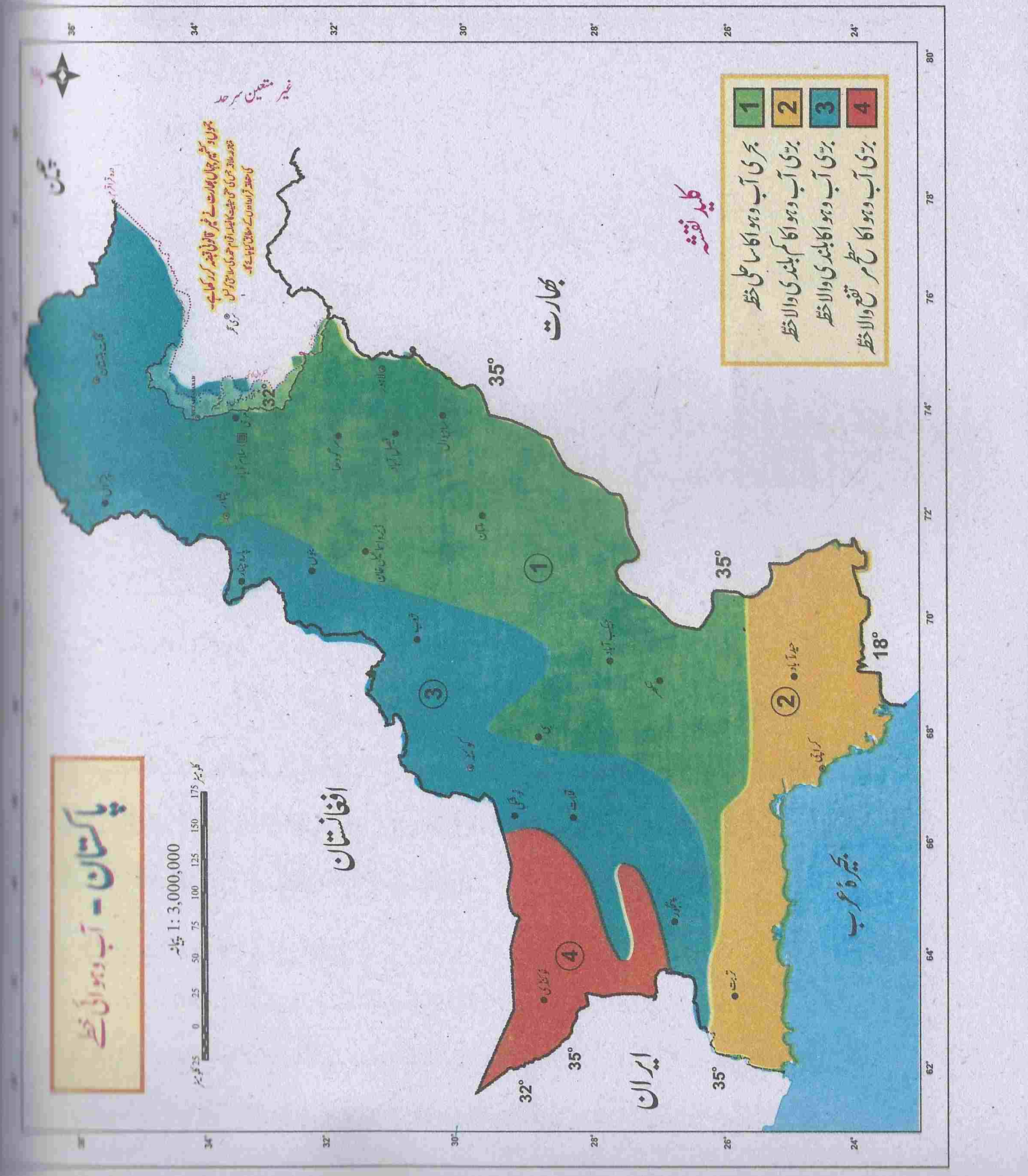

زراعت، تجارت اور محنت مزدوری وغیرہ دوبارہ شروع کر دیتے ہیں۔ شمالی علاقوں کے عوام کی صحت پر بھی اس سرد آب وہوا کے اثرات پڑتے ہیں۔ وہ جسمانی طور پر بہت مضبوط ہوتے ہیں۔ اُن کا رنگ گورا ہوتا ہے۔ وہ سخت جفاکش اور بہادر ہوتے ہیں۔ سخت طرزِ زندگی نے اُن کو باہمت، جرأت منداور مضبوط بنا دیا ہے۔

پاکستان کے میدانی علاقوں کی آب وہوا میں شدت پائی جاتی ہے۔ یعنی موسم گرما میں شدید گرمی اور موسم سرما میں شدید سردی پڑتی ہے۔ سردیوں میں دل جمعی اور خوشدلی سے کام کرنا آسان ہوتا ہے۔ جبکہ گرمیوں میں کارکردگی کم ہو جاتی ہے۔ گرمیوں میں ہلکے کپڑے پہنے جاتے ہیں جبکہ سردیوں میں موٹے اونی کپڑے استعمال میں آتے ہیں۔ ان علاقوں کی زمین اور آب وہوا دونوں زراعت کے لیے انتہائی موزوں ہیں۔ موسم سرما و گرما میں مختلف فصلیں پیدا ہوتی ہیں۔ چوں کہ ان علاقوں میں کثیر مقدار میں غذائی اجناس، سبزیاں اور پھل پیدا ہوتے ہیں اِس لیے یہاں کے لوگ بہت خوشحال ہیں۔ شمالی علاقوں کی بہ نسبت میدانی علاقے زیادہ گنجان آباد ہیں۔ ذرائع آمد ورفت اور نقل وحمل سہولت کے ساتھ دستیاب ہیں۔ یہاں کے عوام بالواسطہ یا بلاواسطہ زراعت سے وابستہ ہیں۔ یہاں تعلیمی اور زندگی کی دیگر تمام سہولتیں میسر ہیں۔ لوگوں کے پاس روزگار کے بے شمار مواقع موجود ہیں۔

پاکستان کے زیادہ تر جنوبی حصے اور علاقے ریگستان وصحرا ہیں اور سخت گرم ہیں۔ یہاں گرد آلود آندھیاں چلتی ہیں اور ریت کے طوفان بکثرت آتے ہیں۔ یہاں کے رہنے والے خود کو گرمی اور لو سے بچانے کی خاطر موٹے کپڑے پہنتے ہیں اور سر پر پگڑی باندھتے ہیں اور اپنے جسموں کو کپڑے سے ڈھانپ کر رکھتے ہیں۔ یہ لوگ راتوں کو سفر کرتے ہیں کیوں کہ راتوں کو صحرا نسبتاً ٹھنڈے ہوتے ہیں۔ یہاں کے لوگ بھیڑ، بکریاں اور دیگر مویشی پالتے ہیں۔ جن علاقوں میں نہروں کے ذریعے آبپاشی ہوتی ہے وہ زیرِ کاشت ہیں۔

سطح مرتفع بلوچستان کی آب وہوا بھی شدید قسم کی ہے۔ موسم سرما میں اکثر علاقوں میں شدید سردی پڑتی ہے اور بعض مقامات پر برف باری بھی ہوتی ہے۔ سردیوں میں عوام اندرونِ خانہ سرگرمیوں میں مصروف ہوتے ہیں۔ اور زیادہ وقت فروخت کرنے کے لیے تحفے تحائف تیار کرنے میں گزارتے ہیں۔ ان سرد علاقوں کے بعض لوگ گرم علاقوں کی طرف نقل مکانی کر جاتے ہیں اور گرمیوں میں واپس لوٹ آتے ہیں۔ موسمِ گرما میں بلوچستان کے میدانی علاقے انتہائی گرم ہوتے ہیں۔ لوگ ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہنتے ہیں۔ زمین دوز مصنوعی ندی نالوں کے ذریعے پانی جمع کیا جاتا ہے۔ انھیں ''کاریز'' کہا جاتا ہے۔ اب اِن میں بیشتر کاریز خشک ہوگئی ہیں۔ اب کچھ بند زیرِ تعمیر ہیں تا کہ پینے کے لیے اور کاشتکاری کے لیے پانی مہیا ہو سکے۔

مختصر یہ کہ شدید سرد علاقوں کے لوگ گرم اونی اور موٹے کپڑے پہنتے ہیں۔ مکانات بناتے ہیں جن کے کمرے چھوٹے ہوتے ہیں تا کہ وہ جلد اور آسانی سے گرم ہوسکیں۔ ان علاقوں کے رہنے والے افراد اپنی غذا استعمال کرتے ہیں جن میں لحمیات (پروٹین) اور چکنائی زیادہ ہوتی ہے تا کہ اُن کو مناسب حرارت مل سکے۔ وہ چکنا گوشت اور گندم اور مکئی کی روٹی کھاتے ہیں۔ وہ چائے اور کافی پیتے ہیں۔ سرد علاقوں میں نقل وحرکت بہت کم اور دشوار ہوتی ہے۔ برف باری کے دوران سڑکیں بند ہو جاتی ہیں اور لوگ اپنے گھروں میں محصور ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اِسی لیے سرد علاقے کم گنجان آباد ہوتے ہیں۔ موسم سرما میں کوئی تفریح اور دلچسپی نہیں ہوتی ہے۔ موسم گرما مختصر مگر بہت خوشگوار ہوتا ہے۔ ملازمتوں کے مواقع بہت محدود ہوتے ہیں۔ اِسی لیے اِن علاقوں کے عوام زیادہ خوشحال نہیں ہیں۔

سرد علاقوں کے مقابلے میں زیریں میدانوں اور صحرائی علاقوں میں رہنے والے افراد گرمیوں کے گرم موسم کی وجہ سے ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہنتے ہیں۔ اُن کے مکانات کھلے اور ہوادار ہوتے ہیں۔ گرم علاقوں کے لوگ گندم کی روٹی، چاول اور مچھلی کھاتے ہیں۔ وہ مختلف اقسام (مختلف النوع) کے شربت پیتے ہیں۔ یہاں کے لوگ سارا سال کھیتی باڑی اور زراعت میں مصروف رہتے ہیں۔ یہاں کے رہنے والے افراد مختلف قسم کی ملازمتیں کرتے ہیں۔ جن میں کاروبار، تجارت اور سرکاری دفاتر اور نجی اداروں اور شعبوں میں ملازمتیں شامل ہیں۔ ملازمتوں کے مواقع اور دیگر سہولیات کی فراہمی کی وجہ سے زیریں میدان گنجان آباد ہوتے ہیں۔ زندگی سرگرمیوں سے بھرپور ہوتی ہے اور سرد علاقوں کے عوام کے مقابلے میں یہاں کے لوگ زیادہ خوشحال ہوتے ہیں۔

4۔ ماحولیاتی مسائل (Environmental Problems):

ساری دنیا میں ماحولیاتی آلودگی ایک بہت بڑا مسئلہ بن کے سامنے آئی ہے۔ اِس کی بڑی وجوہات میں بڑھتی ہوئی آبادی، تیز رفتار صنعتی ترقی اور بڑی اور چھوٹی گاڑیوں سے نکلنے والا دھواں ہے۔ ماحولیات (Ecology) کا علم ایک نئے علم کے طور پر اُبھر رہا ہے تا کہ لوگوں کو پانی، ہوا اور فضا اور زمین میں آلودگی سے عوام کو آگاہ کر سکے اور اُن میں شعور پیدا کر سکے۔ پاکستان دنیا کے اُن ممالک میں شامل ہے جہاں ماحولیاتی آلودگی روز بروز بڑھ رہی ہے۔ آیئے ہم ماحولیاتی آلودگی کی تعریف کریں:

ماحولیاتی آلودگی:

آلودگی کے معنی یہ ہیں کہ زمین، پانی اور فضا میں ایسی تبدیلیاں پیدا ہو جائیں جو اِنسان اور حیوانی حیات پر مضر

اثرات کا باعث ہوں۔ جب مختلف عوامل ہمارے ماحول پر غیر صحتمندانہ تبدیلیاں لاتے ہیں تو اِسی کو ماحولیاتی آلودگی کہتے ہیں۔ یہ ماحولیاتی آلودگی تین اقسام کی ہیں۔

(i) فضائی آلودگی:

انسانی صحت کے لیے صاف ستھرا اور پاکیزہ ماحول اِنتہائی ضروری ہے۔ اِنسانی بقا کے لیے ہوا سب سے زیادہ لازمی عامل ہے۔ فضا میں کئی گیسیں شامل ہیں۔ لیکن فضا میں بنیادی طور سے آکسیجن، نائٹروجن اور کاربن ڈائی آکسائیڈ اور کاربن مونو آکسائیڈ گیسیں شامل ہیں۔ پانی کی تبخیر تقریباً چار فیصد ہوتی ہے۔ لیکن دھواں، ایندھن کی کالک، کاربن ڈائی آکسائیڈ اور کاربن مونو آکسائیڈ ماحول کو آلودہ کرتی ہیں۔ مضر اثرات والی گیسیں بھی فضا میں شامل ہیں۔ ہر بالغ شخص کو روزانہ تقریباً 15 کلوگرام ہوا کی ضرورت ہوتی ہے۔ اِستعمال شدہ گیسیں دوبارہ فضا کا حصہ بن جاتی ہیں۔ اِس کی وجہ سے فضا میں گیسوں کا تناسب برقرار رہتا ہے۔ لیکن اِن گیسوں کا فطری اور قدرتی تناسب بے شمار اِنسانی سرگرمیوں کی وجہ سے بڑی تیزی سے تبدیل ہو رہا ہے۔ دھواں، زہریلے بخارات، جوہری فضلہ وغیرہ ہماری فضا کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ اِس کو "فضائی آلودگی" کہتے ہیں۔ حیات اِنسانی، نباتات و جمادات اور عمارتوں پر مضرِ صحت اثرات پڑتے ہیں۔ اِنسان نے اپنی سہولت اور آرام دہ زندگی گزارنے کے لیے مشینیں ایجاد کی ہیں۔ موٹر کاروں، ہوائی جہازوں اور بحری جہازوں کو چلانے کے لیے تیل، گیس اور کوئلہ بطور ایندھن استعمال کیا جاتا ہے۔ اِن سے سیاہ دھواں پیدا ہوتا ہے جو اِنسانی صحت کے لیے مضر اور ضرر رساں ہیں۔ صنعتی ترقی جتنی زیادہ ہوگی فضائی آلودگی بھی اتنی ہی زیادہ ہوگی۔ اِس لیے یہ ضروری ہے کہ اس آلودگی کی بنیادی وجوہات پر نگاہ رکھتے ہوئے اور جائزہ لیتے ہوئے اِس کو کم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

(ii) آبی آلودگی:

پانی اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت غیر مترقبہ ہے اور انسانوں کی سب سے اہم بنیادی ضرورت ہے۔ انسانی جسم کے وزن کا تقریباً 70 فیصد پانی پر مشتمل ہے۔ ہمارے اس کرۂ ارض کی سطح کا 71 فیصد پانی اور صرف 29 فیصد خشکی ہے۔ لیکن زمین پر موجود پانی کا صرف 2.8 فیصد حصہ قابل استعمال یا میٹھا ہے۔ یہی میٹھا پانی گھروں میں، کھیتوں میں اور کارخانوں میں استعمال ہوتا ہے۔ زمین کے پانی کا صرف 0.65 فیصد پانی مائع حالت میں ہے اور بقیہ میٹھا پانی برف اور گلیشیر کی شکل میں ہے۔ زمین کا بقیہ 97.2 فیصد نمکین اور کھاری ہے اور پینے کے لیے یا دیگر ضروریات کے لیے ناقابلِ استعمال ہے۔ پانی ایک بہت اچھا محلل ہے۔ اسی لیے اس میں اکثر ٹھوس اشیاء، مائع اور گیسیں حل ہو جاتی ہیں۔ جب ناصاف (گندی) اشیاء پانی میں شامل ہوتی ہیں تو یہ پانی کثیف ہو جاتا ہے اور اپنی اصلی اور قدرتی شکل کھو دیتا ہے۔ پانی کی یہ حالت یا کیفیت "آبی آلودگی" کہلاتی ہے۔ آلودہ پانی نہ صرف انسانی صحت کے لیے مضر ہے بلکہ یہ مویشیوں، زراعت، نباتات اور پودوں کے لیے بھی ضرر رساں ہے۔ آلودہ پانی سے مختلف خطرناک بیماریاں پھیل سکتی ہیں بلکہ یہ موت کا باعث بھی ہو سکتا ہے۔

(iii) زمینی آلودگی:

زمین بھی کیمیائی، حیاتیاتی اور فضلیا در پر آلودہ ہو جاتی ہے جب اس میں کئی ضرر رساں اشیاء دفن کر دی جاتی ہیں۔ فضائی اور آبی آلودگیاں بھی زمینی آلودگی کے ذرائع اور ماخذ میں شامل ہیں۔ سیلاب، زلزلے، آتش فشاں پہاڑ اور آگ زمینی آلودگی کا سبب ہیں۔ جب لوگ خطرناک اور ضرر رساں اشیاء زمین میں دفن کرتے ہیں تو اُس سے زمین کی ساخت اور ترکیب کو نقصان پہنچتا ہے۔ وہ عوامل جو زمین کو بنجر اور غیر آباد کر دیتے ہیں حسب ذیل ہیں۔

1- جنگلات کے رقبے میں کمی۔
2- سیم و تھور۔
3- فاضل ادویات اور کیمیائی اشیاء کا زمین میں دفن کرنا۔
4- مصنوعی کھاد کا بے تحاشا استعمال۔
5- فضائی اور آبی آلودگی

6- ہمیں کیا کرنا چاہیے:

آلودگی سے بچاؤ اور تحفظ کے لیے ساری دنیا میں بے شمار کانفرنسیں ہو چکی ہیں۔ جہاں روز بروز بڑھتی ہوئی فضائی آلودگی اور فضا کے درجہ حرارت پر قابو پانے کے لیے اقدامات پر غور کیا گیا ہے لیکن اب تک اس سمت میں بہت کم پیش قدمی ہوئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بڑے صنعتی ممالک اپنی صنعتوں سے خارج ہونے والی ضرر رساں گیسوں کے اخراج میں آہستہ آہستہ کمی کے لیے مائل نہیں ہیں کیونکہ اس سے اُن کی صنعتی پیداوار متاثر ہوگی۔

جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے تو مندرجہ ذیل اقدام ماحول کی آلودگی کو کم کرنے میں مدد و معاون ہو سکتے ہیں۔

(i) دریاؤں میں بہانے یا کھائیوں میں جمع کرنے سے قبل زہریلے کیمیائی مادوں کو علیٰحدہ کر کے صاف کر دیا جائے۔
(ii) شہروں کے گندے پانی کو دریاؤں میں بہانے سے قبل اُن کو بڑے تالابوں میں جمع کر کے مشینوں کے ذریعے صاف کر دیا جائے۔ جیسا کہ دیگر ترقی یافتہ ممالک میں ہوتا ہے۔
(iii) ایسی گاڑیوں پر پابندی عائد کیا جائے۔ تمام کوڑا کرکٹ کو مناسب طریقے سے جلانا چاہیے۔
(iv) ماحولیاتی معاملات میں شامل اداروں کے کردار کو بڑھانا چاہیے اور اُن کو ماحول کو بہتر بنانے کے لیے مناسب فنڈ مہیا کرنے چاہییں۔
(v) انسانی اور حیوانی فضلے کو کھیتوں میں جمع نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی اُنھیں بطور کھاد استعمال کرنا چاہیے۔
(vi) زیادہ سے زیادہ شجر کاری کے انتظامات کرنے چاہییں۔ جنگلات کی کٹائی روک دینی چاہیے۔ کیونکہ جنگلات فضا کو صاف اور پاکیزہ رکھنے کا بہترین ذریعہ ہیں۔
(vii) پولی تھین (پلاسٹک) کی تھیلیوں کا استعمال بند کر دینا چاہیے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو لوگوں میں یہ آگاہی اور بیداری پیدا کرنی چاہیے کہ وہ اِن تھیلیوں کو کھلی جگہ پر نہ پھینکیں۔
(viii) عوامی اجتماعات کے مقامات، باغات (پارکوں) اور سڑکوں کے عمومی صفائی کے لیے انتظامات کرنے چاہییں۔
(ix) ریڈیو اور ٹیلی وژن کے پروگرام عوام میں فضائی آلودگی کے نقصانات کے بارے میں آگاہی اور شعور پیدا کر سکتے ہیں۔

مشق

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات دیجیے۔

1۔ آب و ہوا سے کیا مراد ہے؟

2۔ پاکستان کے مختلف آب و ہوائی خطے کون سے ہیں؟

3۔ آب و ہوا انسانی زندگی پر کیسے اثر انداز ہوتی ہے؟

4۔ ماحولیاتی آلودگی سے کیا مراد ہے؟

5۔ ماحولیاتی آلودگی سے اضافہ آبادی کا کیا تعلق ہے؟

6۔ جنوبی ایشیا کے خطے میں پاکستان کے محلِ وقوع کی اہمیت بیان کیجیے۔

7۔ پاکستان کے طبعی خدوخال مختصراً بیان کیجیے۔

8۔ شمال مشرقی پہاڑی سلسلوں کے فوائد بتائیے۔

9۔ پاکستان کے ہمسایہ ممالک کے نام بتائیے۔

(ب) خالی جگہوں کو پُر کیجیے۔

(i) پاکستان اور افغانستان کے درمیان طویل سرحد ---------- کہلاتی ہے۔

(ii) پاکستان کو ---------- آب و ہوائی خطوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

(iii) پاکستان کے ساحلی علاقے ---------- اور ---------- ہیں۔

(iv) پاکستان کے بالائی میدانوں کی آب و ہوا ---------- ہے۔

(v) فضائی کرہ میں پانی کی تبخیر تقریباً ---------- ہے۔

(vi) پانی انسانی جسم کے وزن کا تقریباً ---------- ہے۔

(vii) پاکستان کے شمالی علاقوں کے لوگ موسم سرما میں ---------- سرگرمیوں میں مشغول رہتے ہیں۔

(viii) پاکستان کے جنوب مغرب میں ہمارا ہمسایہ ملک ---------- ہے۔

(ix) بلوچستان کا رقبہ ---------- مربع کلومیٹر ہے۔

(x) لفظ فاٹا (FATA) کے معنی ہیں ----------

(xi) دریائے حب اور لیاری ---------- سلسلہ کوہ میں بہتے ہیں۔

(xii) دنیا کی سب سے بڑی نمک کی کان پاکستان کے صوبہ ---------- میں ہے۔

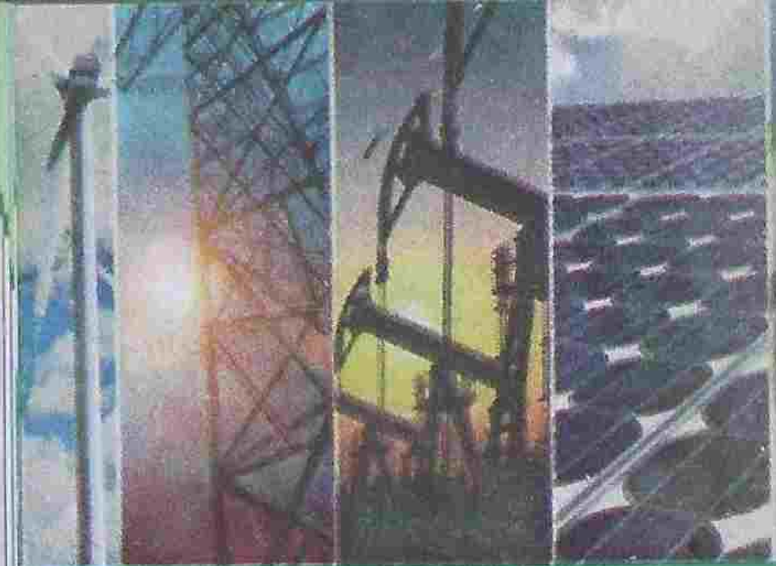

پانچواں باب

پاکستان کے وسائل

RESOURCES OF PAKISTAN

1۔ وسائل:

اس کائنات یا اس عالم میں دو اقسام کے وسائل پائے جاتے ہیں۔ اولاً انسانی وسائل ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ مختلف کاموں کو سرانجام دینے کے لیے انسانوں میں کس قدر قابلیت، صلاحیت اور اہلیت ہے۔ مختلف پیشوں کی نوعیت کے لحاظ سے لوگوں میں ایک دوسرے سے امتیاز کیا جاتا ہے۔ جب تمام پیشوں کو باہم ایک جگہ جمع کیا جاتا ہے تو اسی کو انسانی وسائل کہا جاتا ہے۔ وسائل کی دوسری قسم قدرتی وسائل کہلاتی ہے جو قدرت نے مہیا کیے ہیں۔ قدرتی وسائل پیداوار کا ذریعہ ہیں۔ دونوں قسموں کے وسائل یعنی انسانی اور قدرتی وسائل کا ذیل میں تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

(i) انسانی وسائل:

ایسے افراد جو مختلف پیشوں اور روزگار میں مشغول ہوتے ہیں، مل کر انسانی وسائل کو تشکیل دیتے ہیں۔ مختلف پیشوں اور شعبوں میں کام کرنے والے انسانوں کی لیاقت، قابلیت، صلاحیت، اہلیت اور مہارت کو جمع کیا جائے تو یہی انسانی وسائل ہیں اور کسی بھی ملک کے لیے یہ انسانی وسائل ہی انسانی طاقت (Man Power) کہلاتے ہیں۔ اسی انسانی طاقت کی مختلف ملازمتوں میں درجہ بندی کی جاتی ہے۔ یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ دس سال سے زائد عمر کا کوئی بھی فرد جو اپنے لیے کام کرتا ہے یا دوسروں کے لیے کم از کم ایک گھنٹے روزانہ ملازمت کرتا ہے وہ ایک با روزگار شخص تصور کیا جاتا ہے۔ پاکستان کی انسانی طاقت مختلف پیشوں اور روزگاروں سے وابستہ ہے۔ مثلاً: زراعت، کان کنی، عمارت سازی، تجارت، مواصلات، سرکاری ملازمتیں اور دیگر تمام بمعاوضہ کام۔

(ii) قدرتی وسائل:

ایسے وسائل جو اللہ تعالیٰ نے دنیا کے مختلف ممالک کو زرخیز مٹی، جنگلات، معدنیات اور پانی وغیرہ کی شکل میں عطا کیے ہیں، قدرتی وسائل کہلاتے ہیں۔ یہ وسائل عطیہ خداوندی ہیں۔ انسان ان کی کھوج لگا سکتا ہے اور ان قدرتی وسائل سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔

قومی ترقی میں وسائل کی اہمیت:

یہ وسائل مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر اہم ہیں:

(i) یہ کسی بھی قوم کی حقیقی دولت اور سرمایہ ہیں۔ ایسے ممالک نے بہت زیادہ ترقی کی ہے اور خوشحالی حاصل کی ہے جہاں انسانی اور قدرتی وسائل بکثرت پائے جاتے ہیں۔ تاہم ترقی اور خوشحالی کا انحصار ان وسائل کے دانشمندانہ اور ذہانت کے ساتھ مناسب استعمال پر ہے۔ دنیا میں کئی ممالک ایسے ہیں جہاں انسانی اور قدرتی وسائل بکثرت موجود ہیں۔ لیکن منصوبہ بندی اور محنت و مشقت کے فقدان کی وجہ سے ان وسائل سے کما حقہٗ فائدہ نہیں اُٹھایا جا رہا ہے یا بہت کم فائدہ اٹھایا جا رہا ہے۔

(ii) یہ وسائل کسی بھی ملک کی حفاظت اور سلامتی کا ذریعہ ہیں۔ انسانی اور مادی وسائل ملک کے دفاع کو مضبوط کرنے میں مددگار اور معاون ثابت ہوتے ہیں ان ہی قدرتی وسائل سے طاقتور اور مضبوط فوجی نظام تشکیل دینے کے لیے درکار تمام مادی ضروریات مہیا ہوتی ہیں اور انسانی وسائل ان قدرتی وسائل کو استعمال کرنے میں مدد کرتے ہیں۔

(iii) یہ وسائل کسی ملک کی شہرت اور احترام کا سبب ہیں۔ مثال کے طور پر تمام مغربی ممالک ترقی پذیر ممالک کے عوام کو اپنی جانب راغب کرتے ہیں کہ وہ ان ترقی یافتہ ممالک کے کثیر وسائل سے فائدہ اٹھائیں۔

(iv) یہ وسائل کسی ملک کی مادی ضروریات کو پورا کرنے میں مدد کرتے ہیں۔ اس میں ضروریاتِ زندگی، آسائشیں اور عیش و آرام شامل ہیں۔

(v) یہ وسائل تجارت اور کاروبار کو پروان چڑھانے اور ثمر بار بنانے میں مدد کرتے ہیں۔ ان وسائل سے مالا مال ممالک نے ساری دنیا کی تجارت پر قبضہ کرلیا ہے۔ اُن کی معیشت مضبوط ہے اور وہاں کے عوام کی قوتِ خرید بہت زیادہ ہے اور وہ ایک خوشحال زندگی گزار رہے ہیں۔

(vi) یہ وسائل لوگوں کو روزگار کے مواقع عطا کرتے ہیں۔ ان ہی وسائل کے ہونے کی وجہ سے لاکھوں لوگ روزگار کے لیے خلیجی ممالک اور مشرقِ وسطیٰ کے ممالک جاتے ہیں۔ اسی طرح یورپی ممالک، ریاست ہائے متحدہ امریکا (یو۔ ایس۔ اے)، کینیڈا اور آسٹریلیا میں ملازمتوں کے بہتر مواقع کی وجہ سے ایک کشش ہے۔

(vii) ان وسائل سے کسی ملک کی تیز رفتار ترقی اور خوشحالی میں مدد ملتی ہے۔

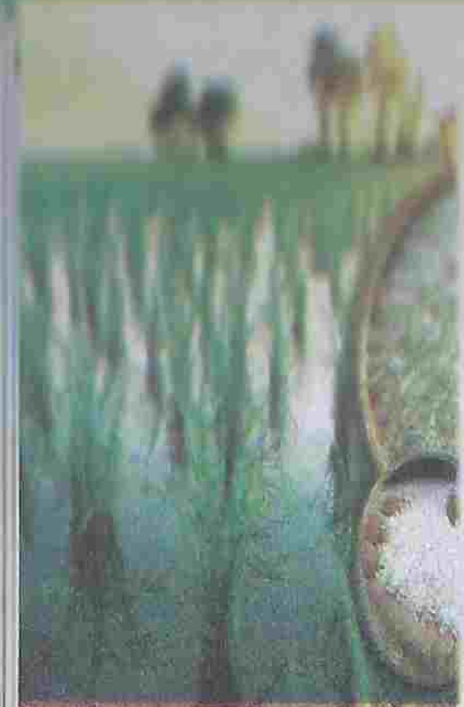

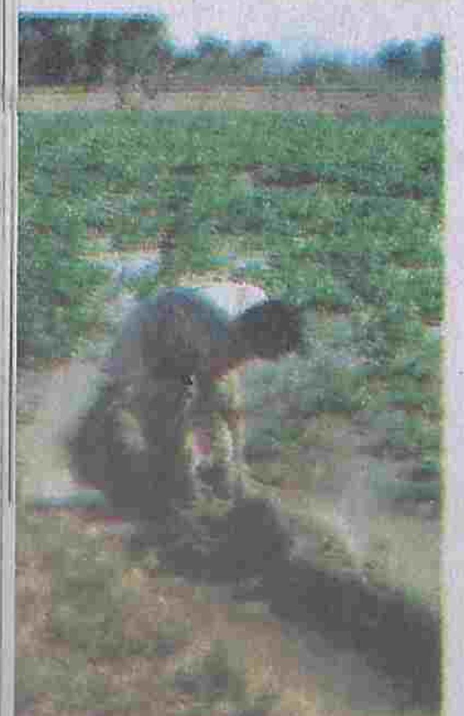

(viii) ان وسائل سے لوگوں کو پیٹ بھر کے غذا اور زندگی کی دیگر آسائشیں ملتی ہیں۔ یہ قومی اداروں کی تشکیل میں مدد دیتے ہیں۔ ان سے قومی اتحاد اور ذاتی کردار مضبوط ہوتا ہے۔ ان وسائل سے ایمانداری، دیانت داری، حق گوئی اور رواداری و برداشت کی اعلیٰ صفات کے فروغ پانے میں مدد ملتی ہے۔ اس کی بظاہر وجہ یہ ہے کہ ترقی یافتہ ممالک کے عوام کو روزگار کے ختم ہونے یا معاشی اور اقتصادی صدمے کا ڈر نہیں ہوتا۔

۲۔ قدرتی وسائل:

قدرتی وسائل سے بھرپور پاکستان ایک عطیہ خداوندی ہے۔ یہ قدرتی وسائل حسب ذیل ہیں:

(الف) زمینی مٹی (Soil):

زمین کی وہ بالائی سطح جہاں مختلف قسم کا باریک چٹانی مواد موجود ہے اور جس میں پودے نشوونما پاتے ہیں زمینی مٹی کہلاتی ہے۔ عام طور سے زمینی مٹی نمک، گاد اور چکنی مٹی سے مل کر بنتی ہے۔ پاکستان کے ہر حصے کی مٹی میں کسی قدر اختلاف پایا جاتا ہے۔ عام طور سے پاکستان میں زمینی مٹی سرخ، سفید اور سیاہ رنگ کی ہوتی ہے۔ مٹی کا رنگ اُس میں شامل ذرات کی وجہ سے ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر مٹی میں لوہے کے ذرات کی موجودگی سے اس کا رنگ سرخ ہوتا ہے۔ زمینی مٹی کی تین تہیں ہوتی ہیں۔ بالائی سطح نباتات اور پودوں کی نشوونما میں مدد دیتی ہے۔ ایسی مٹی جو چٹانوں کے کٹاؤ اور موسمی تبدیلیوں کے عمل کی وجہ سے وجود میں آتی ہے، ''مقامی مٹی'' کہلاتی ہے۔ پاکستان کے مختلف حصوں میں مختلف قسم کی مٹی پائی جاتی ہے۔ پاکستان کے مختلف علاقوں میں پائی جانے والی مٹی کی حسب ذیل اقسام ہیں:

(i) دریائے سندھ کی میدانی مٹی:

دریائے سندھ کے ساتھ بہ کر آنے والی مٹی اور کیچڑ کے جمع ہونے سے دریائی مواد کی میدانی مٹی بنتی ہے۔ اس کو عام طور پر دریائے سندھ کی میدانی مٹی کہتے ہیں۔ یہاں کی مٹی کو مزید تین بڑے گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلا گروہ بانگر مٹی کہلاتا ہے۔ آبپاشی اور کھادوں کے تحت اس علاقے کی پیداوار بہت اچھی ہے۔ یہ مٹی دریائے سندھ کے میدان کے بہت بڑے حصے پر پھیلی ہوئی ہے، جس میں پنجاب کا بیشتر علاقہ، پشاور، مردان، بنوں اور سندھ کے میدان کا بیشتر علاقہ شامل ہے۔ دوسرا گروہ کھادر مٹی کہلاتا ہے اور یہ زیادہ تر دریاؤں کی موجودہ گزرگاہوں کے قریب پائی جاتی ہے۔ یہ مٹی گاد اور کیچڑ کی سیلابی تہوں، لوم (چکنی مٹی ملے ہوئے ذرات کی مٹ یا صلصال) اور گاد دار چکنی مٹی سے مل کر بنتی ہے۔ اس طرح کی زمینی مٹی عام طور سے مردان اور بہاولپور میں پائی جاتی ہے۔ اگر کثیر مقدار میں پانی دستیاب ہو تو یہ مٹی زراعت کے لیے بہت نفع بخش ہوتی ہے۔ تیسرا گروہ سندھ کی ڈیلٹائی مٹی کہلاتا ہے۔ اس میں حیدرآباد کے جنوب میں بحیرۂ عرب کے ساحل

تک دریائے سندھ کا تمام ڈیلٹائی علاقہ شامل ہے۔ سمندر کا حصہ بننے سے قبل دریائے سندھ یہاں پر کئی شاخوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ اس علاقے کے تقریباً ایک تہائی حصے میں چکنی مٹی بچھی ہوئی ہے جو پانی کی سیلابی حالت اور کیفیت میں نشو ونما پاتی ہے۔ اس مٹی میں آبپاشی کے ذریعے زیادہ تر چاول کی کاشت ہوتی ہے۔

(ii) پہاڑی مٹی:

شمال اور شمال مغربی پہاڑوں کی مٹی کا رنگ بھورا ہے۔ یہ مٹی رسوبی اور منتقلی دونوں ہے جس کا انحصار خشک (بنجر) اور نیم خشک (نیم بنجر) حالات پر ہے۔ پہاڑی وادیوں میں ندیوں کی لائی ہوئی مٹی اور گاد بچھانے سے یہ مٹی بنتی ہے۔ ان مٹیوں میں کلس (چونا) والی گاہ اور کیچڑ (صلصال) اور نامیاتی اجزا والی ریتیلی گاد شامل ہیں۔ سطح مرتفع پوٹھوہار کے دامنِ کوہ کے علاقے کی مٹی میں چونے کے اجزا زیادہ ہیں۔ پانی کی زیادتی سے اس مٹی کی زرخیزی اور پیداوار میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ بین پہاڑی وادیوں کے زیریں علاقے اور اندرونی طاس (میدان) بنجر یا نیم بنجر خطے ہیں۔ ان علاقوں کی مٹی نمکین ہے۔ مٹی کا رنگ سرخ ہے۔ اس مٹی کا زیادہ حصہ غیر آباد اور بنجر ہے۔

(iii) صحرائی مٹی:

مٹی کی یہ قسم پاکستان میں صوبہ بلوچستان کے کچھ مغربی علاقے، چولستان اور تھر کے صحرائی علاقے میں پائی جاتی ہے۔ یہ مٹی زرد رنگ کی ہوتی ہے۔ اس مٹی میں فاسفیٹ، لوہا، چونا اور پوٹاش وغیرہ شامل ہیں جو زمین کی زرخیزی کے لیے انتہائی ضروری ہیں۔ تھر پارکر اور نارا کے ریگستان کے مٹی کا رنگ زردی مائل ہے۔

(ب) جنگلات:

جنگلات کسی بھی ملک کی معیشت کا لازمی جزو ہیں۔ ملک کی متوازن معیشت کے لیے ضروری ہے کہ اُس کے 25 فیصد رقبے پر جنگلات ہوں۔ جنگلات قدرتی وسائل کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔ پاکستان میں صرف 4.5 فیصد رقبے پر جنگلات پھیلے ہوئے ہیں۔ پاکستان میں جنگلات کی صوبائی تقسیم کچھ اس طرح ہے کہ پنجاب کے رقبے کا 2.7 فیصد، سندھ میں 4.24 فیصد، خیبر پختونخوا میں 15.6 فیصد جبکہ بلوچستان کے رقبے کا 2.1 فیصد جنگلات پر مشتمل ہے۔ پاکستان کی آب و ہوا جنگلات کے پھیلاؤ اور نشو ونما کے لحاظ سے کچھ زیادہ خشک ہے سوائے شمالی پہاڑی علاقے اور دامنِ کوہ پہاڑیوں کے جہاں بارش کا اوسط کافی زیادہ ہے اور پہاڑی ڈھلانیں ہیں۔ پاکستان میں جنگلات کا رقبہ اس لیے بھی کم ہو رہا ہے کہ یہاں پر جنگلات کو بے رحمانہ طریقے سے کاٹا جا رہا ہے۔ مکانات کی تعمیر کے لیے جنگلات کی زمین کو استعمال کیا جا رہا ہے اور پھر ہر سال دریا بھی کٹاؤ کا کام کر رہے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ جنگلات کے اُگانے کے لیے مزید زمین مختص کی جائے اور درختوں کی غیر ضروری کٹائی کو بند کیا جائے۔

پاکستان میں آب و ہوا کی نوعیت اور علاقوں کے لحاظ سے جنگلات کو مندرجہ ذیل چھ اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے

(i) پہاڑی جنگلات:

یہ جنگلات شمال اور شمال مغربی پہاڑی علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔ اِن علاقوں میں سوات، دیر، چترال، ایبٹ آباد، مری اور مانسہرہ شامل ہیں۔ یہاں سدا بہار، صنوبر و سرو کے ملائم نرم لکڑی کے جنگلات پائے جاتے ہیں۔ کیوں کہ ان علاقوں میں بارشوں کا سالانہ اوسط 100 سینٹی میٹر سے زیادہ ہوتا ہے۔ سرو کے مخروطی درختوں میں صنوبر (Fir) دیودار، کیل (Bluepine) اور سفیدے (Spruce) کے درخت زیادہ اہم اور نمایاں ہیں۔ یہ جنگلات عموماً سطح سمندر سے 1000 تا 4000 میٹر کی بلندی پر نشو ونما پاتے ہیں۔ ایک ہزار میٹر سے نیچے ڈھلانوں پر چوڑے پتے والے درخت ہوتے ہیں۔ ان میں شاہ بلوط (Oak)، افرایا میپل (Maple)، سندر (Birch)، اخروٹ (Walnut)، کستانہ (Chestnut)، شہتوت (Mulberry)، سیب اور دوسرے پھلوں کے درخت شامل ہیں۔ یہ درخت عمارتی لکڑی اور پھلوں کا بہت اچھا ذریعہ ہیں۔

(ii) دامنِ کوہ کے جنگلات:

جنگلات کی دوسری قسم دامن کوہ کے جنگلات ہیں۔ یہ جنگلات سطح سمندر سے ایک ہزار میٹر کی بلندی تک پائے جاتے ہیں۔ یہ کوہاٹ، مردان، راولپنڈی، اٹک، گجرات اور جہلم کے اضلاع میں پائے جاتے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ معروف درختوں میں پھلاہی، کاہو، جنڈ، شیشم اور ببر کے درخت شامل ہیں۔ ان درختوں کی لکڑی سخت ہوتی ہے جو جلانے اور تعمیراتی کاموں میں استعمال ہوتی ہے۔

(iii) مغربی خشک کوہستانی جنگلات:

جنگلات کی تیسری قسم مغربی کوہستانی جنگلات ہے۔ چلغوزہ، صنوبر اور ماجو (Juniper) کے درخت بلند ارتفاع پر ملتے ہیں۔ دیگر علاقوں یعنی کوئٹہ، قلات، ژوب اور زیارت میں چھوٹے قد کے درخت اور کانٹے دار جھاڑیاں اُگتی ہیں۔

(iv) دریائی جنگلات:

جنگلات کی چوتھی قسم دریائی جنگلات ہیں۔ یہ جنگلات عموماً دریاؤں کے ساتھ ساتھ پھلتے پھولتے ہیں۔ شیشم، ببول اور شہتوت کے درخت ان جنگلات میں پائے جاتے ہیں۔ یہ جنگلات سندھ اور پنجاب کے نہری علاقوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔

(v) نہری یا آبپاشی کے جنگلات:

جنگلات کی پانچویں قسم نہری جنگلات ہیں۔ یہ جنگلات اُن علاقوں میں لگائے گئے ہیں جہاں نہری پانی بکثرت ملتا ہے۔ یہ علاقے چھانگا مانگا، چیچہ وطنی، خانیوال، تھل، شورکوٹ، بہاولپور، سکھر، تونسہ اور گڈو شامل ہیں۔ ان جنگلات کے سب سے زیادہ مقبول درخت شیشم، شہتوت اور یوکلپٹس ہیں۔

(vi) ساحلی جنگلات:

جنگلات کی چھٹی اور آخری قسم ساحلی جنگلات ہیں۔ ساحلی علاقہ کراچی سے کچھ (مکران) تک واقع ہے۔ یہاں تمر کے درخت پائے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ ساحلی علاقوں کے نمکین پانی پر ناریل کے درخت اور گھاس بھی اُگتی ہے۔

جنگلات کے فوائد اور اہمیت:

جنگلات کے مندرجہ ذیل فوائد ہیں:

(i) جنگلات کسی بھی ملک کے اہم وسائل میں سے ایک ہیں۔ اور یہ وہ اُس ملک کی لکڑی، عمارتی لکڑی اور جڑی بوٹیوں کی ضروریات پوری کرتے ہیں۔

(ii) جنگلات سیم و تھور کو کم کرنے اور زمین کی زرخیزی قائم رکھنے میں مدد کرتے ہیں۔

(iii) جنگلات درجہ حرارت کو اعتدال پر رکھتے ہیں اور اطراف کے موسم کو خاص طور پر خوشگوار بناتے ہیں۔

(iv) جنگلات سے حاصل شدہ جڑی بوٹیاں ادویات میں استعمال ہوتی ہیں۔

(v) جنگلات جنگلی حیات کا ذریعہ اور سبب ہیں۔ بے شمار جنگلی جانور یعنی شیر، چیتا (Leopard) اور ہرن وغیرہ جنگلات میں پائے جاتے ہیں۔

(vi) جنگلات جلائی جانے والی لکڑی کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔

(vii) جنگلات زمین کے حسن و دلفریبی میں اضافہ کرتے ہیں۔

(viii) جنگلات بہت سے وسائل کا ذریعہ اور ماخذ ہیں۔ مثلاً جنگلات سے حاصل کردہ لکڑی فرنیچر، کاغذ، ماچس کی تیلیاں اور کھیلوں کا سامان تیار کرنے میں استعمال ہوتی ہیں۔

(ix) جنگلات انسانوں اور قدرتی نباتات کو تیز رفتار آندھیوں اور طوفانوں کی تباہی اور بربادی سے محفوظ رکھتے ہیں۔

(x) جنگلات پہاڑوں پر جمی ہوئی برف کو تیزی سے پگھلنے سے روکتے ہیں اور زمین کے کٹاؤ پر بھی قابو رکھتے ہیں۔

(xi) جنگلات فضا میں کاربن ڈائی آکسائیڈ کی زائد مقدار کو بڑھنے نہیں دیتے کیوں کہ انھیں خود اس گیس کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور یہ آکسیجن خارج کرتے ہیں جو انسانی زندگی کے لیے لازمی ہے۔

(xii) جنگلات قدرتی چراگاہ ہیں۔ بھیڑ، بکری اور اونٹ جیسے حیوانات اپنی غذا ان ہی جنگلات سے حاصل کرتے ہیں۔

(xiii) جنگلات تفریحی مقامات کے کام آتے ہیں اور لوگ ان کے خوبصورت اور حسین مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

(xiv) جنگلات مختلف اقسام کے جانوروں اور پرندوں کی افزائش اور نشوونما کا ذریعہ بنتے ہیں۔

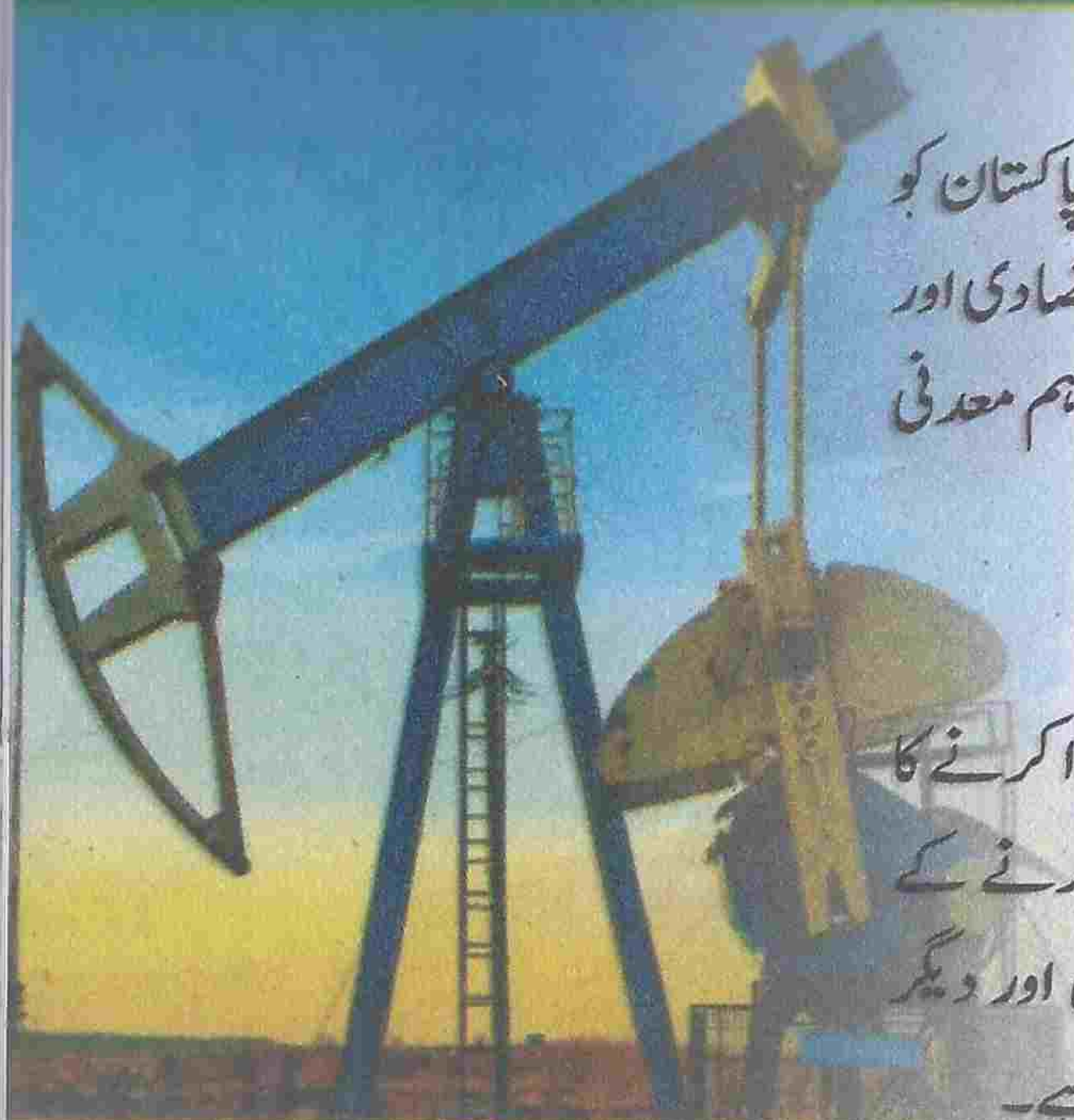

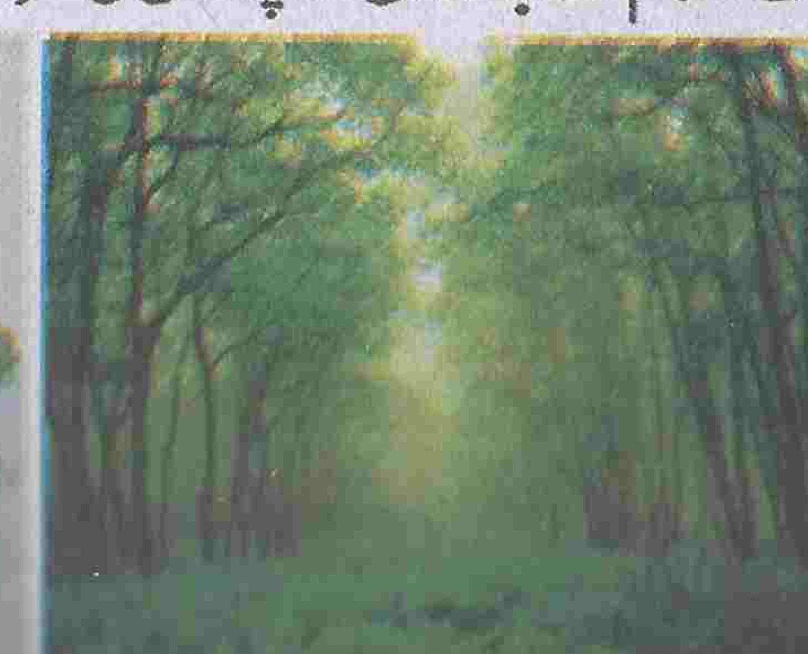

(ج) معدنیات:

معدنیات قدرتی دولت ہیں جو زیرِ زمین دفن ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو بھرپور معدنی وسائل کی دولت سے نوازا ہے۔ یہ معدنی وسائل تیز رفتار اقتصادی اور صنعتی ترقی کے فروغ میں بہت اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ پاکستان کے اہم معدنی وسائل درج ذیل ہیں۔

(i) معدنی تیل:

دورِ جدید میں معدنی تیل ایک اہم قیمتی سرمایہ ہے۔ یہ توانائی پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ معدنی تیل خام حالت میں پایا جاتا ہے جس کو تیل صاف کرنے کے کارخانوں (آئل ریفائنری) میں صاف کیا جاتا ہے اور اس سے پیٹرول اور دیگر مصنوعات یعنی مٹی کا تیل، ڈیزل، پلاسٹک اور موم بتی وغیرہ حاصل کی جاتی ہے۔

پاکستان میں ملکی ضروریات کا صرف 15 فیصد تیل پیدا ہوتا ہے۔ بقیہ 85 فیصد حصہ دوسرے ممالک سے درآمد کر کے ملکی ضروریات کو پورا کیا جاتا ہے۔

پاکستان میں تیل کے ذخائر سطح مرتفع پوٹھوہار، کھوڑ، ڈھلیاں، کوٹ میال، ضلع اٹک میں سارنگ، ضلع چکوال میں بالکسر، ضلع جہلم میں جویامیر اور ڈیرہ غازی خان میں ڈھوڈک اور سندھ میں بدین، حیدرآباد، دادو، جام شورو، ٹنڈو محمد خان، ٹنڈو الہیار، مٹیاری، خیرپور، کشمور گھوٹکی اور سانگھڑ کے علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔

تیل اور گیس کی تلاش کے لیے ملک میں تیل اور گیس کا ترقیاتی کارپوریشن (OGDC) بنائی گئی ہے۔ یہ ادارہ تیل کے مزید ذخائر تلاش کرنے میں کوشاں ہے۔

(ii) قدرتی گیس:

صنعتوں کو رواں رکھنے کے لیے قدرتی گیس مطلوب ہوتی ہے۔ اس کو گاڑیوں میں اور گھریلو کاموں (امورِ خانہ داری) کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کا استعمال بہت عام ہو گیا ہے۔ کیوں کہ یہ پیٹرول کے مقابلے میں بہت سستی ہے۔ ملک کی توانائی کی ضروریات کا تقریباً 35 فیصد قدرتی گیس سے پورا ہوتا ہے۔ پاکستان میں گیس کے وسیع ذخائر ہیں۔ پاکستان میں قدرتی گیس سب سے پہلے 1952ء میں بلوچستان میں ڈیرہ بگٹی کے قریب سوئی کے مقام پر دریافت ہوئی تھی۔ اُس کے بعد یہ گیس سندھ اور پوٹھوہار میں مزید تیرہ مقامات پر دریافت کی گئی۔ گیس کے ذخائر کے سب سے اہم مقامات میں بلوچستان میں سوئی، اُچ اور زن، سندھ میں خیرپور، مزرانی، سیری، ہنڈی اور کندھ کوٹ اور پنجاب میں ڈھوڈک، پیرکوہ، ڈھلیان اور میال شامل ہیں۔ اس وقت قدرتی گیس پائپ لائنوں کے ذریعے ملک کے مختلف علاقوں تک پہنچائی گئی ہے۔ یہ گیس سیمنٹ، مصنوعی کھاد اور عمومی صنعتوں میں استعمال ہوتی ہے۔ اس کو حرارت کے ذریعے بجلی یا تھرمل بجلی پیدا کرنے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

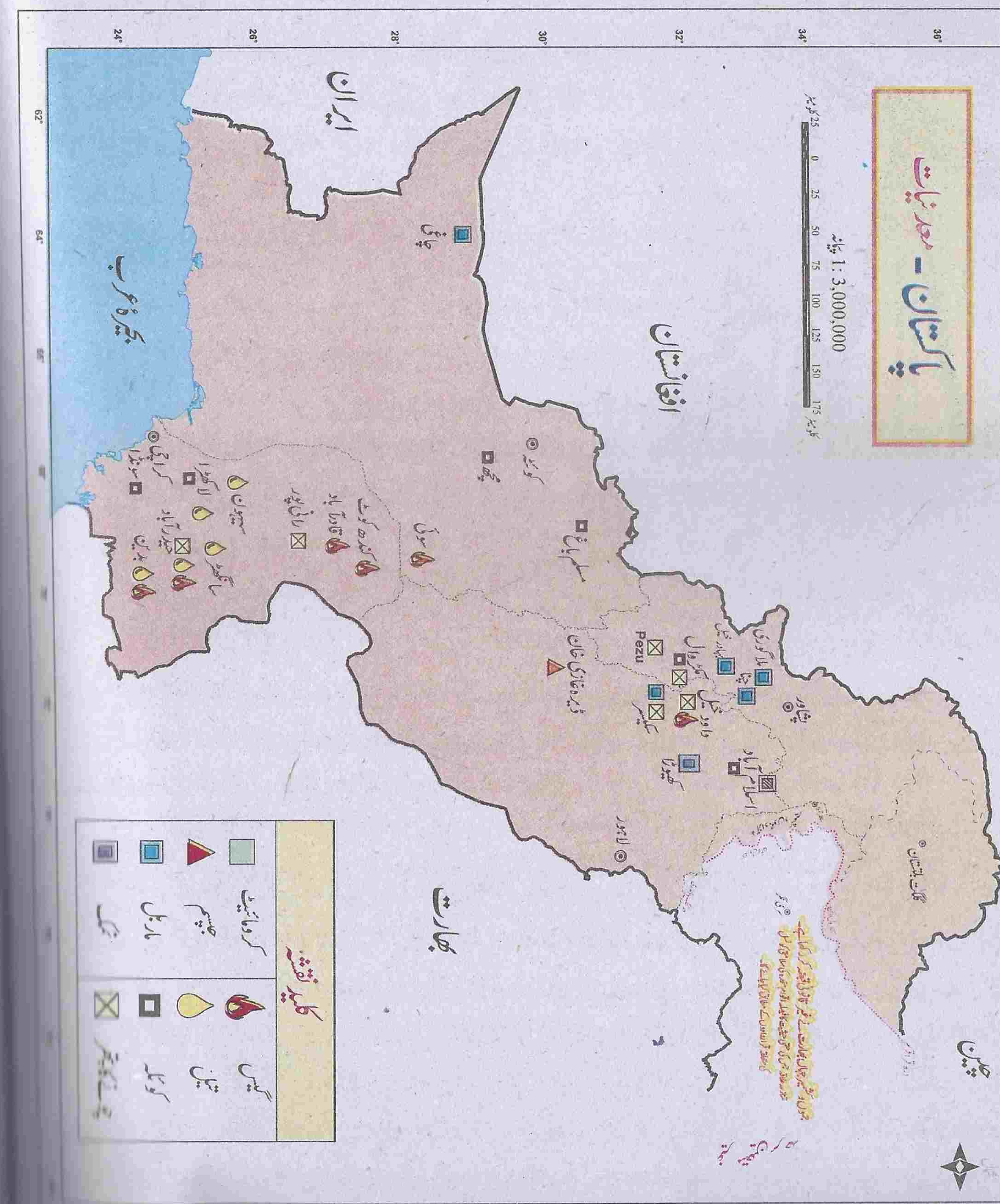

(iii) کوئلہ:

پاکستان میں کوئلہ بہت سے مقامات پر دریافت ہوا ہے۔ لیکن یہ کوئلہ بہت اچھی قسم کا نہیں ہے اور نہ ہی اس سے ملک کی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ پاکستان میں ملک کی ضرورت صرف اور صرف گیارہ فیصد کوئلہ نکلتا ہے۔ پنجاب میں ڈنڈوت، مکڑوال، پڈھ سے کوئلہ ملتا ہے۔ بلوچستان میں شارگ، خوست، ہرنائی، سار، ڈیگاری، شیریں اور مچھ میں کوئلہ دستیاب ہے۔ سندھ میں کوئلے کی کانیں ضلع ٹھٹھہ میں جھمپیر اور ضلع جامشورو میں لاکھڑا میں ہیں۔ حال ہی میں ضلع تھرپارکر (سندھ) میں بہت کثیر مقدار میں کوئلہ دستیاب ہوا ہے۔ صوبہ خیبر پختونخوا میں گلاخیل سے بھی کوئلہ نکلتا ہے۔

(iv) خام لوہا:

یہ انتہائی اہم معدن ہے جو لوہا، فولاد، مشینری اور مختلف قسم کے اوزار بنانے کے کام آتی ہے۔ کالاباغ کے علاقے میں خام لوہے یا لوہے کی معدن کے سب سے بڑے ذخائر پائے جاتے ہیں۔ دوسرے ذخائر صوبہ خیبر پختونخوا میں ایبٹ آباد سے 32 کلومیٹر جنوب میں لنگڑیال اور چترال میں دستیاب ہوئے ہیں۔ بلوچستان میں خام لوہا (لوہے کی معدن) خضدار، چل غازی اور مسلم باغ میں پایا جاتا ہے۔ پاکستان میں پایا جانے والا لوہا بہت معیاری اور عمدہ نہیں ہے اور یہ ملک کی صرف 16 فیصد ضروریات کو پورا کرتا ہے۔ پاکستان اسٹیل ملز میں درآمد شدہ خام لوہا استعمال ہوتا ہے۔

(v) کرومائیٹ:

یہ ایک سفید رنگ کی دھات ہے جو فولاد سازی، طیارہ سازی، رنگ سازی اور تصویر کشی (فوٹوگرافی) کے لوازمات بنانے کے کام آتی ہے۔ دنیا میں کرومائیٹ کے سب سے بڑے ذخائر پاکستان میں ہیں۔ اس کا زیادہ حصہ برآمد کر کے زرِمبادلہ کمایا جاتا ہے۔ اس کے ذخائر بلوچستان میں مسلم باغ، چاغی اور خاران میں اور صوبہ خیبر پختونخوا اور آزاد قبائلی علاقوں میں مالاکنڈ، مہمند ایجنسی اور شمالی وزیرستان میں پائے جاتے ہیں۔

(vi) تانبا:

تانبا برقی آلات سازی میں استعمال ہوتا ہے۔ برقی تار بھی تانبے سے بنایا جاتا ہے۔ بلوچستان میں ضلع چاغی میں سینڈک کے مقام پر تانبے کے وسیع ذخائر پائے جاتے ہیں۔

(vii) جپسم:

جپسم سفید رنگ کا ایک چمکیلا پتھر ہے۔ یہ سیمنٹ، کیمیائی کھاد، پلاسٹر آف پیرس اور رنگ کاٹ پاؤڈر کی صنعت میں استعمال ہوتا ہے۔ جپسم جن علاقوں سے حاصل ہوتا ہے ان میں پنجاب کے اضلاع جہلم، میانوالی اور ڈیرہ غازی خان، خیبر پختونخوا میں کوہاٹ، سندھ میں روہڑی اور بلوچستان میں کوئٹہ، سبی اور لورالائی شامل ہیں۔

(viii) نمک:

دنیا میں معدنی نمک کے سب سے بڑے اور وسیع ذخائر پاکستان میں پائے جاتے ہیں۔ کوہستان نمک، سطح مرتفع پوٹھوہار کے جنوب میں واقع ہے۔ یہ نمک بہت عمدہ اور معیاری ہے۔ نمک کی سب سے بڑی کان کھیوڑہ (ضلع جہلم) میں ہے۔ واڑچھا (ضلع خوشاب)، کالاباغ (ضلع میانوالی) اور بہادر خیل (ضلع کرک) سے بھی نمک حاصل ہوتا ہے۔ کراچی کے قریب ماڑی پور اور ساحل مکران کے علاقے میں سمندر کے پانی سے نمک حاصل کیا جاتا ہے۔

(ix) چونے کا پتھر:

چونے کا پتھر زیادہ تر سیمنٹ سازی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ جب اس کو جلایا جاتا ہے تو اس سے چونا حاصل ہوتا ہے جو گھروں میں سفیدی کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس کو شیشہ، صابن، کاغذ اور رنگ کی صنعتوں میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ چونے کے پتھر کے وسیع ذخائر ڈنڈوت (ضلع جہلم)، زندہ پیر (ڈیرہ غازی خان)، حیدرآباد کے قریب مغل کوٹ اور گنجو ٹکر، منگھو پیر، کوٹ ڈیجی اور رانی پور (سندھ) میں پائے جاتے ہیں۔

(x) سنگِ مرمر:

پاکستان میں مختلف اقسام اور مختلف رنگوں کا سنگِ مرمر بکثرت پایا جاتا ہے۔ یہ چاغی، مردان، سوات کے اضلاع اور خیبر ایجنسی میں ملتا ہے۔ اپنی نزاکت و نفاست و رنگ و نور و حسن کی بنیاد پر پاکستان کا سنگِ مرمر دنیا میں سب سے زیادہ عمدہ اور معیاری سمجھا جاتا ہے۔ سیاہ و سفید سنگِ مرمر ضلع اٹک میں کالا چٹا کی پہاڑیوں سے نکلتا ہے۔ سنگِ مرمر کی ساختہ اشیاء کی برآمد سے پاکستان کی سنگِ مرمر کی صنعت ملک کے لیے کثیر زرِ مبادلہ کما رہی ہے۔

3۔ زراعت:

زمانہ قدیم سے دریائے سندھ کے بالائی اور زیریں میدانی علاقے اپنی زرخیزی کی بدولت انسانی تہذیب و تمدن و ثقافت کے مراکز رہے ہیں۔ ان علاقوں میں مختلف اقسام کی فصلیں، پھل اور سبزیاں اُگتی ہیں۔ زرعی شعبہ ملکی ضروریات کا تقریباً 30 فیصد خام مال مہیا کرتا ہے اور آبادی کے 55 فیصد کو روزگار مہیا کرنے کا ذریعہ ہے۔ زرعی برآمدات سے ملک کو 70 فیصد آمدنی ہوتی ہے۔ گندم، چاول اور کپاس کی پیداوار میں پاکستان خود کفیل ہے۔

(الف) زرعی نظام:

پاکستان میں سال میں دو مرتبہ بڑی فصلیں بوئی جاتی ہیں۔ اکتوبر اور نومبر میں بوئی جانے والی فصل کو ربیع کی فصل

کہا جاتا ہے۔ اس کی کٹائی اپریل اور مئی میں ہوتی ہے۔ ربیع کی فصلوں میں گندم، جو، چنا اور تیل کے بیج اور تمباکو شامل ہیں۔ دوسری فصل خریف ہے جو مئی اور جون کے مہینوں میں بوئی جاتی ہے اور اکتوبر، نومبر میں اس کی کٹائی ہوتی ہے۔ خریف کی فصلوں میں چاول، مکئی، کپاس، گنا، جوار اور باجرا قابلِ ذکر ہیں۔

زراعت کو ہمارے اقتصادی نظام میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ پاکستان کا اقتصادی نظام زراعت سے وابستہ ہے۔ ہماری اقتصادی پالیسی اور منصوبہ بندی کا ایک اہم مقصد ملک کو خوراک اور دیگر زرعی اجناس میں خود کفیل بنانا ہے۔ اِسی لیے ہماری تمام کوششیں خوراک میں خود کفالت حاصل کرنے پر مرکوز ہیں۔ اس سے ہمیں اُس زرِمبادلہ کو بچانے میں مدد ملے گی جو غذائی اجناس اور تیل کے بیج درآمد کرنے پر خرچ کرنا پڑتا ہے۔

پاکستان میں جاگیر دارانہ اور زمین دارانہ نظام رائج ہے۔ زرعی شعبے پر بڑے بڑے جاگیر داروں اور زمینداروں کی اجارہ داری ہے جن کے پاس بڑی بڑی زرعی اراضی اور جاگیریں ہیں۔ ان پر مزارع اور ہاری کاشت کرتے ہیں۔ زرعی نظام کی خامیوں کو دور کرنے کے لیے کئی مرتبہ زرعی اصلاحات نافذ کی گئی ہیں۔ ان اصلاحات کے ذریعے زمینداروں سے لاکھوں ایکڑ اراضی حاصل کر کے مزارعوں میں تقسیم کی گئی تاکہ وہ اس اراضی کے استعمال میں وسعت لاسکیں۔ زمینداروں اور مزارعین کے باہمی تعلقات بہتر بنانے کی کوششیں کی گئیں تاکہ دونوں طرفین کے حقوق کا تحفظ ہو سکے۔ مشینی کھیتی باڑی اور کاشت کی حوصلہ افزائی کے لیے اراضی کے چھوٹے چھوٹے بکھرے ہوئے ٹکڑوں کو یکجا کر دیا گیا۔ کاشتکاروں کو قرضے مہیا کیے گئے تاکہ وہ جدید آلات، مصنوعی کھاد، بیج اور جراثیم کش اور کرم کش ادویات خرید سکیں۔

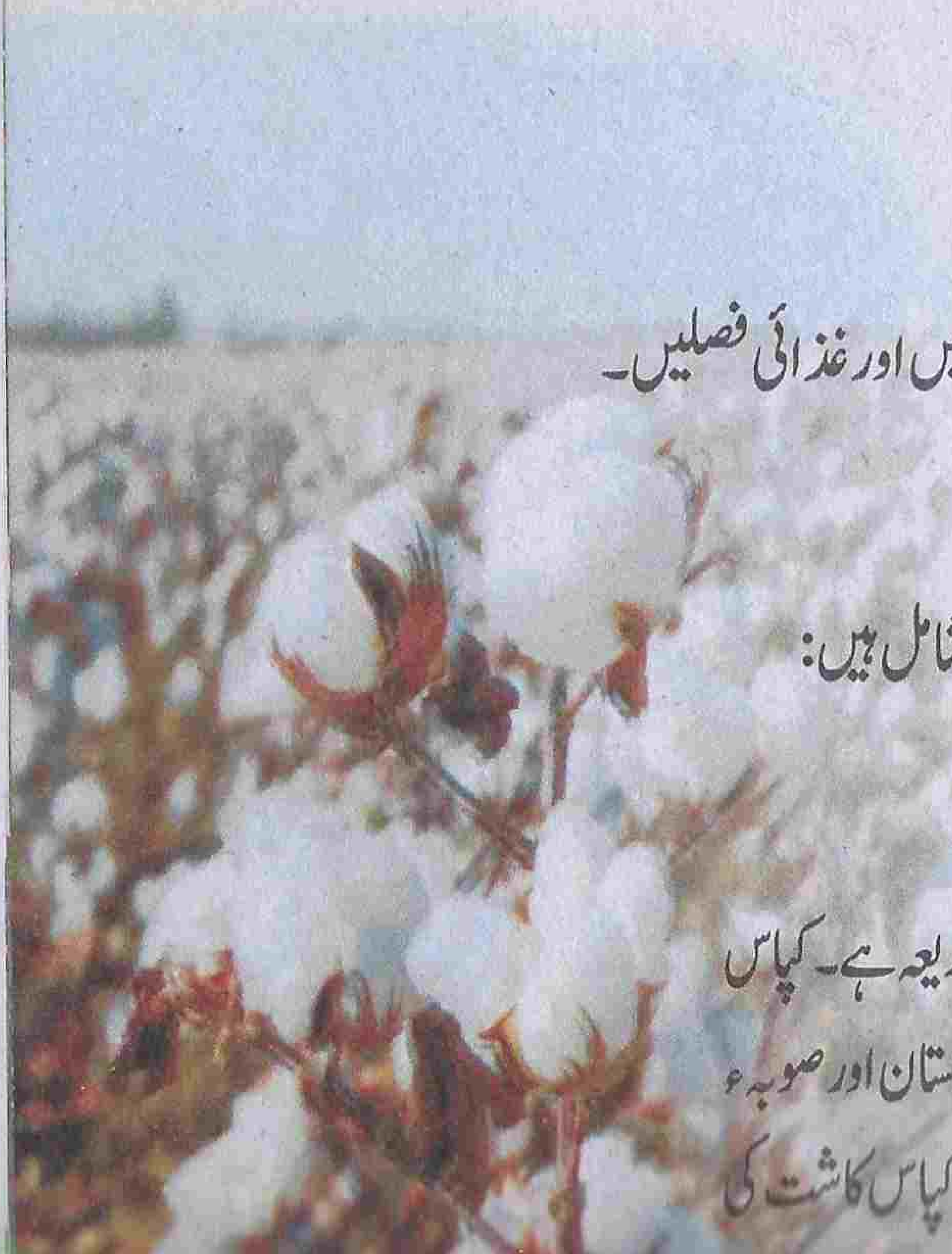

زرعی پیداوار:

ربیع اور خریف کی فصلوں کو مزید دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ یعنی نقد آور فصلیں اور غذائی فصلیں۔

ا۔ نقد آور فصلیں:

یہ فصلیں زرِمبادلہ کمانے کا خاص اور اہم ذریعہ ہیں۔ ان میں مندرجہ ذیل فصلیں شامل ہیں:

کپاس:

کپاس پاکستان کی سب سے اہم نقد آور فصل ہے اور ملک کی معیشت کو بہتر اور مضبوط بنانے کا ذریعہ ہے۔ کپاس کو پاکستان کا نقدی ریشہ بھی کہتے ہیں۔ کپاس زیادہ تر صوبہ پنجاب اور سندھ میں کاشت کی جاتی ہے۔ بلوچستان اور صوبہ خیبر پختونخوا میں صرف چند مقامات پر محدود پیمانے پر کپاس کاشت ہوتی ہے۔ پاکستان میں دو قسم کی کپاس کاشت کی

جاتی ہے۔ ایک دیسی کپاس اور دوسری امریکن کپاس۔ امریکی کپاس کا ریشہ لمبا ہوتا ہے اسی لیے اس کی کاشت پر زیادہ توجہ دی جا رہی ہے۔ کیونکہ کپاس وافر مقدار میں ملتی ہے۔ اس لیے ملک میں کپڑے کے کئی کارخانے لگائے گئے ہیں۔ کپڑے کے یہ کارخانے بہت ہی نفیس سوتی کپڑا، سوتی دھاگہ اور ریشہ اور دیگر سوتی اشیاء تیار کرتے ہیں۔

گنا:

گنا بھی ایک بہت اہم نقد آور فصل ہے جو پاکستان کے چاروں صوبوں میں بویا جاتا ہے لیکن اس کی پیداوار کے خاص صوبے پنجاب، سندھ اور خیبر پختونخوا ہیں۔ گنا شکر سازی کا سب سے اہم ذریعہ ہیں۔ اس کی باقیات سے کاغذ تیار کیا جاتا ہے۔

تمباکو:

تمباکو بھی پاکستان کی ایک اور نقد آور فصل ہے۔ تمباکو خاص طور سے صوبہ خیبر پختونخوا میں پشاور اور مردان کے اضلاع میں پیدا ہوتا ہے۔ اس کو سگریٹ سازی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کو سگار میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ ملک میں سگریٹ سازی کی کئی فیکٹریاں کام کر رہی ہیں۔ تمباکو اور اُس کی مصنوعات دوسرے ممالک کو بھی برآمد کی جاتی ہیں۔

تیل کے بیج:

پاکستان میں مختلف اقسام کے تیل کے بیج پیدا ہوتے ہیں۔ کپاس کی ضمنی پیداوار بنولا سب سے اہم بیج ہے۔ دیگر تیل کے بیجوں میں تل (توریا)، سرسوں، مونگ پھلی، سم سم، السی اور سورج مکھی شامل ہیں لیکن تیل کے بیجوں کی پیداوار ملکی ضروریات کا مقابلہ نہیں کر پاتی ہے، اس لیے تیل کے بیج غیر ممالک سے درآمد کیے جاتے ہیں۔

ii- غذائی فصلیں:

یہ وہ فصلیں ہیں جو عوام کو غذا فراہم کرنے کا ذریعہ ہے۔ یہ غذائی فصلیں مندرجہ ذیل ہیں۔

گندم:

گندم پاکستان کی بنیادی غذائی جنس ہے۔ اسی سے آٹا حاصل کیا جاتا ہے۔ روٹی اور دیگر غذائی اشیاء آٹے سے تیار ہوتی ہیں۔ گندم کی پیداوار کا تین چوتھائی حصہ صوبہ پنجاب سے حاصل ہوتا ہے۔ پنجاب کے بعد صوبہ سندھ گندم بکثرت پیدا کرتا ہے۔ بلوچستان اور صوبہ خیبر پختونخوا بھی گیہوں پیدا کرتے ہیں مگر اُن کی پیداوار اس قدر نہیں ہے جتنی پنجاب اور سندھ کی ہے۔ گندم میں پاکستان کی خود کفالت کا انحصار پانی کی فراہمی پر ہے۔ جب قدرت مہربان ہوتی ہے تو ضرورت سے زیادہ گندم پیدا کر لیتے ہیں۔ کبھی کبھار گندم غیر ممالک سے درآمد کی جاتی ہے۔ گندم ہماری روزمرہ کی غذا کا ایک انتہائی اہم جزو ہے۔

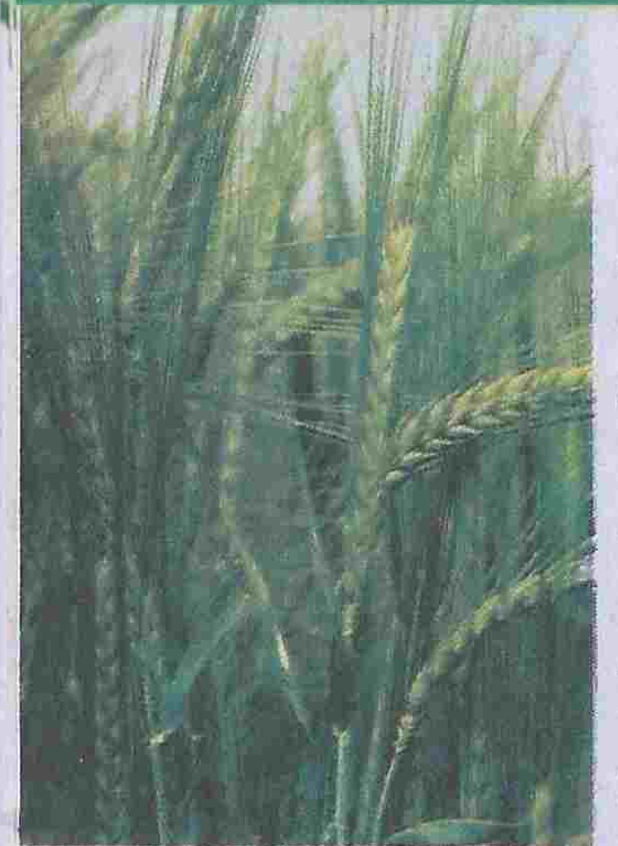

چاول:

گندم کے بعد چاول پاکستان کی دوسری اہم غذائی جنس ہے۔ پاکستان بہت عمدہ چاول کی پیداوار میں نہ صرف خودکفیل ہے بلکہ اس کو دوسرے ممالک میں برآمد کیا جاتا ہے۔ چاول کی کاشت پنجاب اور سندھ کے نہری علاقوں میں ہوتی ہے، کیوں کہ اس کی کاشت کے لیے وافر مقدار میں پانی درکار ہوتا ہے۔ گوجرانوالہ، سیالکوٹ، شیخوپورہ، سرگودھا اور ساہیوال چاول کی پیداوار کے لیے بہت اہم ہیں۔ سندھ میں سکھر، شکارپور، لاڑکانہ اور دادو چاول کی کاشت کے لیے مشہور ہیں۔ چاول پنجاب اور سندھ کے لوگوں کی غذا کا ایک اہم جزو ہے۔ صوبہ خیبر پختونخوا کے بھی کچھ علاقوں میں چاول کی کاشت ہوتی ہے۔

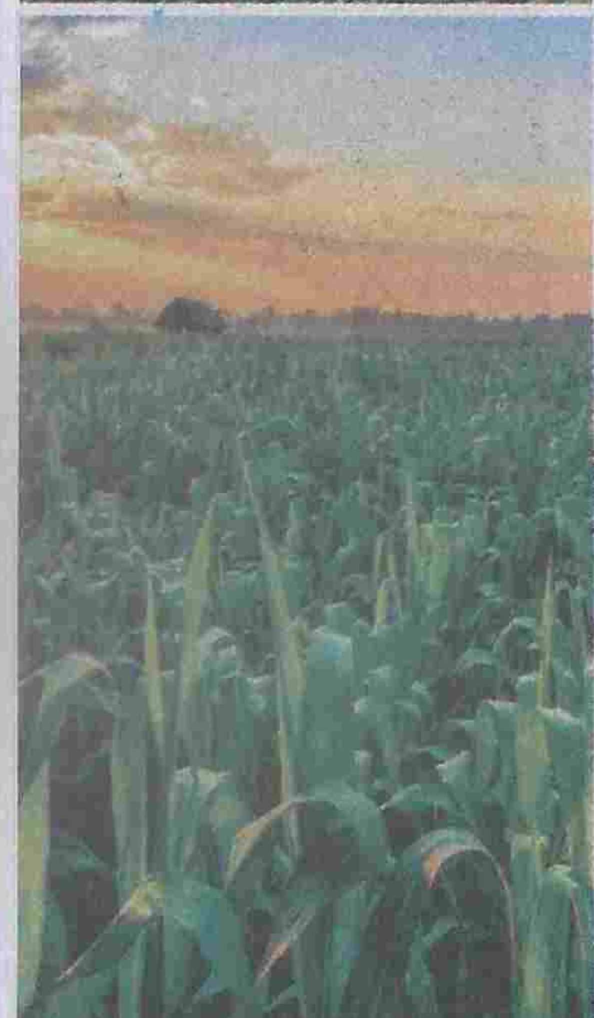

پاکستان میں یوں تو کئی قسم کا چاول ہوتا ہے لیکن ان میں دو قسمیں اہم ہیں۔ یعنی باسمتی چاول اور اری چاول (اری انگریزی لفظ IRI) ہے جو بین الاقوامی تحقیقی ادارہ برائے چاول، منیلا کا مخفف ہے)۔ چاول کی کاشت کے لیے رقبہ کا تقریباً ستر فیصد ان ہی دو قسموں کے لیے مختص ہے۔ پاکستان میں چاول کی پیداوار میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ پاکستان چاول کی پیداوار میں نہ صرف خود کفیل ہے بلکہ باسمتی چاول برآمد بھی کیا جاتا ہے۔

مکئی:

مکئی غذائی فصل ہے لیکن جانوروں کے چارے کے طور پر بھی استعمال ہوتی ہے۔ اس کی سب سے زیادہ کاشت صوبہ خیبر پختونخوا میں ہوتی ہے جہاں مردان، ایبٹ آباد، مانسہرہ، سوات اور پشاور کے اضلاع خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ صوبہ پنجاب میں فیصل آباد اور ساہیوال کے اضلاع مکئی کی کاشت کے لیے مشہور ہیں۔

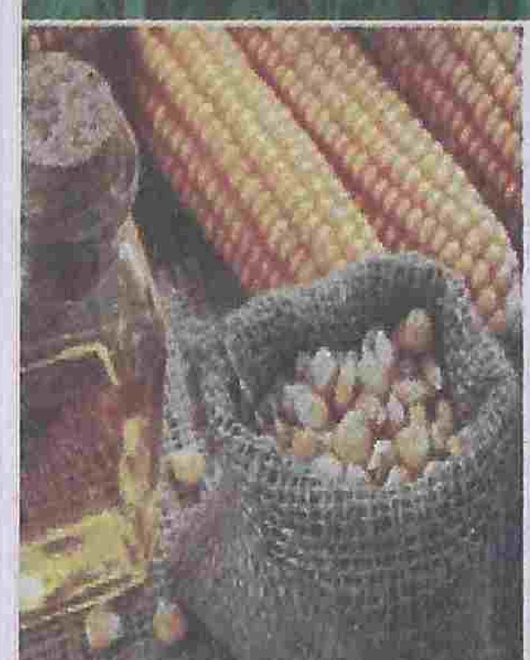

جوار اور باجرا:

غذائی اجناس کے حصول کے لیے جوار اور باجرا کو کاشت کیا جاتا ہے۔ اس سے سبز اور خشک گھاس بھی پیدا ہوتی ہے جو بہت سے جانوروں کے لیے چارے کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔ یہ خریف کی فصلیں ہیں، جن کی کاشت ایسے علاقوں میں بھی ہو سکتی ہے جہاں مٹی زیادہ اچھی نہیں ہے اور خشک سالی کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔ ان کی کاشت پنجاب اور سندھ کے صوبوں تک محدود ہے۔ صوبہ پنجاب میں اٹک، گجرات، سیالکوٹ اور سرگودھا کے اضلاع میں باجرے کی کاشت زیادہ ہوتی ہے۔ سندھ کے اضلاع عمرکوٹ، تھرپارکر اور میرپور خاص باجرے کی پیداوار کے لیے پاکستان میں سرفہرست ہیں۔ جوار کی کاشت کے لیے بھی پنجاب کے شمالی اضلاع یعنی اٹک، راولپنڈی، جہلم اور سرگودھا مشہور ہیں۔ سندھ میں سکھر، خیرپور، نواب شاہ، نوشہرو فیروز، سانگھڑ اور دادو کے اضلاع جوار کی کاشت کے خاص علاقے ہیں۔

دالیں:

ملک میں مختلف قسم کی دالیں بھی کاشت کی جاتی ہیں۔ ان دالوں میں سرفہرست چنا ہے۔ اس کی کاشت کے لیے میانوالی اور سرگودھا کے بارانی علاقے اہم مراکز ہیں۔ صوبہ خیبر پختونخوا میں بنوں اور ڈیرہ اسماعیل خان کے اضلاع میں بڑے پیمانے پر چنے کی کاشت ہوتی ہے۔ دوسری دالیں مثلاً مونگ، مسور اور ماش کی کاشت بھی ملک کے دیگر علاقوں کی نسبت پنجاب میں زیادہ ہے۔

جو (جئی):

جو یا جئی کی کاشت بہت وسیع علاقے میں نہیں ہوتی ہے۔ یہ ملک کے کم زرخیز اور خشک علاقوں میں بویا جاتا ہے۔ عام طور سے غریب لوگ (غریب خاندان) اس کو استعمال کرتے ہیں۔ اس کو جانوروں کے چارے کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

پھل اور سبزیاں:

مختلف سبزیاں مقامی طور اور مقامی ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اُگائی جاتی ہیں۔ یہ پورے ملک میں کاشت کی جاتی ہیں۔ اہم سبزیوں اور ترکاریوں میں آلو، شلغم، ٹماٹر، بھنڈی، بینگن، پالک، پیاز، مولی، مٹر، چقندر، بند گوبھی اور گاجر وغیرہ شامل ہیں۔ سبزی اور ترکاری کی پیداوار میں پاکستان خود کفیل ہے۔ پاکستان آلو اور پیاز دوسرے ممالک کو برآمد کرتا ہے۔

پاکستان میں بے شمار اقسام کے بہت خوش ذائقہ پھل پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن آب وہوا کے فرق کی وجہ سے مخصوص علاقوں میں کاشت کیے جاتے ہیں۔ بلوچستان اور صوبہ خیبر پختونخوا پھلوں کی پیداوار کے خاص علاقے ہیں۔ ان کے پھلوں میں انگور، سیب، انار، آلو بخارا، مٹھی، خوبانی، آڑو اور چیری شامل ہیں۔ سندھ میں پھلوں کی صرف چند اقسام یعنی آم، کھجور، کیلا، تربوز اور خربوزہ پیدا ہوتے ہیں۔ پنجاب میں آم، موسمبی اور مالٹے، کینو، مشک، سردا، گرما، تربوز اور کھجوریں کاشت کی جاتی ہیں۔ صوبہ خیبر پختونخوا اور بلوچستان میں خشک میوہ جات مثلاً: بادام، پستہ اور اخروٹ کاشت کیے جاتے ہیں۔ تازہ پھلوں اور خشک میوہ جات کی برآمد سے پاکستان کثیر زرمبادلہ کماتا ہے۔

پاکستان کے زرعی مسائل:

زراعت پاکستان کے عوام کا خاص پیشہ ہے۔ 55 فیصد سے زیادہ افراد زراعت کے شعبے سے وابستہ ہیں۔ اس کے باوجود کہ ملک میں کئی نقد آور غذائی اجناس کی فصلیں کاشت کی جاتی ہیں تاہم زرعی پیداوار کی شرح بہت پست ہے۔ اس پست شرح پیداوار کی حسب ذیل وجوہات ہیں۔

i۔ پست شرح خواندگی:

ملک کی شرح خواندگی بہت پست ہے۔ ہمارے کاشتکاروں اور کسانوں کی اکثریت غیر تعلیم یافتہ ہے اس لیے انھیں کاشتکاری کے جدید طریقوں سے آگاہی نہیں ہے۔ انھیں جراثیم کش ادویات کے استعمال، معیاری بیجوں کے انتخاب اور مصنوعی کھاد کے مناسب استعمال کے بارے میں زیادہ علم نہیں ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اُن کی فی ایکڑ پیداوار ملک کی ضروریات کے لحاظ سے بہت کم ہے۔ وہ کاشتکاری کے صرف اُن روایتی طریقوں پر یقین رکھتے ہیں جو انھوں نے اپنے بزرگوں سے سیکھے ہیں۔

ii۔ کاشتکاروں کی بڑھتی ہوئی تعداد:

زراعت پر انحصار کرنے والے افراد کی تعداد بڑھ رہی ہے لیکن زیر کاشت رقبے کو بڑھانے کا عمل بہت سست ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ زیر کاشت رقبہ فی کس کم ہو گیا ہے۔

iii۔ غیر مشینی کاشتکاری:

ہمارے کسان اور کاشتکار آج بھی لکڑی کے ہل، گوبر کی کھاد، غیر تصدیق شدہ مقامی بیج اور کاشتکاری کے قدیم طریقے استعمال کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فی ایکڑ پیداوار میں اس کے باوجود اضافہ نہیں ہو رہا ہے کہ ہمارے کسان انتہائی محنتی اور جفاکش ہیں۔ مشینی کاشتکاری اختیار نہیں کی گئی ہے۔ ٹریکٹر، ٹیوب ویل، کھاد، تصدیق شدہ معیاری بیج اور ادویات کی ایک منظم اور ترتیب سے بوائی مشینی کاشتکاری کے اہم اور لازمی اجزا ہیں۔ ہمارا کسان اور کاشتکار مشینی کاشت کو اختیار کرنے میں ہچکچاہٹ اور تذبذب کا شکار ہے۔ اُس کی وجہ شاید پرانے خیالات ہیں یا مالی وسائل کی کمی ہے یا یہ کہ اُس کے پاس بہت کم قطعہ اراضی ہے۔

iv۔ زرعی اراضی کی حدود:

پاکستان کی زرعی اراضی کو دو گروہوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ جاگیردار اور زمیندار گروہ کے پاس زمین کے بڑے بڑے قطعات ہیں لیکن وہ ان میں خود کاشتکاری نہیں کرتے ہیں اسی لیے بہت بڑے بڑے قطعہ اراضی کاشت ہونے سے رہ جاتے ہیں اور غیر آباد اور بنجر ہیں۔ دوسرا گروہ وہ ہے جس کے پاس نہری پانی سے کاشت شدہ زمین ہے لیکن یہ زمین 12 تا 15 ایکڑ فی خاندان سے زیادہ نہیں ہے۔ وہ ان چھوٹے قطعہ اراضی پر مشینی کاشتکاری اختیار نہیں کر سکتے اور مشینی کاشتکاری کے بغیر پیداوار کم ہی رہے گی۔ اسی لیے وہ دوسرے کاموں کی جانب اپنی توجہ مبذول کر رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ کم پیداوار کی صورت میں نکلتا ہے۔

v۔ محکمہء زراعت کا کردار:

محکمہء زراعت کا کردار کچھ بہت مؤثر نہیں ہے کیوں کہ ہمارے کسان اور کاشتکار کو محکمہ زراعت کے دیے ہوئے گوشواروں پر اعتماد نہیں ہے۔ کاشتکاروں کو اپنے قدیم طریقوں اور اپنے آباؤ اجداد سے حاصل ہوئے تجربے پر اعتماد اور یقین ہے۔ دوسری جانب محکمہ زراعت کے اہل کار بھی اپنی مؤثر کارکردگی دکھانے میں ناکام ہو گئے ہیں۔ فرائض سے غفلت و غیر حاضری، مناسب موقع پر مشورہ کا نہ ملنا اور کاشتکاروں اور کسانوں کو زرعی آگہی دینے میں سستی اور عدم دلچسپی کسانوں اور محکمے کے مابین عدم تعاون کی چند وجوہات ہیں۔ اس طرح زرعی پیداوار کو نقصان پہنچتا ہے۔

vi۔ زمین کا کٹاؤ:

بارشیں اور تباہی پھیلانے والے عوامل یعنی آندھی، طوفان، برف باری اور زلزلے زمین کے کٹاؤ کا سبب بنتے ہیں۔ زمین کے بالائی زرخیز ساختی ذرات کو ہٹا دیتے ہیں اور نتیجہ کم پیداوار کی صورت میں نکلتا ہے۔

vii۔ سیم اور تھور:

صوبہء پنجاب اور سندھ کے وسیع نہری علاقے سیم اور تھور کی وجہ سے بیکار ہو گئے ہیں۔ زرخیز زمینوں کا ضیاع زیرِ کاشت اراضی کی زرخیزی کو شدید نقصان پہنچاتا ہے۔

viii۔ اراضی کو ٹکڑے کرنا:

اراضی کو ٹکڑے کرنے کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ زرخیز زمین چھوٹے چھوٹے قطعات میں تقسیم ہو گئی ہے جس کی وجہ سے بڑے پیمانے پر پیداوار محدود ہو گئی ہے۔

ix۔ ناکافی ذرائع نقل و حمل:

ہمارے دیہات اور گاؤں زرعی پیداوار کے خاص علاقے ہیں لیکن ان کے لیے یا تو پختہ سڑکیں موجود ہی نہیں ہیں یا اگر ہیں تو اُن کی حالت بہت خراب اور خستہ ہے جس کی وجہ سے نقل و حمل کی تیزی میں رکاوٹ پڑتی ہے۔ پیداوار کی ایک کثیر مقدار بحفاظت منڈی تک نہیں پہنچ پاتی ہے۔ اسی لیے کاشتکار فصلوں کی قلیل پیداوار پر قناعت کر لیتے ہیں۔

x۔ غیر مناسب حالات:

دیہات میں رہائش کے ناقص انتظام، طبی سہولتوں کے فقدان اور دوسری ضروری سہولتوں کی عدم دستیابی کی وجہ سے کاشتکاری اور اُن کے افرادِ خانہ کی صحت متاثر ہوتی ہے۔ زائد پیداوار کے لیے اُن کی طاقت گھٹ جاتی ہے۔ فصلوں کی

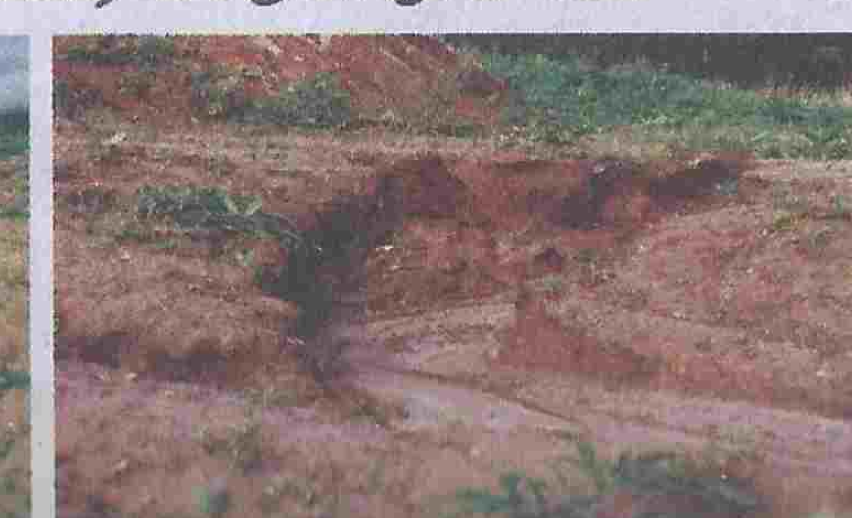

پیداوار پر اس کا بھی بُرا اثر پڑتا ہے۔

xi۔ فصلوں کی فروخت میں مشکلات:

آڑھتیوں کی مختلف چالبازیوں اور حرکتوں کی وجہ سے کاشتکاروں کو اُن کی محنت اور پیداوار کا مناسب صلہ نہیں ملتا ہے۔ آڑھتی اور منڈیوں پر اثر انداز ہونے والے افراد کسانوں کے لیے مشکلات پیدا کرتے رہتے ہیں۔ اس کی وجہ سے کاشتکار دل برداشتہ ہو جاتے ہیں اور اس لیے وہ پیداوار بڑھانے پر ضروری توجہ نہیں دیتے۔

زرعی مسائل حل کرنے کے لیے اقدامات:

ملک کے زرعی مسائل کو حل کرنے کے لیے حکومتِ پاکستان نے کئی ضروری اقدامات کیے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

I۔ تعلیمی سہولتیں:

کسانوں اور کاشتکاروں میں جدید طریقہ زراعت استعمال کرنے کی ہچکچاہٹ دور کرنے کے لیے محکمہ زراعت کے توسط سے دیہات میں تعلیمی سہولتوں میں اضافہ کیا جا رہا ہے۔ دیہی علاقوں میں تعلیمِ بالغان کے پروگرام شروع کیے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے ایسے پروگرام نشر کیے جاتے ہیں جن میں کسانوں کو کاشت کے جدید طریقوں سے متعارف کرایا جاتا ہے۔ پمفلٹ اور کتابچے شائع کیے گئے ہیں تاکہ کسانوں میں جدید کاشتکاری کے بارے میں شعور اور آگاہی پیدا ہو سکے۔

II۔ آسان قرضوں کی فراہمی:

کاشت کار کے پاس سرمائے کی کمی کو دور کرنے کے لیے حکومت آسان شرائط پر قرضوں کی سہولتیں فراہم کر رہی ہے تاکہ لوگ جدید آلات، اعلیٰ قسم کی کھاد، معیاری بیج اور ضروری کیڑے مار اور جراثیم کش دوائیں خرید سکیں۔ ٹریکٹر خریدنے اور ٹیوب ویل لگانے کے لیے مخصوص قرضے مہیا کیے جاتے ہیں۔ یہ قرضے آسان اقساط میں وصول کیے جاتے ہیں۔

III۔ آبپاشی کے ذرائع:

زراعت کے لیے ضروری مقدار میں بروقت پانی مہیا کرنے اور کھیتوں تک پہنچانے کے لیے آبپاشی کے مصنوعی طریقوں کو زیادہ موثر بنایا جا رہا ہے۔ سیم اور تھور کے خاتمے کے لیے انتظامات کیے گئے ہیں۔ ایسے درخت کاشت کیے جا رہے ہیں جن کی لمبی لمبی جڑیں ہیں۔ یہ درخت سیم و تھور کے مرض کو دور کرنے اور اس سے نجات دلانے میں مدد کرتے ہیں۔ نہروں اور واٹر کورسوں کو پختہ کیا جا رہا ہے۔

iv۔ زرعی صنعت و حرفت اور پیشوں کا آغاز:

زیرِ کاشت رقبے پر آبادی کے دباؤ کو کم کرنے کے لیے گھریلو صنعتوں اور زراعت سے متعلق صنعت و حرفت اور پیشوں کو فروغ دیا جا رہا ہے تاکہ کچھ لوگ ان پیشوں سے وابستہ ہو جائیں۔ انھیں عام کرنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ کاشت کار اپنے فالتو اور بیکار وقت میں کام کر کے کچھ رقم کما سکتا ہے۔

v۔ زرعی اصلاحات:

حکومت پاکستان نے 1959ء، 1972ء اور 1977ء میں زرعی اصلاحات نافذ کیں۔ ان اصلاحات کی رو سے حکومت نے بڑے زمینداروں اور جاگیرداروں کی زمین کی ملکیت کی زیادہ سے زیادہ حد مقرر کر دی اور فالتو اراضی بے زمین کسانوں میں تقسیم کر دی۔ ان زرعی اصلاحات کا مقصد یہ تھا کہ کاشت کاروں اور مالکانِ زمین کے باہمی تعلقات کو خوشگوار بنایا جائے۔ زرعی زمین پر بڑے زمینداروں کی اجارہ داری ختم کی جائے اور زرعی پیداوار کے نظام کو بہتر کیا جائے لیکن اب بھی مزید اصلاحات کرنے کی ضرورت ہے تاکہ غیر کاشت شدہ زمین کو زیرِ کاشت لایا جاسکے۔

vi۔ زرعی ادارے:

حکومت نے ملک بھر میں کئی زرعی ادارے قائم کیے ہیں۔ مثال کے طور پر زرعی یونیورسٹیاں اور کالج وغیرہ۔ یہ ادارے زراعت کے مختلف مضامین میں تعلیم مہیا کر رہے ہیں اور زرعی تعلیم میں گریجویٹس اور ماسٹر کے درجے تک سند یافتہ افراد پیدا کر رہے ہیں۔ حکومت نے مندرجہ ذیل زرعی ادارے قائم کیے ہیں۔

(i) زرعی یونیورسٹی، پشاور۔
(ii) بارانی (ایرڈ) زرعی یونیورسٹی راولپنڈی۔
(iii) زرعی یونیورسٹی، فیصل آباد۔
(iv) زرعی یونیورسٹی، بہاولپور۔
(v) زرعی یونیورسٹی، ٹنڈو جام۔
(vi) زرعی کالج، ملتان۔
(vii) زرعی انسٹیٹیوٹ ڈوکری (لاڑکانہ)۔

ان کے علاوہ ملک میں کئی اور زرعی تحقیقی ادارے زرعی پیداوار بڑھانے، اعلیٰ معیار کے بیج تیار کرنے اور پودوں کی بیماریوں پر قابو پانے کے لیے تحقیق کر رہے ہیں۔

(ب) آبپاشی:

پاکستان بنیادی طور پر ایک زرعی ملک ہے۔ اس کا تقریباً 73 فیصد رقبہ زیرِ کاشت ہے جس کا سارا دارومدار نہروں یا دوسرے ذرائع مثلاً: ٹیوب ویل، کنویں اور کاریز کے ذریعے آبپاشی پر ہے۔ پاکستان کے اکثر علاقوں میں بارش کا سالانہ اوسط 250 ملی میٹر سے بھی کم ہے۔ بارش کا اوسط نہ صرف کم ہے بلکہ غیر یقینی بھی ہے۔ پاکستان میں دنیا کا سب سے بڑا نہری نظام ہے۔ صوبہ پنجاب اور صوبہ سندھ میں نہروں کا ایک وسیع جال پھیلا ہوا ہے۔ یہ نہریں مختلف ہیڈ ورکس، بیراجوں اور بندوں سے نکالی گئی ہیں۔ بلوچستان میں صرف چند نہریں ہیں کیونکہ یہاں کوئی بڑا دریا نہیں بہتا ہے اور اس کی سطح ناہموار ہے۔ پٹ فیڈر نہر کو دریائے سندھ سے پانی ملتا ہے۔

دور دراز کے علاقوں تک نہروں کے ذریعے پانی پہنچایا جاتا ہے تاکہ زرعی پیداوار نہ صرف برقرار رہے بلکہ اُس میں اضافہ بھی ہو۔ یہ نہریں دو قسم کی ہیں۔ دوامی یا دائمی نہروں میں سارا سال پانی بہتا ہے۔ جبکہ غیر دوامی یا جز دائمی نہروں میں بارش کے موسم میں یا سیلاب کے وقت پانی بہتا ہے۔ غیر دوامی نہروں کی تعداد بہت کم ہے۔

پاکستان کے نہری نظام کا ماخذ و منبع:

برصغیر کی تقسیم کے نتیجے میں صوبہ پنجاب بھی دو حصوں میں یعنی مشرقی پنجاب اور مغربی پنجاب میں تقسیم ہو گیا۔ پنجاب کی تقسیم کی وجہ سے متحدہ پنجاب کا نہری نظام بھی تقسیم ہو گیا۔ اُس وقت دریائے ستلج اور راوی پر واقع نہروں کے ہیڈ ورکس بھارت میں تھے۔ جبکہ ان دریاؤں سے نکلنے والی نہریں پاکستان کے کچھ علاقوں کو سیراب کرتی تھیں۔ اس صورت حال سے دونوں ملکوں میں ایک تنازعہ پیدا ہو گیا کیوں کہ بھارت نے ان نہروں کا پانی روک لیا۔ اس مسئلے کا مستقل حل تلاش کرنے کے لیے عالمی بینک نے ستمبر 1960ء میں بھارت اور پاکستان کے درمیان ایک معاہدہ کرایا۔ یہ معاہدہ ''سندھ طاس معاہدہ'' (Indus Basin Water Treaty) کہلاتا ہے۔ اس معاہدے کے اہم خدوخال حسبِ ذیل ہیں۔

(i) بھارت کو تین مشرقی دریاؤں یعنی راوی، بیاس اور ستلج کے حقوق (اختیارات) مل گئے۔
(ii) پاکستان کو تینوں مغربی دریاؤں یعنی سندھ، جہلم اور چناب کے مکمل حقوق (اختیارات) حاصل ہو گئے۔
(iii) پاکستان کو رابطہ نہروں کے ذریعے بھی پانی ملا۔ ان رابطہ نہروں کے ذریعے مغربی دریاؤں کا پانی مشرقی دریاؤں یعنی راوی اور ستلج کی نہروں میں ڈالا گیا۔
(iv) پاکستان کو پانی ذخیرہ کرنے والے دو بڑے بند، پانچ بیراج اور آٹھ رابطہ نہریں تعمیر کرنا تھیں، تاکہ بھارت کے حصے میں چلے جانے والے تینوں مشرقی دریاؤں کے نقصان کی وجہ سے پانی کی کمی کو پورا کیا جاسکے۔

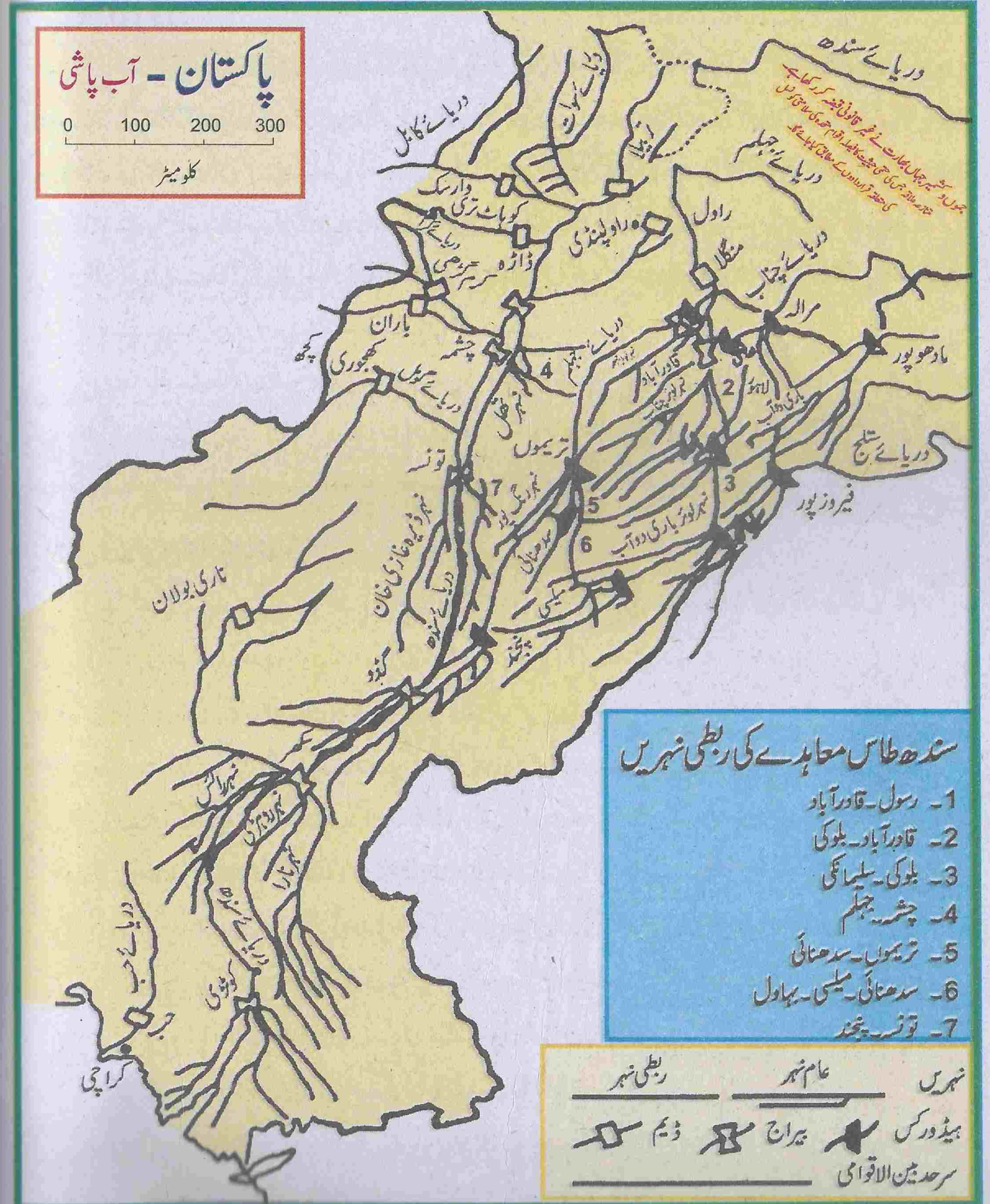

اس معاہدے کے تحت منگلا ڈیم اور تربیلا ڈیم (بند) تعمیر کیے گئے۔ یہی بند نہروں کو پانی مہیا کرنے کا ذریعہ ہیں۔قدیم نہروں کو چوڑا کیا گیا اور بیراجوں کی توسیع کی گئی ہے۔

پاکستان میں اس وقت چار بند (ڈیم) ہیں۔ منگلا بند، تربیلا بند، وارسک بند اور غازی بروتھا بند۔ ہیڈورکس کی تعداد بڑھ کر 18 اور بڑی نہروں کی تعداد 38 ہو گئی ہے۔

(ج) گلہ بانی:

پاکستان کی زراعت میں گلہ بانی اور مویشی پالنے کا شعبہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔ زرعی شعبے میں اس کا حصہ 37.5 فیصد ہے۔جبکہ پاکستان کی کل قومی پیداوار میں اس کا حصہ تقریباً 10 فیصد ہے۔ یہ شعبہ پاکستان کے زرمبادلہ کمانے کا ایک ذریعہ ہے۔ گلہ بانی اور مویشیوں میں بھیڑ، بکری، بھینس، اونٹ، گھوڑے، گدھے، خچر اور مرغبانی شامل ہیں۔گلہ بانی کی پیداوار میں دودھ، گائے، بکری اور مرغی کا گوشت، اون، بال، چکنائیاں، لحم (خون)۔ کھالیں، چمڑا وغیرہ شامل ہیں۔ مچھلیوں کے تالاب بھی مویشی پروری کا ایک ذریعہ ہیں۔اونٹ، گھوڑے، گدھے اور خچر وغیرہ چند ایسے مویشی ہیں جو نقل وحمل اور زمین کو ہموار کرنے اور ہل چلانے کے لیے بھی کام میں لائے جاتے ہیں۔

پاکستان کے مختلف حصوں میں گلہ بانی اور مویشی پروری تجارتی بنیادوں پر کی جاتی ہے۔ پنجاب اور سندھ میں ڈیری فارم کھولے گئے ہیں۔ ملیر، میرپور خاص، سکرنڈ، دادو اور ٹنڈو محمد خان (سندھ) میں حکومت نے مویشی خانے (کیٹل فارم) قائم کیے ہیں۔ پنجاب میں یہ مویشی خانے (کیٹل فارم) بہاولپور، وہاڑی، خانیوال، ڈیرہ غازی خان اور ساہیوال میں قائم کیے گئے ہیں۔

ماہی خانے (مچھلیوں کے تالاب) بھی اہمیت اختیار کرتے جا رہے ہیں اور پنجاب، سندھ اور صوبہ خیبر پختونخوا میں کئی ماہی خانے بنائے گئے ہیں۔ تقریباً دولاکھ افراد ماہی گیری کے پیشے سے وابستہ ہیں۔ مرغبانی بھی ایک بہت بڑی صنعت ہے اور پورے پاکستان میں خوب پھولی پھلی (پروان چڑھی) ہے۔ بلوچستان اور چولستان کے علاقوں میں جہاں قلیل بارش ہوتی ہے وہاں گلہ بانی بہت عام ہے۔ پاکستان اُن ممالک میں شامل ہے جہاں تحفظِ حیوانات کے حالات اطمینان بخش نہیں ہیں۔ اس کی بڑی وجوہات میں گلہ بانی اور مویشی پروری کے قدیم اور روایتی طریقے، حیوانات کے اسپتالوں کی مناسب تعداد میں کمی اور ان اسپتالوں میں تربیت یافتہ عملے کی کمی شامل ہیں۔ مناسب منصوبہ بندی کے نتیجے میں مویشیوں اور مرغبانی کی مصنوعات کی برآمد سے پاکستان قیمتی زرمبادلہ کما سکتا ہے۔

4۔ طاقتی وسائل:

طاقتی وسائل یا وسائل توانائی میں کوئلہ، معدنی تیل، قدرتی گیس، مرکزائی (ایٹمی یا نیوکلیائی) توانائی، طاقت باد اور شمسی توانائی شامل ہیں۔ ان وسائل کا تذکرہ ذیل میں کیا جا رہا ہے۔

i۔ پن بجلی / حراری (تھرمل) بجلی:

ہمارے ملک میں عام طور سے حراری (تھرمل) اور پن بجلی استعمال کی جاتی ہے۔ بجلی حراری (تھرمل) اور آبی وسائل سے پیدا کی جاتی ہے۔ حراری بجلی پیدا کرنے کے لیے تیل، کوئلہ اور گیس استعمال کیے جاتے ہیں لیکن ہم ان وسائل پر اعتماد نہیں کر سکتے کیوں کہ پاکستان میں تیل، گیس اور کوئلے کے ذخائر بہت محدود ہیں۔ تھرمل پاور اسٹیشن (حراری بجلی گھر) با آسانی بنائے جا سکتے ہیں لیکن ان کی بجلی پیدا کرنے کی قیمت بہت زیادہ ہے۔ اس لیے یہ ایک مہنگا سودا ہے۔ بہر حال ایک حراری بجلی گھر تھرپارکر میں کوئلے کی کانوں کے نزدیک لگایا جا رہا ہے۔ فی الحال تقریباً 58 فیصد بجلی حراری (تھرمل) وسائل سے حاصل کی جا رہی ہے۔ تھرمل بجلی گھر فیصل آباد، ملتان، کوٹ اڈو، روہڑی، جام شورو، حیدر آباد اور کراچی میں بنائے گئے ہیں۔

پن بجلی دریاؤں کے پانی کے ذریعے پیدا کی جاتی ہے۔ پن بجلی یا آبی بجلی کے منصوبے تربیلا، منگلا، وارسک اور غازی بروتھا پر واقع ہیں۔ اس وقت تقریباً 42 فیصد بجلی آبی وسائل سے پیدا کی جا رہی ہے۔ اگرچہ کہ آبی بجلی گھر کی تعمیر بہت مہنگا سودا ہے تاہم بجلی پیدا کرنے کی قیمت حراری بجلی (تھرمل بجلی) کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ جب پانی سے بجلی پیدا کر لی جاتی ہے تو اس پانی کو آبپاشی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ پن بجلی کی پیداوار سے فضائی آلودگی بھی نہیں پیدا ہوتی ہے۔

ii۔ جوہری توانائی (ایٹمی یا نیوکلیائی توانائی):

توانائی کا ایک اور ذریعہ جوہری (ایٹمی) طاقت یا مرکزائی (نیوکلیائی) توانائی ہے۔ بھورے رنگ کا ایک تابکار عنصر یورینیم (علامت U) جوہری یا ایٹمی توانائی پیدا کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ پاکستان میں دو جوہری (ایٹمی) بجلی گھر کام کر رہے ہیں۔ ایک کراچی میں ہے جس نے 1971ء میں کام شروع کیا تھا اور دوسرا چشمہ (میانوالی) میں ہے۔ چشمہ پلانٹ نے 2002ء میں بجلی پیدا کرنا شروع کی ہے۔ اس کی پیداواری صلاحیت 300 میگا واٹ (300MW) ہے۔ جوہری طاقت کا تیسرا منصوبہ بھی چشمہ کے مقام پر چین کے تعاون سے تعمیر ہوا ہے۔ جوہری بجلی گھروں کو اس لیے فوقیت دی جاتی ہے کیوں کہ ان سے صارفین کو سستی بجلی مہیا کی جاتی ہے۔ جوہری توانائی کو پُر امن مقاصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اس کو زرعی تحقیق کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس مقصد کے لیے تین مرا

فیصل آباد (پنجاب)، پشاور (صوبہ خیبر پختونخوا) اور ٹنڈو جام (سندھ) میں زرعی و غذائی تحقیق کے لیے قائم کیے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ صوبہ خیبر پختونخوا میں قومی ادارہ برائے غذا اور زراعت (NIFA) بھی کام کر رہا ہے۔ سرطان (کینسر) کے علاج کے لیے بھی جوہری توانائی کو استعمال کیا جاتا ہے۔ اس مقصد کے لیے کراچی، جام شورو، لاڑکانہ، لاہور، ملتان، بہاولپور، اسلام آباد، پشاور، کوئٹہ، فیصل آباد اور ایبٹ آباد میں واقع جوہری توانائی کے ادارے کام کر رہے ہیں۔

iii۔ شمسی توانائی:

گیس، تیل اور کوئلہ دوبارہ نا قابل دریافت ذخائر ہیں اور بے دریغ استعمال کی بنیاد پر یہ شاید بہت جلد ختم بھی ہو جائیں۔ مگر شمسی توانائی ایسا خزانہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔ یہ تقریباً مفت حاصل ہو رہی ہے۔ ساری دنیا میں سورج سے روزانہ 200 ملین میگا واٹ شمسی توانائی حاصل ہوتی ہے اور یہ ساری دنیا کے تمام بجلی گھروں کی مجموعی پیداواری صلاحیت سے تقریباً ساٹھ ہزار گنا زائد ہے۔ شمسی توانائی مختلف طریقوں سے حاصل کی جاتی ہے۔ اس کو شمسی خانوں میں جمع کیا جاتا ہے اور ریڈیو اور چھوٹی گاڑیوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ شمسی بوائلر میں بڑے بڑے آئینے استعمال کر کے سورج کی شعاعوں کا رخ بوائلر کی جانب موڑا جاتا ہے۔ اس طرح توانائی پیدا ہوتی ہے جس کو بڑی مشینوں کے چلانے میں استعمال کیا جاتا ہے۔ شمسی لوحیں (Panels) سورج سے حرارت جذب کرتی ہیں۔ پاکستان میں سورج بڑی آب و تاب سے تقریباً تین سو روز سالانہ چمکتا ہے۔ سورج کی اس روشنی اور دھوپ کو دیہی علاقوں میں بجلی پیدا کرنے، کھانا پکانے، نلکی کنوؤں (ٹیوب ویلوں) کو چلانے اور حرارت حاصل کرنے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

فی الحال پاکستان میں شمسی بجلی گھر بنانا بہت زیادہ گراں ہے۔ اگرچہ مندرجہ ذیل شمسی توانائی کے چند چھوٹے یونٹ کام کر رہے ہیں:

(i) کھر کھیرا (لسبیلہ بلوچستان)

(ii) مل ماری (ٹھٹھہ سندھ)

(iii) دتل خان لغاری (تھرپارکر سندھ)

(iv) ہوت (ملتان)

(v) نصیر آباد (گلگت)

فی الحال شمسی توانائی کے شعبے کو بہت زیادہ توجہ نہیں دی گئی ہے کیوں کہ بجلی کی ضروریات دوسرے ذرائع سے پوری ہو رہی ہیں۔

5۔ انسانی وسائل:

دنیا میں سب سے زیادہ آبادی والے ممالک میں پاکستان کا شمار چھٹا ہے اور مسلم دنیا کا یہ دوسرا بڑا ملک ہے۔ جس وقت پاکستان معرضِ وجود میں آیا تھا اُس وقت اس کی آبادی تقریباً 33 ملین تھی لیکن اب یہ آبادی بڑھ کر ایک اندازے کے مطابق 200 ملین تک پہنچ گئی ہے۔ یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ پاکستان کی آبادی کا تیس فیصد سے بھی کم مناسب کاموں اور روزگار سے وابستہ ہیں۔ اس آبادی کا تقریباً چالیس فیصد زراعت سے، اٹھارہ فیصد صنعت سے وابستہ ہیں اور چالیس فیصد دیگر شعبوں میں ملازم ہیں۔ پاکستان کی آبادی میں دیہی اور شہری آبادی کا تناسب بالترتیب 66.5 فیصد اور 33.5 فیصد ہے۔ پاکستان کی یہ کام کرنے کے قابل آبادی ہی دراصل انسانی وسیلہ ہے۔ ملک کی معاشی، سماجی اور سیاسی ترقی کا دارومدار اسی انسانی وسیلہ پر ہے۔

ترقی اور فروغ کے لیے انسانی وسائل کی تعداد بہت اہم جزو ہے لیکن اس سے زیادہ اہمیت اس انسانی وسیلے کی جسمانی صحت، ذہنی صحت، تعلیم اور مہارت و ہنرمندی ہے، جس سے اس کی افادیت اور اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ جاپان کے انسانی وسیلے کی افادیت اور تاثیر کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اُس کی کل آبادی 100 ملین سے بھی زیادہ ہے۔ مسلم ممالک وسائل سے مالا مال ہونے کے باوجود تمام مسلم ممالک کی سالانہ پیداوار صرف 1200 بلین ڈالر ہے۔ جبکہ جاپان کی سالانہ پیداوار 5500 بلین ڈالر ہے۔ جاپان کے پاس نہ تیل ہے اور نہ گیس اور نہ ہی کوئلے کے ذخائر ہیں لیکن اُس کے پاس اعلیٰ سطح کی تعلیم اور سائنس اور فنیت (ٹیکنالوجی) عروج پر ہے۔ اُس کے عوام کی سخت محنت اور جفاکشی نے اُس کو خوشحال ملک بنا دیا ہے۔ اُس کے برعکس مسلم ممالک نے اپنے انسانی وسائل کو فروغ دینے کی جانب کوئی توجہ نہیں دی ہے۔ پاکستان میں جاگیردار حکمرانوں نے ملک کے انسانی وسائل کا معیار بلند کرنے کی جانب کوئی توجہ ہی نہیں دی ہے اور تعلیم، سائنس اور ٹیکنالوجی کے شعبے کو مناسب فنڈ مہیا نہیں کیے ہیں۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انسانی وسائل کا فروغ سب سے عمدہ اور بہترین سرمایہ کاری ہے۔ حکومت پاکستان نے اب سائنس اور فنی (ٹیکنیکل) تعلیم کی جانب توجہ دینی شروع کر دی ہے۔ سائنسی اور فنی (ٹیکنیکل) ادارے قائم کیے جا رہے ہیں اور ماضی کے مقابلے میں اُن کے بجٹ تقریباً پانچ گنا بڑھا دیے گئے ہیں اور اب یہ تقریباً پانچ ارب روپے ہیں۔

انسانی اور دوسرے وسائل کا باہمی انحصار:

انسانی وسائل اور دیگر وسائل کی اپنی اپنی جگہ آزادانہ اور علیحدہ علیحدہ قدر و افادیت ہے لیکن یہ سب وسائل باہم ایک دوسرے پر منحصر ہیں اور ان کا ایک دوسرے پر دارومدار ہے۔ زندگی گزارنے کے لیے انسانوں کی بے شمار ضروریات

ہیں۔ ان میں زندگی کی بنیادی ضروریات یعنی روٹی، کپڑا اور مکان (غذا، چادر اور چار دیواری) شامل ہیں۔ اسی طرح چند سہولتیں اور آسائشیں بھی انسانی ضروریات کا حصہ ہیں۔ مگر ان کا شمار بنیادی ضروریاتِ زندگی کے بعد ہوتا ہے۔ یہ ضروریات صرف دوسرے وسائل کی مدد سے ہی پوری ہوسکتی ہیں۔ ان وسائل میں زرعی اور معدنی وسائل شامل ہیں۔ ان وسائل کو تلاش کرنے اور ان سے فیضیاب ہونے کے لیے انسانی کوشش اور جدوجہد کا بڑا عمل دخل ہے۔ اگر انسانی علم، مہارت و ہنرمندی اور محنت و جفاکشی کو خارج کر دیا جائے تو ان وسائل کے ثمرات کبھی بھی حاصل نہیں ہوسکتے۔

چوں کہ انسان نے تیل، گیس اور سونے کے وسائل کو تلاش کیا اور انھیں نفع بخش طور پر استعمال کیا۔ اسی لیے یہ دولت و سرمایہ بن گئے اور ان کی قدر میں اضافہ ہوا ہے۔ دوسری جانب ان وسائل کے بغیر انسانی زندگی بے رنگ اور بے مزہ ہوتی یا شاید انسانی بقا ہی ناممکن ہوجاتی۔ اسی لیے انسانی وسائل اور دیگر وسائل کا ایک دوسرے پر دارومدار ہے۔

6۔ مسائل اور توقعات:

پاکستان کی تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی ایک بہت بڑا مسئلہ ہے اور پوری قوم کے لیے مشکلات اور دشواریوں کا باعث ہے۔ ہمارے وسائل محدود ہیں اور ہماری آبادی اور وسائل میں ہم آہنگی نہیں ہے۔ دیہی اور شہری علاقوں کی آبادیوں میں عدم توازن پیدا ہوتا جا رہا ہے۔ دیہی علاقوں سے شہری علاقوں کی جانب نقل مکانی بھی ہمارا ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ یہ نقل مکانی روزگار کے مواقع اور بہتر سہولتوں اور آسائشوں کی تلاش کے لیے ہوتی ہے لیکن مستقبل کی ضروریات سے بے خبر اور عدم منصوبہ بند سرگرمیوں نے مختلف النوع مسائل کو جنم دیا ہے۔ ایک جانب دیہات اور گاؤں اپنے قدرتی حسن و دلکشی سے محروم ہوتے جا رہے ہیں تو دوسری جانب شہری علاقے پانی، بجلی اور رہائش کی کمیابی کے مسائل سے دوچار ہیں۔ شہروں میں آلودگی نے امراض پیدا کر دیے ہیں۔ جرائم میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے، دیہی علاقوں کے ساتھ ساتھ شہری علاقوں میں بھی زندگی دشوار ہوتی جا رہی ہے۔ دیہی علاقوں میں مطلوبہ سہولیات نہیں ہیں جبکہ شہروں میں اگرچہ کم سہولتیں موجود ہیں لیکن یہ بڑھتی ہوئی آبادی کی ضروریات سے ہم آہنگی نہیں رکھتی ہیں۔

اس مسئلے کا واحد حل یہ ہے کہ دیہی علاقوں کی جانب سے شہروں کی طرف بغیر منصوبہ بندی کی اس نقلِ مکانی کو روکا جائے۔ اس کے لیے مندرجہ ذیل اقدام اُٹھائے جاسکتے ہیں۔

(ا) حکومت کے شروع کیے ہوئے پروگرام "تعلیم سب کے لیے" کو زیادہ سے زیادہ تعلیمی ادارے کھول کر مضبوط و توانا بنایا جائے تاکہ لوگوں کو خواندہ بنایا جاسکے۔

5۔ انسانی وسائل:

دنیا میں سب سے زیادہ آبادی والے ممالک میں پاکستان کا شمار چھٹا ہے اور مسلم دنیا کا یہ دوسرا بڑا ملک ہے۔ جس وقت پاکستان معرضِ وجود میں آیا تھا اُس وقت اس کی آبادی تقریباً 33 ملین تھی لیکن اب یہ آبادی بڑھ کر ایک اندازے کے مطابق 200 ملین تک پہنچ گئی ہے۔ یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ پاکستان کی آبادی کا تیس فیصد سے بھی کم مناسب کاموں اور روزگار سے وابستہ ہیں۔ اس آبادی کا تقریباً چالیس فیصد زراعت سے، اٹھارہ فیصد صنعت سے وابستہ ہیں اور چالیس فیصد دیگر شعبوں میں ملازم ہیں۔ پاکستان کی آبادی میں دیہی اور شہری آبادی کا تناسب بالترتیب 66.5 فیصد اور 33.5 فیصد ہے۔ پاکستان کی یہ کام کرنے کے قابل آبادی ہی دراصل انسانی وسیلہ ہے۔ ملک کی معاشی، سماجی اور سیاسی ترقی کا دارومدار اسی انسانی وسیلہ پر ہے۔

ترقی اور فروغ کے لیے انسانی وسائل کی تعداد بہت اہم جزو ہے لیکن اس سے زیادہ اہمیت اس انسانی وسیلے کی جسمانی صحت، ذہنی صحت، تعلیم اور مہارت و ہنرمندی ہے، جس سے اس کی افادیت اور اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ جاپان کے انسانی وسیلے کی افادیت اور تاثیر کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اُس کی کل آبادی 100 ملین سے بھی زیادہ ہے۔ مسلم ممالک وسائل سے مالا مال ہونے کے باوجود تمام مسلم ممالک کی سالانہ پیداوار صرف 1200 بلین ڈالر ہے۔ جبکہ جاپان کی سالانہ پیداوار 5500 بلین ڈالر ہے۔ جاپان کے پاس نہ تیل ہے اور نہ گیس اور نہ ہی کوئلے کے ذخائر ہیں لیکن اُس کے پاس اعلیٰ سطح کی تعلیم اور سائنس اور فنیت (ٹیکنالوجی) عروج پر ہے۔ اُس کے عوام کی سخت محنت اور جفاکشی نے اُس کو خوشحال ملک بنادیا ہے۔ اُس کے برعکس مسلم ممالک نے اپنے انسانی وسائل کو فروغ دینے کی جانب کوئی توجہ نہیں دی ہے۔ پاکستان میں جاگیردار حکمرانوں نے ملک کے انسانی وسائل کا معیار بلند کرنے کی جانب کوئی توجہ ہی نہیں دی ہے اور تعلیم، سائنس اور ٹیکنالوجی کے شعبے کو مناسب فنڈ مہیا نہیں کیے ہیں۔ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ انسانی وسائل کا فروغ سب سے عمدہ اور بہترین سرمایہ کاری ہے۔ حکومت پاکستان نے اب سائنس اور فنی (ٹیکنیکل) تعلیم کی جانب توجہ دینی شروع کردی ہے۔ سائنسی اور فنی (ٹیکنیکل) ادارے قائم کیے جارہے ہیں اور ماضی کے مقابلے میں اُن کے بجٹ تقریباً پانچ گنا بڑھا دیے گئے ہیں اور اب یہ تقریباً پانچ ارب روپے ہیں۔

انسانی اور دوسرے وسائل کا باہمی انحصار:

انسانی وسائل اور دیگر وسائل کی اپنی اپنی جگہ آزادانہ اور علیحدہ علیحدہ قدر و افادیت ہے لیکن یہ سب وسائل باہم ایک دوسرے پر منحصر ہیں اور ان کا ایک دوسرے پر دارومدار ہے۔ زندگی گزارنے کے لیے انسانوں کی بے شمار ضروریات

ہیں۔ ان میں زندگی کی بنیادی ضروریات یعنی روٹی، کپڑا اور مکان (غذا، چادر اور چار دیواری) شامل ہیں۔ اسی طرح چند سہولتیں اور آسائشیں بھی انسانی ضروریات کا حصہ ہیں۔ مگر ان کا شمار بنیادی ضروریاتِ زندگی کے بعد ہوتا ہے۔ یہ ضروریات صرف دوسرے وسائل کی مدد سے ہی پوری ہوسکتی ہیں۔ ان وسائل میں زرعی اور معدنی وسائل شامل ہیں۔ ان وسائل کو تلاش کرنے اور ان سے فیضیاب ہونے کے لیے انسانی کوشش اور جدوجہد کا بڑا عمل دخل ہے۔ اگر انسانی علم، مہارت و ہنرمندی اور محنت و جفاکشی کو خارج کردیا جائے تو ان وسائل کے ثمرات کبھی بھی حاصل نہیں ہوسکتے۔

چوں کہ انسان نے تیل، گیس اور سونے کے وسائل کو تلاش کیا اور اُنھیں نفع بخش طور پر استعمال کیا۔ اسی لیے یہ دولت و سرمایہ بن گئے اور ان کی قدر میں اضافہ ہوا ہے۔ دوسری جانب ان وسائل کے بغیر انسانی زندگی بے رنگ اور بے مزہ ہوتی یا شاید انسانی بقا ہی ناممکن ہوجاتی۔ اسی لیے انسانی وسائل اور دیگر وسائل کا ایک دوسرے پر دارومدار ہے۔

6۔ مسائل اور توقعات:

پاکستان کی تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی ایک بہت بڑا مسئلہ ہے اور پوری قوم کے لیے مشکلات اور دشواریوں کا باعث ہے۔ ہمارے وسائل محدود ہیں اور ہماری آبادی اور وسائل میں ہم آہنگی نہیں ہے۔ دیہی اور شہری علاقوں کی آبادیوں میں عدم توازن پیدا ہوتا جارہا ہے۔ دیہی علاقوں سے شہری علاقوں کی جانب نقل مکانی بھی ہمارا ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ یہ نقل مکانی روزگار کے مواقع اور بہتر سہولتوں اور آسائشوں کی تلاش کے لیے ہوتی ہے لیکن مستقبل کی ضروریات سے بے خبر اور عدم منصوبہ بند سرگرمیوں نے مختلف النوع مسائل کو جنم دیا ہے۔ ایک جانب دیہات اور گاؤں اپنے قدرتی حسن و دل کشی سے محروم ہوتے جارہے ہیں تو دوسری جانب شہری علاقے پانی، بجلی اور رہائش کی کمیابی کے مسائل سے دوچار ہیں۔ شہروں میں آلودگی نے امراض پیدا کردیے ہیں۔ جرائم میں روز بروز اضافہ ہورہا ہے، دیہی علاقوں کے ساتھ ساتھ شہری علاقوں میں بھی زندگی دشوار ہوتی جارہی ہے۔ دیہی علاقوں میں مطلوبہ سہولیات نہیں ہیں جبکہ شہروں میں اگرچہ کم سہولتیں موجود ہیں لیکن یہ بڑھتی ہوئی آبادی کی ضروریات سے ہم آہنگی نہیں رکھتی ہیں۔

اس مسئلے کا واحد حل یہ ہے کہ دیہی علاقوں کی جانب سے شہروں کی طرف بغیر منصوبہ بندی کی اس نقل مکانی کو روکا جائے۔ اس کے لیے مندرجہ ذیل اقدام اُٹھائے جاسکتے ہیں۔

(i) حکومت کے شروع کیے ہوئے پروگرام "تعلیم سب کے لیے" کو زیادہ سے زیادہ تعلیمی ادارے کھول کر مضبوط و توانا بنایا جائے تاکہ لوگوں کو خواندہ بنایا جاسکے۔

(ii) رہائش کی سہولت کے ساتھ ساتھ پانی، بجلی اور صحت کی سہولتیں فوری طور پر دیہی علاقوں میں مہیا کی جائیں۔

(iii) مختلف اقسام کے ادارے کھول کر دیہی علاقوں میں روزگار کے مواقع پیدا کیے جائیں۔

(iv) دیہی علاقوں میں امن و امان کی صورت حال کو بہتر بنایا جائے تاکہ لوگوں کو سماج دشمن عناصر سے تحفظ مل سکے۔

(v) آسان اقساط پر قرض دے کر مختلف مقامی روزگاروں کی حوصلہ افزائی کی جانی چاہیے۔

(vi) سرکاری ملازمت اختیار کرنے والوں کو ابتداً کم از کم تین تا پانچ سال دیہی علاقوں میں بھیجا جائے۔

7۔ زندگی میں اعتدال پسندی:

زندگی میں اعتدال پسندی کا مطلب یہ ہے کہ اپنے موجودہ وسائل کے اندر رہا جائے (چادر کے مطابق پاؤں پھیلائے جائیں)۔ ایک قول ہے کہ ہر چیز کی کثرت بُری ہوتی ہے۔ اعتدال پسندی مناسب سوچ، رویے اور عمل کے ایک طریقے کا نام ہے۔ اُس شخص کو اعتدال پسند کہا جا سکتا ہے جو ذاتی احتساب کرتا ہو اور پھر اپنے مستقبل کی زندگی کے لیے ایک لائحہ عمل طے کرتا ہو۔ جو لوگ اپنی زندگیاں اعتدال کے مطابق نہیں گزارتے ہیں وہ شدید مشکلات اور دشواریوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اعتدال پسندی زندگی کے تمام معاملات یعنی اقتصادی، سماجی اور سیاسی معاملات میں معقول اور سلجھے ہوئے رویے کا تقاضا کرتی ہے۔ اعتدال پسندی سے معاشرے میں امن و خوشحالی آتی ہے۔ بے جا خواہش پرستی اور جاہ طلبی ہی تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ لیکن اعتدال کی راہِ عمل اختیار کرنے سے انسان پُرسکون اور آرام دہ زندگی گزارتا ہے۔

بحیثیتِ قوم پاکستانی ہم بہت جذباتی ہیں، کسی بھی معاملے میں یا تو ہم پوری طرح شریک ہو جاتے ہیں یا ہم بالکل پروا نہیں کرتے جس کا نتیجہ ہمارے فرائض سے غفلت اور بے اعتمادی کا نکلتا ہے۔ اس نے معاشرے کو پسماندہ رکھا ہوا ہے۔ ہمارے انتہائی شدید جذبات اور احساسات نے ہمیں جذباتی قوم کا خطاب دلوا دیا ہے۔ کبھی کبھار جذبات عارضی اور وقتی کامیابی کا باعث تو بن سکتے ہیں لیکن طویل مدت میں ان کا نتیجہ منفی بھی نکل سکتا ہے۔

یہ سب لوگوں کے علم میں ہے کہ اپنے وسائل کے اندر رہنا خوشحالی کی ضمانت ہے۔ جو لوگ اپنی خواہشات پر خود قابو رکھتے ہیں اور خود کو روک کر رکھتے ہیں وہ خوشحال زندگی گزارتے ہیں۔ پھر خیال رکھیں کہ ضرورت سے زیادہ مداخلت کرنے والی قوم اپنے شدت پسند رویوں اور سرگرمیوں کی وجہ سے ہمیشہ دشواریوں اور مشکلات کا شکار رہتی ہے۔ اسی لیے اسلام نے تمام شعبہ ہائے حیات میں اعتدال کا درس دیا ہے اور خود پر قابو پانے پر زور دیا ہے۔

مشق

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات دیجیے:

1۔ وسائل کی اہمیت بیان کیجیے۔

2۔ مختلف قسموں کے وسائل کے نام بتائیے۔

3۔ جنگلات کے کیا فائدے ہیں؟

4۔ پاکستان کے معدنی وسائل کے نام بتائیے۔

5۔ پاکستان کے زرعی مسائل کیا ہیں؟

6۔ پاکستان کے زرعی وسائل کون سے ہیں؟

7۔ ایٹمی (نیوکلیائی) توانائی پر ایک نوٹ لکھیے۔

8۔ انسانی وسائل اور دیگر وسائل کس طرح ایک دوسرے پر منحصر ہیں؟

9۔ زندگی میں اعتدال پسندی پر ایک نوٹ لکھیے۔

(ب) خالی جگہوں کو مناسب الفاظ سے پُر کیجیے۔

(i) وہ لوگ جو مختلف کاموں میں ماہر ہوتے ہیں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کہلاتے ہیں۔

(ii) مٹی کی سیلابی تہوں اور گاد سے بننے والی مٹی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کہلاتی ہے۔

(iii) پہاڑی جنگلات ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں پائے جاتے ہیں۔

(iv) پاکستان میں قدرتی گیس جس مقام پر پہلی مرتبہ پائی گئی وہ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کہلاتا ہے۔

(v) زندگی میں اعتدال پسندی کے معنی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ہیں۔

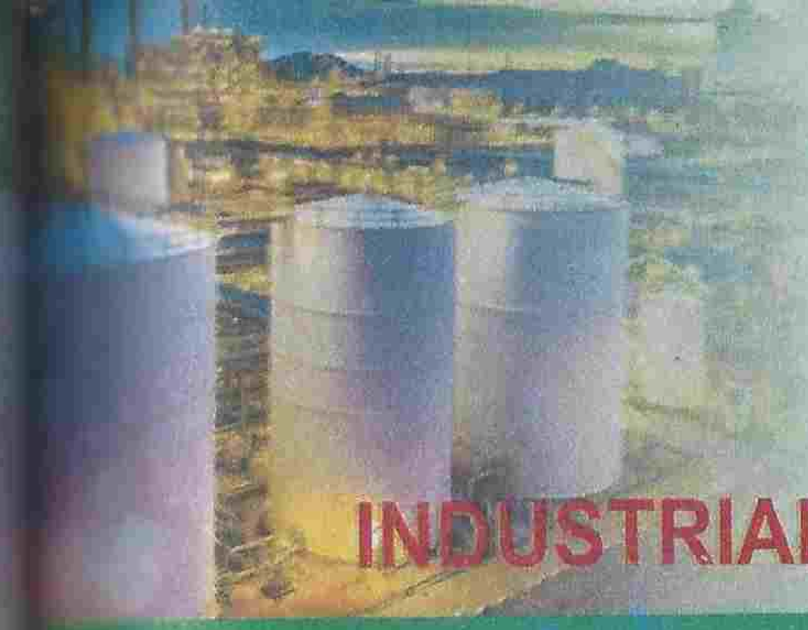

چھٹا باب

پاکستان میں صنعتی ترقی

INDUSTRIAL DEVELOPMENT IN PAKISTAN

1- صنعت کے معنی:

فیکٹریوں میں مشین کے ذریعے تیار ہونے والی اشیا کے کام اور طریقہ عمل کو صنعت کہتے ہیں۔ وسیع تر مفہوم میں صنعت کے معنی یہ ہیں کہ خام مال سے مفید اشیاء تیار کی جائیں جن کی انسانوں کے لیے کچھ افادیت ہو۔

تہذیب و تمدن کے ابتدائی دور میں صنعت جدید دور کی صنعت کے مقابلے میں انتہائی سادہ اور نسبتاً پست سطح کی تھی۔ اس طرح صنعت کا آغاز پست سطح سے ہی ہوا تھا لیکن یہ آہستہ آہستہ پروان چڑھتی گئی اور اب صنعت پیداوار کا ایک بہت بڑا شعبہ اور حصہ ہے۔ کئی مختلف صنعتیں ضم ہو کر ایک اکائی (یونٹ) بن گئی ہیں۔ اس سے بڑے پیمانے پر مال کی تیاری سے پیداواری لاگت کم ہو گئی ہے۔

قومی ترقی کا مفہوم:

اقتصادی اور سماجی شعبوں میں ترقی کا عمل قومی ترقی کہلاتا ہے۔ وسائل دریافت کیے جاتے ہیں اور پھر اُن کو عوام الناس کے زیادہ سے زیادہ فائدے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ عوام کا ایک معیار زندگی ہوتا ہے جو معاشی اور سماجی تحفظ کی ضمانت دیتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ قومی ترقی انسانی اور قدرتی وسائل کی قوت اور استحکام کی عکاسی ہوتی ہے، جن کی بدولت زندگی انتہائی سہل اور پُر آسائش ہو جاتی ہے۔

2- ملکی ترقی کے لیے صنعت کی اہمیت:

کسی ملک کی ترقی کے لیے ایک لازمی جز صنعت بھی ہے۔ زراعت اور قدرتی وسائل کی دریافت کے بعد یہ لازمی ہو گیا تھا کہ ان وسائل سے زیادہ سے زیادہ فیضیاب ہونے کے لیے مشینیں ایجاد کی جائیں۔ خام مال کو دیرپا اور پائیدار اشیائے صرف میں تبدیل کیا جاتا ہے جو انسانوں کے لیے غذا کی تیاری میں مدد کرتی ہیں۔ مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر صنعت کی ایک اہمیت ہے:

(الف) یہ کسی بھی ملک کی اقتصادی ترقی کا ذریعہ ہے کیوں کہ دوسرے شعبوں میں ترقی کا دارومدار بھی صنعتی ترقی پر ہے۔ اُن ممالک کو ترقی یافتہ سمجھا جاتا ہے جو صنعتی طور پر ترقی یافتہ ہیں۔

(ب) اشیائے صرف بڑے پیمانے پر تیار کی جاتی ہیں تاکہ مقامی اور قومی ضرورت کو پورا کیا جا سکے۔ مزید یہ کہ انھیں دوسرے ممالک کو بھی برآمد کیا جاتا ہے تاکہ اپنی کی ضروریات بھی پوری ہو سکیں۔ اس طرح قیمتی زرمبادلہ کمایا جاتا ہے۔

(ج) خام مال سے اشیائے صرف تیار کرنے سے اُس کی قدر بھی بڑھ جاتی ہے۔ خام مال کے طور پر کپاس کی قیمت اُس سے ساختہ سوتی دھاگے یا سوتی کپڑے کے مقابلے میں بہت کم ہوتی ہے۔ اسی طرح سادہ دھات شاید بہت زیادہ قیمتی نہ ہو لیکن اس دھات سے ساختہ اشیاء کی قیمت بہت زیادہ ہوتی ہے۔

(د) لوگوں کو اپنی مہارت اور ہنرمندی کے مطابق روزگار ملتا ہے اور وہ اپنے لیے رزق کماتے ہیں۔

(ہ) صنعت نے انسانوں کے لیے آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔ ریڈیو، ٹی وی، ائرکنڈیشنر اور ریفریجریٹر اور بے شمار دوسری اشیاء لوگوں کے لیے آسائشیں مہیا کرتی ہیں۔

(و) صنعت ملک کو معاشی طور پر مستحکم کرتی ہے۔ مستحکم معیشت سیاسی اور فوجی استحکام میں مددگار ہوتی ہے۔

(ز) ملک خود کفیل اور خوشحال ہو جاتا ہے اور معیار زندگی بلند ہوتا ہے۔

پاکستان کو ورثہ میں ایسا علاقہ ملا تھا جو صنعتی طور پر پسماندہ تھا۔ بڑے بڑے سرمایہ دار غیر مسلم تھے اور اسی لیے انھوں نے مسلم اکثریت کے علاقوں میں صنعتیں قائم نہیں کیں۔ حالانکہ خام مال اور سستی اُجرت یہاں کثرت سے موجود تھی۔ مثال کے طور پر مشرقی بنگال میں ساری دنیا کی پچاس فیصد جوٹ پیدا ہوتا تھا لیکن اس علاقے میں جوٹ کی کوئی صنعت نہیں لگائی گئی جبکہ ہندو اکثریت کے علاقے مغربی بنگال میں دریائے ہگلی کے کنارے پر جوٹ کے تقریباً 100 کارخانے لگائے گئے۔ کپاس مغربی پنجاب (پاکستان) میں پیدا ہوتی تھی لیکن کپڑے کے بڑے بڑے کارخانے بمبئی (ممبئی) اور احمد آباد میں لگائے گئے۔ پاکستان کی آزادی کے وقت کپاس، شکر اور سیمنٹ کے صرف سات کارخانے موجود تھے۔ اس طرح درحقیقت پاکستان نے اپنے سفر کا آغاز انتہائی کمزور صنعتی بنیاد پر کیا۔

صنعتی میدان میں اس پسماندگی کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے حکومت پاکستان نے ملک کو مضبوط اور مستحکم صنعتی بنیاد مہیا کرنے کے لیے کوششیں شروع کر دیں۔ 1948ء میں ایک صنعتی پلان کا اعلان کیا گیا جس میں صنعتی میدان میں نجی سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی کی گئی تھی۔ 1962ء میں حکومت نے "پاکستان صنعتی ترقیاتی کارپوریشن" (پی آئی ڈی سی) قائم کی اور سرکاری سرمایہ کاری کے ذریعے بڑی صنعتیں قائم کی گئیں لیکن 1972ء میں کارخانوں کی دس اقسام (کیٹگری) کو قومی تحویل میں لے لیا گیا۔ حکومت کے اس عمل سے نجی سرمایہ کاروں کے لیے بے اطمینانی اور غیر یقینی کا ماحول پیدا ہو گیا اور وہ صنعتی شعبے میں سرمایہ کاری کرنے سے ہچکچانے اور پرہیز کرنے لگے۔ مگر اب حکومت صنعتوں کی

نجکاری کی کوشش کر رہی ہے۔اس کے علاوہ وہ نجی شعبے کو نئے صنعتی یونٹ لگانے کی اجازت بھی دے رہی ہے۔ بیرونی سرمایہ کاروں کو بھی پاکستان میں سرمایہ کاری کی دعوت دی گئی ہے اور اُن کی حوصلہ افزائی کی جا رہی ہے۔

3۔ صنعتیں:

پاکستان میں صنعتوں کو مندرجہ ذیل اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(1) گھریلو اور چھوٹی صنعتیں

(2) بھاری صنعتیں

(3) دفاعی صنعتیں

1۔ گھریلو اور چھوٹی صنعتیں:

گھریلو اور چھوٹی صنعتیں بہت اہم ہیں کیوں کہ یہ مقامی سطح پر بہت زیادہ روزگار مہیا کرتی ہیں۔ یہ صنعتیں بہت قلیل سرمایہ کاری اور سہل تنظیم سے قائم کی جا سکتی ہیں۔ اگر ان کو مناسب طور سے منظم کیا جائے تو دیہی علاقوں سے شہری علاقوں کی طرف نقل مکانی کو کم کرنے کا بہت عمدہ ذریعہ بن سکتی ہیں۔ ملک کے مختلف علاقوں میں مختلف قسم کی چھوٹی اور گھریلو صنعتیں بے شمار مصنوعات تیار کر رہی ہیں۔ پاکستان میں ان صنعتوں کا کردار بہت نمایاں اور اہم ہے۔ ہزاروں افراد مختلف کاروبار سے وابستہ ہیں اور مقامی اور قومی معیشت میں اپنا حصہ ڈال رہے ہیں۔ پاکستان میں گھریلو اور چھوٹی صنعتیں حسبِ ذیل ہیں۔

(i) قالین بافی کی صنعت:

قالین بافی کے لیے خام مال پاکستان میں موجود ہے۔ ملک کے مختلف حصوں میں قالین تیار کیے جاتے ہیں۔ قالین بافی کے اہم مراکز صوبہ پنجاب میں لاہور، شیخوپورہ، فیصل آباد، ملتان اور جھنگ میں ہیں۔ صوبہ سندھ میں قالین بافی کے مراکز جیکب آباد، سکھر، خیر پور، میرپور خاص، تھرپارکر، عمر کوٹ، حیدر آباد اور کراچی میں واقع ہیں۔

خیبر پختونخوا میں بڑے پیمانے پر قالین بافی کا کام پشاور میں ہوتا ہے اور مقامی سطح پر یہ ایک بہت بڑا پیشہ ہے۔ اسی طرح کوئٹہ (بلوچستان) میں بہت کثیر تعداد میں لوگ قالین بُنتے ہیں۔ پاکستان میں بہت خوبصورت قالین تیار ہوتے ہیں۔ یہ بیرونی ممالک میں بھی بہت مقبول ہیں۔ یہ چھوٹی صنعت قیمتی زرِ مبادلہ بھی کما رہی ہے۔ قالین اُون اور مصنوعی ریشے سے بُنے جاتے ہیں۔

(ii) سوتی پارچہ بافی کی صنعت:

گھریلو اور چھوٹی صنعتوں میں یہ ایک بہت اہم صنعت ہے۔ اس صنعت میں دستی کھڈیاں شامل ہیں جن کا جال پنجاب اور سندھ میں بکھرا ہوا ہے۔ ان دستی کھڈیوں کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ یہ صنعت مقامی روزگار کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ یہ سوتی دستی کھڈیاں مختلف النوع خوبصورت کھیس، چادریں، سوتی شالیں اور دریاں وغیرہ تیار کرتی ہیں۔ سوتی پارچہ بافی کے اہم مراکز پنجاب میں فیصل آباد، ملتان، لاہور، گوجرانوالہ، سرگودھا اور سیالکوٹ میں ہیں اور سندھ میں حیدر آباد اور سکھر سوتی پارچہ بافی کے مراکز ہیں۔

(iii) چمڑے کی صنعت:

چرم سازی پاکستان کی ایک اہم صنعت ہے۔ کئی طرح کے جوتے، سوٹ کیس، قناتیں، بستر بند، دستی (ہینڈ) بیگ اور چمڑے کی دیگر اشیاء ملک کے مختلف علاقوں میں تیار کی جاتی ہیں۔ چمڑے کی مصنوعات سندھ میں کراچی اور حیدر آباد، پنجاب میں لاہور، قصور، سیالکوٹ، گوجرانوالہ، شیخوپورہ اور ملتان اور خیبر پختونخوا میں پشاور اور سوات میں تیار کی جاتی ہیں۔ بلوچستان میں چمڑے کو رنگنے کا کام ہوتا ہے۔ لوگوں ایک بہت بڑی تعداد اس صنعت سے وابستہ ہے۔

(iv) کھیلوں کے سامان کی صنعت:

کھیلوں کا سامان تیار کرنے کے لیے مطلوبہ خام مال پاکستان کے چند خاص علاقوں میں کافی مقدار میں پایا جاتا ہے۔ کھیلوں کا سامان تیار کرنے کے لیے نرم لکڑی اور چمڑا درکار ہوتے ہیں۔ کھیلوں کا سامان سیالکوٹ اور لاہور میں تیار ہوتا ہے۔ یہ اشیاء زرِ مبادلہ کمانے کا بھی بہت اچھا ذریعہ ہیں۔ پاکستانی ساختہ ہاکی، کرکٹ کے بلے اور گیندیں، فٹبال اور ریکٹ غیر ممالک میں بہت مقبول ہیں۔

(v) کاردگری (کٹلری) کی صنعت:

مختلف انداز کی کٹلری (چھری، کانٹے اور چمچے وغیرہ) پنجاب میں وزیر آباد، سیالکوٹ، گوجرانوالہ، گجرات اور لاہور میں بنائے جاتے ہیں۔ یہ ملک کے لیے زرِ مبادلہ کمانے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہیں۔

(vi) کشیدہ کاری و کروشیے کی صنعت:

کشیدہ کاری اور کروشیے کا کام پاکستان کے لیے وجہ افتخار ہیں۔ یہ پاکستان کا ایک انتہائی مقبول ہنر ہے۔ ریشمی دھاگے سے پھولوں کی کشیدہ کاری بہت مشہور و معروف ہے اور لوگ اس کی جانب راغب ہوتے ہیں۔ پنجاب، سندھ اور

بلوچستان میں یہ کام ہوتا ہے۔ سندھ اور بلوچستان میں بلوچی کام یا بلوچی فن بڑے پیمانے پر ہوتا ہے۔ اس کام میں خوبصورتی اور حسن پیدا کرنے کے لیے کپڑے پر چھوٹے چھوٹے شیشے ریشمی دھاگے سے پروئے جاتے ہیں۔ سندھ اور بلوچستان میں کشیدہ کاری کے اہم مراکز لاڑکانہ، دادو، شکارپور، نواب شاہ اور خضدار میں واقع ہیں۔ سندھ اور بلوچستان میں یہ بے شمار خاندانوں کا بہت مقبول پیشہ ہے۔ اسی طرح پنجاب اور سندھ کے بڑے شہروں میں وسیع پیمانے پر 'ململی ستارہ' کا کام بھی ہوتا ہے۔ صوبہ خیبر پختونخوا میں پشاور، ڈیرہ اسماعیل خان، کوہاٹ اور نوشہرہ میں کپڑوں پر پھول نکالنے اور چمڑے اور کپڑوں پر زری (سنہری کشیدہ کاری) کا کام کیا جاتا ہے۔

2۔ بھاری صنعتیں:

یہ صنعتیں مندرجہ ذیل ہیں:

(i) کپڑے کی صنعت:

یہ صنعت پاکستانی معیشت کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ پاکستان میں کثیر تعداد میں کپڑے کے بڑے اور چھوٹے کارخانے ہیں۔ ان کارخانوں میں بہت نفیس اقسام کے کپڑے تیار کیے جاتے ہیں۔ پاکستان سوتی کپڑے کی صنعت میں خود کفیل ہو گیا ہے۔ ہر سال سوتی کپڑوں اور دھاگے کی برآمد سے کروڑوں روپے زرمبادلہ کمایا جاتا ہے۔ سوتی کپڑے کی صنعت کے اہم مراکز پنجاب میں فیصل آباد، لاہور اور ملتان اور سندھ میں کراچی اور حیدرآباد ہیں۔ خیبر پختونخوا میں یہ مراکز پشاور، ڈیرہ اسماعیل خان، نوشہرہ، بنوں، ہری پور اور سوات میں واقع ہیں۔ بلوچستان میں کپڑے کی صنعت کے دو مراکز اُتھل اور کوئٹہ ہیں۔

پاکستان کے صنعتی مزدوروں کی تقریباً پچاس فیصد تعداد سوتی کپڑے کی صنعت سے وابستہ ہے۔ پاکستان کی آزادی کے وقت ملک میں سوتی کپڑے کے صرف تین کارخانے تھے۔ اُس کے مقابلے میں اب کپڑے کے تقریباً 500 کارخانے کام کر رہے ہیں۔

پاکستان میں اونی کپڑے کی صنعت بھی پائی جاتی ہے لیکن اس قدر افزودہ اور خوشحال نہیں ہے جتنی سوتی کپڑے کی صنعت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پاکستان میں پائے جانے والی اُون بہت اعلیٰ معیار کی نہیں ہے۔ اس لیے ہماری اُون کا زیادہ تر حصہ قالین سازی میں استعمال ہوتا ہے۔ پاکستان میں اُونی کپڑے کے بڑے بڑے کارخانوں کے مراکز سندھ میں کراچی، پنجاب میں راولپنڈی کے نزدیک لارنس پور، لاہور اور قائد آباد، بلوچستان میں ہرنائی، مستونگ اور خیبر پختونخوا میں بنوں، نوشہرہ میں واقع ہیں جہاں اُونی کپڑا، کمبل اور اُونی دھاگہ تیار ہوتا ہے۔ اس وقت پورے ملک میں اونی کپڑے کے تقریباً 70 کارخانے ہیں۔ لارنس پور اور کراچی کے اُونی کپڑے کے کارخانے بہت معیاری اونی کپڑے تیار کرتے ہیں۔

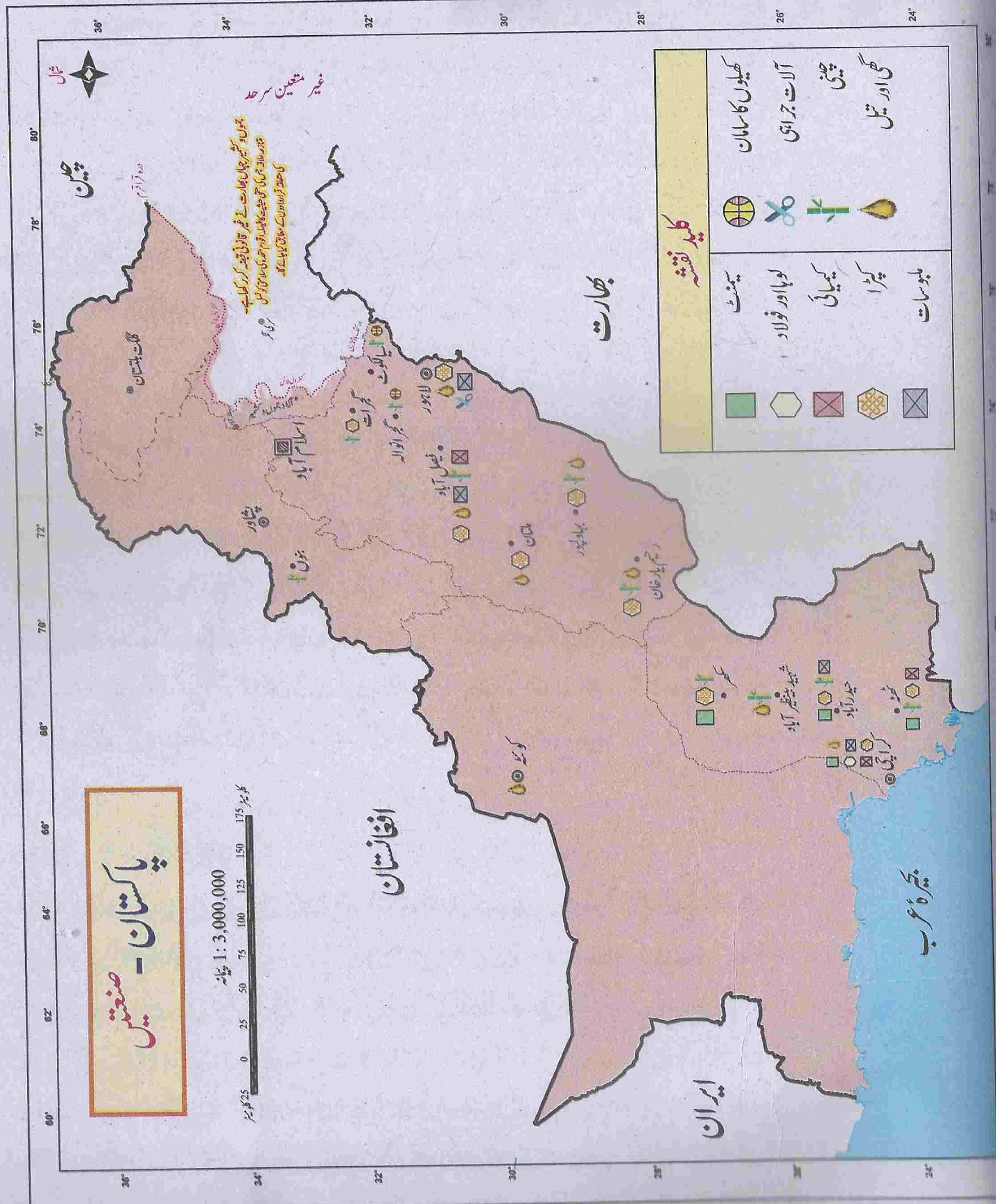

پاکستان میں ریشمی کپڑے کی صنعت بھی ہے۔ ریشمی کپڑا بنے کے لیے دو اقسام کے ریشم استعمال کیے جاتے ہیں۔ پہلا قدرتی ریشم جو ریشم کے کیڑوں سے حاصل ہوتا ہے۔ دوسرا مصنوعی ریشم جو تالیفی ریشم بھی کہلاتا ہے۔ قدرتی ریشم ناپید ہوتے جارہا ہے اسی طرح بہت زیادہ مہنگا اور گراں ہو گیا ہے۔ اس لیے مصنوعی ریشم مقبولیت حاصل کرتا جارہا ہے۔ لاہور کے قریب کالاشاہ کاکو میں ایک ریشم کا کارخانہ کام کر رہا ہے جہاں مصنوعی ریشم تیار ہوتا ہے۔ اس کو ریان کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ خام ریشم اور ریشمی دھاگہ اور ریشہ بیرونی ممالک سے بھی درآمد کیا جاتا ہے۔ کراچی ریشمی کپڑے کی صنعت کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ اس کے علاوہ ریشمی کپڑا فیصل آباد، لاہور، ملتان، گوجرانوالہ، پشاور، سوات، سکھر اور حیدر آباد میں بھی تیار کیا جاتا ہے۔

(ii) چینی کی صنعت:

یہ ملک کی بڑی صنعتوں میں سے ایک ہے۔ 1947ء میں پاکستان نے چینی کے صرف دو کارخانوں سے اپنے سفر کا آغاز کیا تھا۔ ایک کارخانہ صوبہ پنجاب میں گوجرانوالہ کے نزدیک راہوالی میں اور دوسرا صوبہ خیبر پختونخوا میں تخت بائی کے مقام پر تھا۔ چینی گنے سے حاصل کی جاتی ہے جو تینوں صوبوں یعنی پنجاب، سندھ اور خیبر پختونخوا میں بڑی مقدار میں کاشت کیا جاتا ہے۔ اس لیے حکومت نے اُن علاقوں میں چینی کے کارخانے لگانے کا فیصلہ کیا جہاں گنا کاشت کیا جاتا ہے۔ ملک میں 78 چینی کے کارخانے ہیں (40 پنجاب، 32 سندھ، 6 خیبر پختونخوا میں) جن کی پیداواری صلاحیت 5 ملین ٹن ہے۔ شکر کی پیداوار میں پاکستان نہ صرف خود کفیل ہے بلکہ چینی کی برآمد سے قیمتی زرمبادلہ بھی کمایا جارہا ہے۔ پاکستان کی شکر سب سے اعلیٰ معیار کی ہے۔

(iii) سیمنٹ کی صنعت:

سیمنٹ سازی کے لیے چونے کا پتھر اور جپسم استعمال کیا جاتا ہے۔ خوش قسمتی سے پاکستان میں چونے کے پتھر اور جپسم دونوں کے وسیع ذخائر پائے جاتے ہیں۔ اسی لیے سیمنٹ سازی کے بڑے بڑے کارخانے سرکاری اور نجی شعبے میں قائم کیے گئے ہیں۔ سرکاری شعبے کے کارخانوں کا نظم ونسق پاکستان اسٹیٹ سیمنٹ کارپوریشن کے سپرد ہے۔ سیمنٹ سازی کے کارخانے پاکستان میں اسلام آباد (وفاقی علاقہ) اور پنجاب میں ڈنڈوت، واہ، داؤد خیل، راولپنڈی اور ڈیرہ غازی خان اور سندھ میں کراچی، حیدرآباد، ٹھٹھہ، نوری آباد، روہڑی اور خیبر پختونخوا میں کوہاٹ، ہری پور اور نوشہرہ اور بلوچستان میں درواز اور گڈانی میں قائم ہیں۔

سیمنٹ کی پیداوار میں پاکستان تقریباً خود کفیل ہے۔ 1947ء میں آزادی کے وقت پاکستان کے پاس

سیمنٹ سازی کا صرف ایک کارخانہ تھا۔ اُس کے مقابلے میں سیمنٹ سازی کے اب 25 کارخانے کام کر رہے ہیں جن میں 21 کارخانے نجی شعبے میں اور 4 کارخانے سرکاری شعبے میں ہیں۔ ان سب کی پیداواری صلاحیت 17.7 ملین ٹن ہے۔

(iv) خوردنی تیل اور بناسپتی گھی کی صنعت:

ابتدا میں یہ صنعت نجی شعبے میں قائم ہوئی۔ 1973ء میں اس صنعت کو قومی تحویل میں لے لیا گیا۔ 26 کارخانوں میں سے 23 کارخانے قومی تحویل میں لے لیے گئے اور اُنھیں گھی کارپوریشن آف پاکستان کے سپرد کر دیا گیا۔ بناسپتی گھی کی صنعت کے لیے خام مال (خام خوردنی تیل) درآمد کیا جاتا ہے۔ کیونکہ مقامی خام مال کافی نہیں ہے، اس لیے اس صنعت میں استعمال کیے جانے والے خوردنی تیل بنانے کے کارخانے پورے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ کارخانے سندھ میں کراچی، حیدرآباد، سکھر اور شہید بینظیر آباد (نواب شاہ) میں اور پنجاب میں رحیم یار خان، بہاولپور، لاہور، ملتان، فیصل آباد اور راولپنڈی میں، خیبر پختونخوا میں نوشہرہ، ہری پور اور دگئی میں اور بلوچستان میں ڈیرہ مراد جمالی اور کوئٹہ میں ہیں۔ پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد میں بھی خوردنی تیل اور گھی کے چند کارخانے ہیں۔ یہ صنعت اب مکمل طور پر نجی شعبے کے حوالے ہے۔ اس وقت ملک میں گھی اور خوردنی تیل کے تقریباً 160 کارخانے کام کر رہے ہیں اور ان کی پیداواری صلاحیت 2.7 ملین ٹن ہیں۔

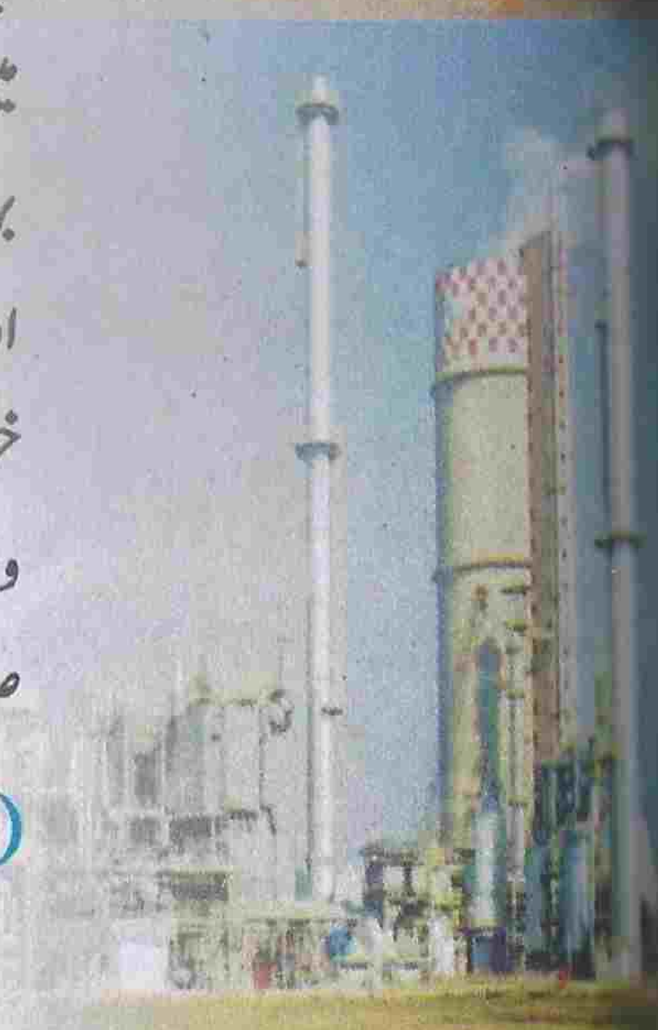

(v) کیمیائی کھاد کی صنعت:

یہ صنعت زرعی پیداوار کے لیے مطلوبہ کیمیائی کھاد کی ضروریات کو پورا کر رہی ہے۔ مختلف مقامات پر قائم کھاد کے مختلف کارخانوں سے کئی طرح کی کیمیائی کھاد تیار کی جاتی ہے۔ پاکستان میں اس وقت ضرورت سے زائد کیمیائی کھاد تیار ہورہی ہے جو دوسرے ممالک کو برآمد کردی جاتی ہے۔ ملک میں 10 کیمیائی کھاد کے کارخانے ہیں (5 پنجاب میں، 3 سندھ میں اور 2 خیبر پختونخوا میں)۔ ان کی جملہ پیداواری صلاحیت 5.6 ملین ٹن ہے۔

(3) دفاعی صنعت:

دفاعی صنعت بھی بھاری صنعت کی صف میں شمار ہوتی ہے۔ اس صنعت میں لوہے اور فولاد کی صنعت، ہیوی میکینیکل کمپلیکس اور جہاز سازی کی صنعت شامل ہے۔ ذیل میں اُن کے بارے میں جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

(i) لوہے اور فولاد کی صنعت:

لوہے اور فولاد کی صنعت کا دارومدار لوہے کی معدن پر ہے۔ خام لوہے کی معدن کے ذخائر پنجاب میں کالا باغ اور مکڑوال میں، خیبر پختونخوا میں لنگریال میں اور بلوچستان میں خضدار، زیارت، چل غازی اور نوکنڈی میں پائے جاتے ہیں۔ لیکن یہ ذخائر ملک کی ضروریات کے لیے کافی نہیں ہیں اِس لیے ہمیں درآمد شدہ لوہے اور فولاد پر انحصار کرنا ہوتا ہے۔ اس کے باوجود لوہے اور فولاد کی پیداوار اور ان کی مصنوعات کے لیے دو بہت بڑے صنعتی ادارے قائم کیے گئے ہیں۔ یہ صنعتیں ذیل کے مطابق ہیں۔

پاکستان اسٹیل ملز، کراچی:

یہ کارخانہ کراچی سے 40 کلومیٹر کے فاصلے پر پورٹ بن قاسم کے مقام پر لگادیا ہے۔ یہ 1973ء میں روس (سابقہ یونین آف سوویت سوشلسٹ ری پبلکس۔ یو۔ ایس۔ ایس۔ آر) کے تعاون سے تعمیر کیا گیا۔ اس کارخانے میں پگ آئرن (کچا لوہا)، لوہے کی چادریں اور کول تار (یا تار کول) وغیرہ تیار کی جاتی ہیں۔ اس کارخانے کے قائم ہونے سے نہ صرف ہزاروں افراد کو روزگار میسر آیا ہے بلکہ کثیر زرِ مبادلہ بھی بچالیا گیا ہے۔

ہیوی میکینکل کمپلکس، ٹیکسلا:

چین کے تعاون سے 1968ء میں ٹیکسلا کے مقام پر ہیوی میکینکل کمپلکس قائم کیا گیا۔ اس کارخانے سے ریلوے انجن، شکر سازی کے کارخانے، سیمنٹ فیکٹریز، کپڑا بننے کی مشینری، مصنوعی کھاد کے کارخانوں، ٹرکوں اور فاضل پرزہ جات کی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ ٹیکسلا کمپلکس کے قیام سے ہماری فولاد اور مشینوں کی درآمد بہت کم ہوگئی ہے اور وہ کثیر زرِ مبادلہ بچالیا جاتا ہے، جو مختلف قسم کی مشینوں اور فاضل پرزہ جات کی درآمد پر خرچ کیا جاتا ہے۔

(ii) جہاز سازی کی صنعت:

جہاز سازی کا ایک کارخانہ کراچی شپ یارڈ انجینئرنگ ورکس لمیٹڈ کے نام سے کراچی میں 1956ء میں قائم کیا گیا ہے۔ اس میں مختلف النوع جہاز تیار کیے جاتے ہیں۔ یہ شپ یارڈ بحری جہازوں کی مرمت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس کارخانے میں نہ صرف ملکی جہاز بنانے اور اُن کی مرمت کا کام کیا جاتا ہے بلکہ دوسرے ملکوں کے لیے جہاز اور ماہی گیری کے لیے کشتیاں بھی تیار کی جاتی ہیں۔ جہاز سازی کی صنعت ایک طویل عرصے میں پروان چڑھی ہے اور اب یہ اس قابل ہے کہ ملکی ضروریات کو پورا کر سکے۔

(iii) ہتھیار اور اسلحہ سازی کی صنعت:

ہتھیار اور اسلحہ سازی کا پہلا کارخانہ راولپنڈی کے قریب واہ میں قائم کیا گیا تھا۔ فضائی دفاعی سامان خیبر پختونخوا میں حویلیاں میں اور پنجاب میں کامرہ میں تیار ہوتا ہے۔ کچھ دفاعی مشینیں، مشین ٹول فیکٹری، لانڈھی (کراچی) میں بھی بنتی ہیں۔ اس طرح پاکستان میں اب میزائل بھی تیار ہونے لگے ہیں۔ روایتی اور جدید پیچیدہ ہتھیاروں اور اسلحہ سازی میں اب پاکستان تقریباً خود کفیل ہوگیا ہے۔

4۔ ذرائع آمدورفت و نقل و حمل:

ذرائع آمدورفت سے مراد وہ ذرائع ہیں جن کی بدولت افراد سفر کر سکتے ہیں اور اشیاء کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر سکتے ہیں۔ یہ ذرائع قدیم بھی ہیں اور جدید بھی۔ قدیم ذرائع آمدورفت میں سڑکیں اور بحری سفر شامل ہیں۔ سڑکوں پر سفر کے لیے، سادہ گاڑیاں استعمال ہوتی تھیں جنھیں گھوڑے، گدھے یا بیل کھینچتے تھے۔ لوگ پیدل بھی سفر کرتے تھے۔ یہ سڑکیں بہت آرام دہ نہیں ہوتی تھیں، ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچنے میں بہت وقت لگتا تھا۔ ہوا کی سمت میں چلنے والی بحری (بادبانی) کشتیاں اور چھوٹے جہاز استعمال کیے جاتے تھے جو بہت زیادہ محفوظ نہیں تھے۔

سائنس اور فنیات (ٹیکنالوجی) کے فروغ کے ساتھ ہی ذرائع آمدورفت بہت بہتر ہوگئے ہیں۔ سڑکیں تعمیر کی گئی ہیں اور انھیں کنکریٹ اور تارکول سے پختہ کیا گیا ہے۔ موٹر کاروں نے گاڑیوں اور جانوروں کی جگہ لے لی ہے۔ کشتیوں کی جگہ جدید بحری جہاز آگئے ہیں۔ اب فضا کے ذریعے بھی سفر ہوتا ہے۔ ان تمام ذرائع آمدورفت کی اپنی اپنی اہمیت ہے۔

کسی بھی ملک کی ترقی کے لیے ذرائع آمدورفت کی بہت اہمیت ہے۔ یہ معاشی ترقی میں مدد دیتے ہیں۔ ان کی مدد سے خام مال کارخانوں تک پہنچایا جاتا ہے اور تیار شدہ مال منڈیوں تک لے جایا جاتا ہے۔ ان سے بے روزگاری میں کمی واقع ہوتی ہے۔ کیوں کہ لوگ دور دراز کے مقامات پر بھی ملازمت کر سکتے ہیں اور بکثرت سفر کر سکتے ہیں۔ مختصر یہ کہ ذرائع آمدورفت درج ذیل مقاصد میں مدد کرتے ہیں۔

(i) ملک کی زراعت اور صنعت کو فروغ دینا۔
(ii) مقامی، قومی اور بین الاقوامی تجارت کو فروغ دینا۔
(iii) لوگوں کے ملک کے مختلف علاقوں میں سفر سے اتحاد اور قومی یکجہتی اور بھائی چارے کو پروان چڑھانا۔
(iv) مسلح افواج کی تیز رفتار حرکت سے ملک کے دفاع کو مضبوط اور مستحکم کرنا۔
(v) علوم وفنون کو فروغ دینا اور اُن کے فائدے ملک کے دوسرے حصوں تک پہنچانا۔
(vi) ملک میں امن وامان برقرار رکھنے میں مدد کرنا اور سیلاب، زلزلہ اور آگ لگ جانے جیسی قدرتی آفات کی صورت میں جلد از جلد امداد پہنچانا۔

پاکستان میں تینوں اقسام کے یعنی بری (سڑکوں اور ریلوے کے ذریعے)، بحری اور فضائی ذرائع آمدورفت موجود ہیں۔ آئیے ہم اپنے ذرائع آمدورفت کا ایک جائزہ لیتے ہیں۔

(1) سڑکیں:

پاکستان میں سڑکیں ذرائع آمدورفت اور نقل وحمل کا ایک اہم ذریعہ ہیں۔ سڑکیں مختلف شہروں کو ایک دوسرے سے ملاتی ہیں۔ سڑکیں سفر کرنے اور سامان کی نقل وحمل کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ پاکستان میں پختہ سڑکیں بھی ہیں اور کچی بھی، خراب موسم میں کچی یا نیم پختہ سڑکوں پر سفر آسان نہیں ہوتا ہے۔

پاکستان میں سڑکوں کی کل لمبائی 259758 کلومیٹر ہے۔ ان میں سے اچھی سڑکیں اور شاہراہیں 162879 کلومیٹر ہیں اور باقی سڑکیں معمولی قسم کی ناہموار اور کچی ہیں۔ پاکستان کی اہم سڑکیں اور شاہراہیں مندرجہ ذیل ہیں:

(i) قومی شاہراہ (شاہراہِ پاکستان):

یہ پاکستان کی سب سے قدیم اور سب سے اہم شاہراہ ہے۔ اس کی لمبائی 1735 کلومیٹر ہے۔ یہ کراچی سے شروع ہو کر پشاور اور تورخم تک جاتی ہے۔ یہ شاہراہ اس سڑک پر واقع مختلف شہروں مثلاً حیدرآباد، خیرپور، سکھر، بہاولپور، ملتان، لاہور، راولپنڈی اور پشاور کو آپس میں ملاتی ہے۔ ان شہروں میں سے ہر ایک چھوٹے شہروں سے مزید چھوٹی سڑکوں کے ذریعے ملے ہوئے ہیں۔ لاہور اور پشاور کے درمیان اس شاہراہ کا ایک حصہ جرنیلی سڑک (گرانڈ ٹرنک روڈ یا جی ٹی روڈ) کہلاتا ہے۔

(ii) کراچی، کوئٹہ شاہراہ براستہ خضدار:

یہ شاہراہ کراچی کو صوبہ بلوچستان کے دور دراز علاقوں سے ملاتی ہے۔ اس شاہراہ پر واقع بڑے شہروں میں لسبیلہ، وادھ، خضدار، قلات اور کوئٹہ ہیں۔ یہ ایک پختہ سڑک ہے۔ اس کی لمبائی تقریباً 816 کلومیٹر ہے۔

(iii) کراچی، کوئٹہ شاہراہ براستہ جیکب آباد:

یہ ایک پختہ سڑک ہے جو کراچی کو کوئٹہ سے ملاتی ہے۔ یہ شاہراہ کراچی، کوٹری، دادو، لاڑکانہ، جیکب آباد، سبی اور کوئٹہ سے گزرتی ہے۔ اس کی لمبائی 762 کلومیٹر ہے۔

(iv) کوئٹہ، پشاور شاہراہ:

یہ شاہراہ پشاور کو کوئٹہ سے ملاتی ہے۔ یہ شاہراہ کوئٹہ، مسلم باغ، قلعہ سیف اللہ، ژوب، بنوں، کوہاٹ اور پشاور سے گزرتی ہے۔ اس کی لمبائی 535 کلومیٹر ہے۔

(v) کوئٹہ، ملتان شاہراہ براستہ لورالائی:

یہ پختہ سڑک کوئٹہ کو ملتان سے ملاتی ہے۔ یہ شاہراہ کوئٹہ، مسلم باغ، قلعہ سیف اللہ، لورالائی، فورٹ منرو، ڈیرہ غازی خان، مظفرگڑھ اور ملتان سے گزرتی ہے۔ ملتان سے یہ قومی شاہراہ (شاہراہِ پاکستان) سے مل جاتی ہے جو کراچی سے لاہور تک جاتی ہے۔

(vi) اٹک، ملتان شاہراہ:

یہ سڑک ملتان، بھکر، میانوالی اور اٹک سے گزرتی ہوئی ملتان کو اٹک سے ملاتی ہے۔

(vii) علاقائی تعاون برائے ترقی (آر۔سی۔ڈی) شاہراہ:

یہ شاہراہ پاکستان کو ایران اور ترکی سے ملاتی ہے۔ اس کا آغاز کراچی سے ہوتا ہے اور یہ لسبیلہ، وادھ، خضدار، قلات، نوشکی، نوکنڈی اور تافتان سے ہوتی ہوئی ایران اور ترکی تک جاتی ہے۔

(viii) انڈس ہائی وے:

دریائے سندھ کے مغربی دائیں کنارے کے ساتھ ساتھ یہ شاہراہ پشاور کو کراچی سے ملاتی ہے۔ یہ پاکستان کی دوسری طویل ترین شاہراہ ہے۔ یہ شاہراہ پشاور سے کراچی تک براستہ کوہاٹ بنوں، ڈیرہ اسماعیل خان، ڈیرہ غازی خان، کشمور، شکارپور، لاڑکانہ، دادو، سیہون اور جامشورو سے گزرتی ہے۔

(ix) کراچی، حیدرآباد سپر ہائی وے:

یہ شاہراہ کافی چوڑی اور پائیدار ہے۔ اس کی لمبائی تقریباً 170 کلومیٹر ہے۔ اس شاہراہ کی تعمیر سے کراچی اور حیدرآباد کے درمیان سفر کے فاصلے میں کمی واقع ہوئی ہے کیوں کہ قومی شاہراہ کے راستے کراچی اور حیدرآباد کے درمیان فاصلہ بہت زیادہ تھا۔ اب اس ہائی وے کو موٹروے میں تبدیل کیا گیا ہے۔

(x) لاہور، اسلام آباد موٹروے:

لاہور سے اسلام آباد تک یہ شاہراہ اربوں روپے کی لاگت سے تعمیر کی گئی ہے۔ اس کو عام طور سے موٹروے کہا جاتا ہے۔ اس کی لمبائی 367 کلومیٹر ہے۔ یہ شاہراہ بین الاقوامی معیار کی ہے۔ اس کی دونوں اطراف میں تین تین قطاریں (راستے) ہیں۔ لاہور سے شروع ہو کر اس شاہراہ پر پنڈی بھٹیاں، کوٹ مومن، سالم، بھیرہ، کلر کہار، بالکسر، چکری اور اسلام آباد واقع ہیں۔ پنڈی بھٹیاں پر یہ ایک اور سڑک کے ذریعے فیصل آباد کو ملاتی ہے۔ موٹروے اب پشاور تک وسیع کیا گیا ہے اور اسلام آباد سے پشاور تک اس کی لمبائی 155 کلومیٹر ہے۔

حکومتِ پاکستان نے نیشنل ہائی وے اتھارٹی (مقتدرہ قومی شاہراہ) کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا ہے۔ اس کا اہم مقصد یہ ہے کہ وہ آمد و رفت اور نقل و حمل کے نظام کو بہتر کرے۔ اس ادارے نے ملک کے مختلف حصوں میں سڑکوں اور شاہراہوں کی تعمیر کے چند نئے منصوبوں پر کام شروع کر دیا ہے تاکہ اُن حصوں میں رابطہ پیدا کر کے اُن کے مابین فاصلے کم کیے جائیں۔

(2) ریلوے:

پاکستان میں آمد و رفت کے دوسرے ذرائع میں ریلوے شامل ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد ریلوے نے سفر اور نقل و حمل کی سہولتیں مہیا کر کے نہایت اہم کردار ادا کیا ہے۔ سڑکوں کے مقابلے میں ریل کا سفر نسبتاً زیادہ محفوظ اور تیز رفتار ہے۔ پاکستان ریلوے کا پیچیدہ جال 7791 کلومیٹر لمبائی کی پٹریوں پر بچھا ہوا ہے۔ اس کے 815 اسٹیشن اور 46 ٹرین ہالٹ ہیں۔ اس کے بڑے اثاثوں میں 580 انجن، 2275 مسافروں کے ڈبے اور 21732 مال بردار ڈبے ہیں۔ کیوں کہ یہ تمام اثاثے پرانے ہو چکے ہیں، اس لیے حکومت اُن کی تجدید کرنے اور اُنہیں تبدیل کرنے پر توجہ دے رہی ہے۔

ان راستوں پر کئی ٹرینیں چلتی ہیں۔ ریلوے کے اہم راستے حسبِ ذیل ہیں۔

(i) پشاور سے کراچی براستہ راولپنڈی، لاہور اور روہڑی:

یہ پاکستان کی سب سے بڑی ریلوے لائن ہے۔ یہ پشاور سے شروع ہو کر کراچی پر ختم ہوتی ہے۔ اس کی کل لمبائی 1672 کلومیٹر ہے۔ یہ ریلوے لائن کئی بڑے شہروں سے گزرتی ہے، جن میں پشاور، نوشہرہ، راولپنڈی، جہلم، گجرات، گوجرانوالہ، لاہور، ساہیوال، خانیوال، ملتان، بہاولپور، رحیم یار خان، روہڑی، نواب شاہ، شہداد پور، حیدرآباد، کوٹری، جنگ شاہی اور کراچی ہیں۔

(ii) کوئٹہ سے زاہدان:

کوئٹہ سے ایک ریلوے لائن اسپیزنڈ، نوشکی اور دال بندین سے ہوتی ہوئی بالآخر ایران کے سرحدی قصبے زاہدان تک جاتی ہے۔

(iii) روہڑی سے کوئٹہ:

یہ ریلوے لائن پشاور سے کراچی جانے والی اصل لائن سے روہڑی ریلوے جنکشن سے مڑ جاتی ہے اور پھر روہڑی

سے سکھر، حبیب کوٹ، شکارپور، جیکب آباد اور سبی سے ہوتی ہوئی کوئٹہ تک جاتی ہے۔

(iv) ملتان سے جیکب آباد براستہ ڈیرہ غازی خان:

پشاور سے کراچی جانے والی ریلوے لائن ملتان سے مڑ جاتی ہے اور پھر وہ براستہ مظفر گڑھ، کوٹ اَدّو، ڈیرہ غازی خان اور کشمور سے ہوتی ہوئی جیکب آباد تک جاتی ہے۔ جیکب آباد پر یہ کراچی سے کوئٹہ جانے والے ریلوے لائن سے مل جاتی ہے۔

(v) کوئٹہ سے ژوب:

کوئٹہ سے ایک ریلوے لائن بوستان، مسلم باغ اور قلعہ سیف اللہ سے ہوتی ہوئی ژوب تک جاتی ہے۔

(vi) کراچی سے فیصل آباد:

یہ ریلوے لائن جو کراچی سے شروع ہو کر لاہور اور پشاور تک جاتی ہے، خانیوال پر مڑ جاتی ہے اور فیصل آباد چلی جاتی ہے۔

(vii) راولپنڈی سے فیصل آباد براستہ وزیر آباد:

یہ ریلوے لائن راولپنڈی سے فیصل آباد تک براستہ جہلم، گجرات اور وزیر آباد جاتی ہے۔ وزیر آباد سے یہ ایک اور پٹڑی کے ذریعے منڈی بہاؤالدین اور سرگودھا سے گزرتی ہوئی فیصل آباد پہنچتی ہے۔

(viii) پشاور تا کراچی براستہ راولپنڈی، فیصل آباد:

ایک ریلوے لائن جو راولپنڈی سے شروع ہوتی ہے، وزیر آباد پر مڑ جاتی ہے اور مزید آگے فیصل آباد اور خانیوال الودھراں تک جاتی ہے۔ یہاں سے یہ کراچی سے پشاور کے اصل راستے سے مل جاتی ہے۔

ان کے علاوہ ملتان اور راولپنڈی کے درمیان اور راولپنڈی تا کوہاٹ ریلوے لائن کی ایک دوسری شاخ بھی ہے۔ ریلوے کے چند راستے بند کر دیے گئے ہیں کیوں کہ یہ ریلوے کے وسائل پر بوجھ بن گئے تھے۔

(3) فضائی راستے:

پاکستان کے بعض حصوں تک رسائی یا پہنچ صرف فضائی سفر کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ مثال کے طور پر شمالی علاقہ جات تک سڑکوں کے مقابلے میں فضائی سفر کرنا آسان ہے۔ اسی طرح بلوچستان کے بعض حصوں مثلاً سبی، گوادر اور تربت تک سڑکوں کے ذریعے سفر کرنا بہت مشکل اور دشوار ہے۔ فضائی سفر ایک تیز رفتار ذریعہ ہے۔ فاصلے

صرف چند گھنٹوں میں طے ہو جاتے ہیں۔ پاکستان میں فضائی کمپنی 1955ء میں قائم ہوئی تھی جو پاکستان انٹرنیشنل ایئر لائنز (پی۔آئی۔اے) کے نام سے معروف ہے۔ اس کمپنی نے بڑی تیزی سے ترقی کی اور اندرونِ ملک اور بیرون ملک پروازوں کا ایک وسیع جال بچھا دیا۔ جن شہروں میں اندرونِ ملک پرواز کا نظام قائم ہے وہ یہ ہیں: کراچی، سکھر، نواب شاہ، موئن جو دڑو، لاہور، اسلام آباد، پشاور، کوئٹہ، ملتان، فیصل آباد، سرگودھا، میانوالی، ڈیرہ اسماعیل خان، گلگت، اسکردو، چترال، بنّی، گوادر اور تربت۔ نئے ہوائی اڈے تعمیر ہو رہے ہیں اور پرانے ہوائی اڈوں کی تجدید و توسیع ہو رہی ہے۔ پاکستان میں کم و بیش 44 بڑے اور چھوٹے ہوائی اڈے ہیں جن میں سے اس وقت 37 ہوائی اڈے فعال ہیں۔ پی آئی اے کے پاس اس وقت چالیس طیاروں کا بیڑہ ہے۔ اس وقت پاکستان میں چار ہوائی کمپنیاں ہیں۔ پی آئی اے، ایرو ایشیا، شاہین اور بلو ایئر لائنز۔ پی آئی اے کچھ نئے طیارے بھی خرید رہی ہے۔ پاکستان انٹرنیشنل ایئر لائنز کی بین الاقوامی پروازوں کا سلسلہ دنیا کے تمام اہم ممالک سے جڑا ہوا ہے۔ ان ممالک میں ریاست ہائے متحدہ امریکا (یو۔ایس۔اے)، برطانیہ (یو۔کے)، فرانس، کینیڈا، جرمنی، جاپان، سعودی عربیہ، متحدہ عرب امارات، چین، بھارت، ملائیشیا، سنگاپور اور کئی دوسرے ممالک شامل ہیں۔

(4) بحری راستے:

پاکستان میں اندرونِ ملک آمد و رفت کے لیے آبی گزرگاہوں کا استعمال بہت کم ہے۔ ہمارے دریاؤں میں موسم کے اعتبار سے پانی کا بہاؤ بدلتا رہتا ہے جس کی وجہ سے انھیں باقاعدہ اور مستقل ذرائع نقل و حمل کے طور پر استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ آج کل لوگ سمندری سفر کو پسند نہیں کرتے ہیں البتہ بحری راستے تجارت کے لیے بہت مقبول ہیں۔ پاکستان میں کراچی، بن قاسم اور گوادر پر بندرگاہوں کو فروغ دیا گیا ہے۔ پاکستان کی تمام برآمدات و درآمدات بحری راستوں سے ہوتی ہیں۔ پاکستان نے اپنے جہاز رانی کے تجارتی بیڑے کو ترقی دی ہے تاکہ غیر ملکی کمپنیوں پر انحصار کم ہو سکے۔ 1963ء میں ایک جہاز راں کمپنی نیشنل شپنگ کارپوریشن کے نام سے قائم کی گئی۔ اس کارپوریشن نے کچھ نئے جہاز حاصل کیے اور پرانے جہازوں کی مرمت کر کے اُن کی تجدید نو کی گئی۔ اس وقت کارپوریشن کے پاس 14 جہاز ہیں۔ امریکا، برطانیہ، چین، جاپان، آسٹریلیا، ہانگ کانگ، سنگاپور، خلیجی ممالک اور دیگر دوسرے ممالک کے ساتھ اِقتصادی اور تجارتی روابط قائم کیے گئے ہیں۔

5۔ کاروبار اور تجارت

کسی بھی ملک کی اقتصادی و معاشی ترقی و فروغ میں کاروبار اور تجارت کو بہت اہم مقام حاصل ہے۔ زرعی اور صنعتی ترقی کاروبار اور تجارت کی مدد سے پھلتی پھولتی اور پروان چڑھتی ہے۔ تجارت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک اندرونی یا داخلی تجارت اور دوسری بیرونی یا بین الاقوامی تجارت۔

(i) اندرونی تجارت:

تجارت پاکستان کے عوام کا ایک اہم پیشہ ہے۔ اندرون ملک تجارت مختلف اشیاء اور سامان کی ترسیل اور خرید و فروخت کا ذریعہ ہے۔ اس تجارت سے ملک کا روپیہ (رقم) ملک کے اندر ہی گردش کرتا رہتا ہے۔ پاکستان میں سارا سال اور تمام موسموں میں کثیر تجارتی سرگرمیاں جاری رہتی ہیں۔ پنجاب سے دوسرے صوبوں کو گندم، چاول، کپاس، سوتی کپڑا، کھیلوں کا سامان، اسٹیشنری، مشینری، سیمنٹ اور دیگر مصنوعات بھیجی جاتی ہیں۔ صوبہ سندھ سے بلوچستان، خیبر پختونخوا اور پنجاب کو سوتی کپڑا، ریشمی کپڑا اور ربڑ کی مصنوعات بھیجی جاتی ہیں۔ بلوچستان دوسرے صوبوں کو خشک میوہ اور تازہ پھل مثلاً آلوچہ، خوبانی، انگور، انار اور سیب بھیجتا ہے۔ بین الصوبائی تجارت کو بڑے پیمانے پر فروغ حاصل ہوا ہے اور ایسی اشیاء مثلاً تمباکو، سگریٹ اور لکڑی سے بنائی گئی اشیاء اُن علاقوں میں مہیا کی جاتی ہیں جہاں اُن کی طلب ہوتی ہے۔ اندرونی تجارت پاکستان کے عوام کے لیے روزگار، فلاح و بہبود اور خوشحالی کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ داخلی تجارت تھوک اور پرچون دونوں قسم کے کاروبار کا احاطہ کرتی ہے۔ پاکستان کے بڑے تجارتی مراکز کراچی، حیدرآباد، کوئٹہ، ملتان، لاہور، فیصل آباد، گوجرانوالہ، سیالکوٹ، راولپنڈی اور پشاور ہیں۔

(ii) بیرونی تجارت:

دنیا میں کوئی ملک ایسا نہیں ہے جو تمام ضروریاتِ زندگی میں خود کفیل ہو۔ اپنی ضروریات میں کمی کو دوسرے ممالک سے اشیاء خرید کر پورا کیا جاتا ہے اور اپنا ضرورت سے زائد سامان دوسرے ممالک کو فروخت کر دیا جاتا ہے۔ اس تجارت کو بیرونی تجارت کہا جاتا ہے۔ مختلف ممالک اپنی مختلف مصنوعات کے لیے مشہور ہیں۔ مثال کے طور پر جاپان الیکٹرانک اشیاء اور موٹر گاڑیوں کے لیے مشہور ہے۔ پاکستان قالین بافی، سوتی کپڑے اور چمڑے کے سامان وغیرہ کے لیے مشہور ہے۔ امریکہ بھاری صنعتوں اور جنگی ہتھیار اور اسلحہ کے لیے معروف ہے۔ اس طرح زائد از ضرورت سامان طلب پر برآمد کر دیا جاتا ہے اور اس کے بدلے جن اشیاء کی کمی ہوتی ہے وہ درآمد کر لی جاتی ہیں۔

پاکستان کی برآمدات میں کپاس، سوتی کپڑا، چاول، چینی، قالین، مچھلی، آلاتِ جراحی، پھل اور سبزیاں شامل ہیں۔ پاکستان اپنی دفاعی مصنوعات بھی چند ممالک کو برآمد کر رہا ہے۔ اس کی درآمدات میں ہوائی جہاز، مختلف النوع بھاری مشینیں، کیمیائی مواد، ادویات و خام لوہے کی معدن، خوردنی تیل، چائے، پیٹرولیم، الیکٹرک اور سائنسی آلات شامل ہیں۔ پاکستان کی تجارت میں شریک ممالک امریکا، برطانیہ، یورپی یونین، خلیجی ممالک، سعودی عرب، جاپان، چین، سری لنکا اور بنگلادیش شامل ہیں۔

پاکستان کی درآمدات اس کی برآمدات سے بڑھ کر ہیں۔ بیرونی تجارت میں پاکستان کا ادائیگی کا توازن کمی کا شکار ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ پاکستان کو سالانہ تین ارب ڈالر کا خسارہ ہو رہا ہے۔ برآمدات کے بڑھنے سے پاکستان کی بیرونی تجارت میں توازن قائم ہوسکتا ہے۔ یہ اُسی وقت ممکن ہے جب ہم اپنی مصنوعات کے معیار کو بہتر بنائیں اور اپنے سامان کی قیمتیں دنیا کے دوسرے ممالک کی قیمتوں کی سطح سے کم رکھیں۔

(ii) ای۔کامرس:

یہ انگریزی لفظ الیکٹرانک کامرس (E-Commerce) کا مخفف ہے۔ اس کے معنی ہیں کہ کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کی مدد سے تجارت کرنا۔ الیکٹرانک تجارت کے ذریعے معاملات بہت جلدی طے ہو جاتے ہیں۔ الیکٹرانک تجارت اطلاعاتی فنیت (انفارمیشن ٹیکنالوجی) کی ایک شاخ ہے۔ اس سے کاروبار اور تجارت کا تازہ ترین درست ریکارڈ رکھنے میں مدد ملتی ہے۔ یہ ہماری درآمدات اور برآمدات کے لیے بھی سہولت مہیا کرتی ہے۔ پاکستان میں اب ای۔تجارت بنیادیں مضبوط کر رہی ہے۔ ای۔تجارت کے ذریعے دنیا کی صفِ اوّل کے تجارتی اداروں سے اُن کی ویب سائٹس کے توسط سے رابطہ کیا جاسکتا ہے اور اُن کے فراہم کردہ سامان کی تفصیلات، اُن کی قیمتیں، مقدار اور اُن کے سامان کے رسد کے وقت کی حد دریافت کی جاسکتی ہے۔ ادائیگیاں انٹرنیٹ کے توسط سے کی جاسکتی ہیں۔ پاکستان میں گھر بیٹھے نیویارک، سنگاپور، ہانگ کانگ اور لندن وغیرہ کے اسٹاک ایکسچینج سے حصص خریدے اور فروخت کیے جاسکتے ہیں۔ شرط صرف یہ ہے کہ اُن کے پاس اکاؤنٹ کھولا ہوا ہو۔ ای۔تجارت نے کاروبار اور تجارت کو تیز رفتار، سہل اور بہتر بنا دیا ہے۔

صنعتوں کے اہم مسائل:

ہماری صنعتیں متعدد مسائل کا شکار ہیں۔ ان مسائل کے علم سے ہمیں ان کا حل تلاش کرنے میں مدد مل سکتی ہے اور ترقی کی رفتار میں اضافہ ہوسکتا ہے۔ مسائل مندرجہ ذیل ہیں۔

(i) صنعتوں کے لیے ہنرمند کارکنوں کی کمی۔

(ii) ایسے اداروں کی غیر موجودگی جو اشیاء کے معیار کو برقرار رکھنے اور ضبطِ معیار (کوالٹی کنٹرول) میں مدد دے سکیں۔

(iii) صنعتی ترقی کے حوالے سے غیر یکساں اور غیر مربوط پالیسیاں مثلاً: قومی تحویل میں لینا اور صنعتی ترقی کے نام سے ضوابط کی خلاف ورزی کرنا۔

(iv) ملک میں امن و امان کی بگڑتی ہوئی صورت حال سے صنعتی شعبے میں سرمایہ کاری کی حوصلہ شکنی ہوئی ہے۔

(v) توانائی کا بحران اور بجلی اور ایندھن کی غیر یقینی قیمتیں۔

(vi) مناسب منڈیوں کا فقدان۔

(vii) بین الاقوامی منڈیوں میں اشیائے صرف کی قیمتوں میں مقابلے کے رجحان کے لیے کوششوں کا فقدان۔

(viii) مزدور انجمنوں (ٹریڈ یونین) کا منفی رویہ جس کا نتیجہ پیداوار میں کمی ہے۔

(ix) صنعتکاروں، تاجروں اور درآمد کنندگان کا ناجائز منافع کے لیے لالچ۔

صنعتی ترقی کے لیے اقدامات:

مندرجہ ذیل اقدامات سے صنعتی ترقی کو فروغ دینے میں مدد مل سکتی ہے۔

(i) ملک میں امن و امان کی صورتحال بہتر بنائی جائے تاکہ سرمایہ کار جان و مال کھو جانے کے ڈر سے آزاد ہو کر سرمایہ کاری کر سکیں۔

(ii) تجارت کے لیے قاعدے اور قوانین آسان اور سہل بنائے جائیں۔ سرخ فیتے کی لعنت مٹادی جائے۔

(iii) عملے کی تربیت کے دوران محنت کی عظمت کا احساس اُجاگر کیا جائے تاکہ اُن میں کام سے وابستگی کا احساس پیدا ہو اور پیداوار بڑھانے کے لیے وہ سخت محنت کریں۔

(iv) ضبطِ معیار (کوالٹی کنٹرول) کا سخت نظام قائم کیا جائے۔ تیار شدہ مال کے معیار اور اعلیٰ وصف پر کوئی سمجھوتا نہیں ہونا چاہیے۔

(v) بازارکاری (مارکیٹنگ) اور تجارتی نظم و نسق (بزنس ایڈمنسٹریشن) کی تعلیم کا معیار مزید بہتر بنایا جائے۔

(vi) صنعتی پالیسیاں بالکل صاف، شفاف، واضح اور پائیدار ہونی چاہییں۔

(viii) حکومت کو صنعتکاروں کو ٹیکسوں میں رعایت، بہتر پیداوار کے لیے زرِ تلافی (سبسڈی) اور کارکنان کی تربیت کی شکل میں ترغیبات دینی چاہییں۔

(ix) کارکنوں کے حالات کار بہتر بنائے جائیں اور اُن کی اُجرتیں بڑھائی جائیں۔

مشق

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات دیجیے۔

1۔ صنعت سے کیا مراد ہے؟

2۔ قومی ترقی کی تعریف کیجیے۔

3۔ قومی ترقی میں صنعت کی کیا اہمیت ہے؟

4۔ پاکستان میں کپاس اور شکر سازی کی صنعت پر نوٹ تحریر کیجیے۔

5۔ قومی ترقی میں ذرائع آمد و رفت کس طرح مدد کرتے ہیں؟

6۔ کراچی سے پشاور تک قومی شاہراہ پر کون سے مشہور شہر واقع ہیں؟

7۔ ای۔تجارت کے کیا استعمال ہیں؟

8۔ پاکستان میں صنعتی ترقی کے فروغ کے لیے کیا اقدامات اُٹھانے چاہییں۔

(ب) خالی جگہوں کو مناسب الفاظ سے بھریے۔

(i) معاشی ترقی کے لیے صنعت میں--------ضروری ہے۔

(ii) چینی کی پیداوار میں پاکستان--------ہے۔

(iii) سیالکوٹ--------کے سامان کے لیے مشہور ہے۔

(iv) --------انجمنوں (------یونین) کا منفی رویہ ہماری صنعت کے لیے ایک مسئلہ ہے۔

(v) پاکستان میں آمد و رفت کے تین ذرائع--------،--------اور--------ہیں۔

(vi) قالین بافی پاکستان کی--------صنعت ہے۔

(vii) --------اور--------پاکستان کی اہم برآمدات ہیں۔

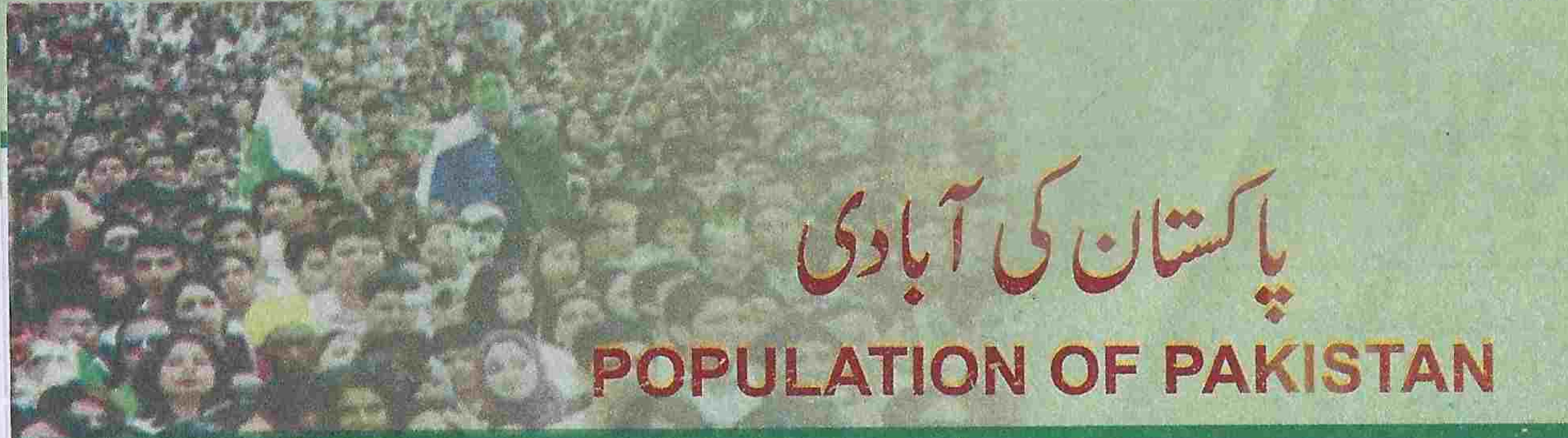

ساتواں باب

پاکستان کی آبادی
POPULATION OF PAKISTAN

1۔ مردم نگاری:

کسی بھی کمیونٹی یا معاشرے میں پیدائش و اموات کے کوائف (ڈیٹا) کے مطالعے کو مردم نگاری (Demography) کہا جاتا ہے۔ کسی بھی ملک کے معاشرے کے مطالعے کے لیے اُس ملک کے باشندوں کے کوائف اور اُن کے کرداری خواص کے بارے میں جاننا انتہائی ضروری ہے۔ جب تک اُس ملک کی آبادی کے مختلف خواص کے بارے میں کوائف (ڈیٹا) حاصل نہ ہوں اُس وقت تک کوئی بھی بامقصد منصوبہ بندی ممکن نہیں ہے۔ کسی آبادی کے بارے میں وہ تمام ضروری خواص جن کا جاننا ضروری ہے، وہ اس ملک کی آبادی، اُس کی علاقائی تقسیم، شہری و دیہی آبادی کا تناسب، خواندگی اور تعلیم کی سطح، آبادی میں اضافے کی شرح، فی مربع کلومیٹر آبادی کی اوسط کثافت (گنجانیت) اور اُس کے باشندوں کے روزگار اور پیشے ہیں۔

مندرجہ بالا خواص کے بارے میں کوائف جمع کرنے کا عمل ''مردم شماری'' کہلاتا ہے۔ عام طور سے یہ دس سال بعد ہوتی ہے۔ جنوبی ایشیا میں پہلی مردم شماری 1872ء میں ہوئی تھی۔ پاکستان کے قیام کے بعد پہلی مردم شماری 1951ء میں ہوئی۔ دوسری مردم شماری 1961ء میں مکمل کی گئی۔ تیسری مردم شماری گیارہ سال بعد 1972ء میں کی گئی جب پاکستان کی آبادی 65.309 ملین تھی۔ چوتھی مردم شماری 1981ء میں ہوئی۔ اُس وقت آبادی 84.253 ملین تھی۔ پانچویں مردم شماری سترہ سال بعد 1998ء میں ہوئی جس کے مطابق پاکستان کی آبادی 132.352 ملین ہے۔

2۔ آبادی کی ترکیب:

پاکستان ایک گنجان آباد ملک ہے۔ جس کی گنجانیت (کثافت) اوسطاً 166 افراد فی مربع کلومیٹر ہے لیکن یہ یکساں طور پر تقسیم نہیں ہیں۔ پنجاب میں 358 افراد، سندھ میں 218 افراد، خیبر پختونخوا میں 238 افراد، بلوچستان میں 19 افراد، وفاق کے زیرِ انتظام قبائلی علاقے (فاٹا) میں 117 افراد اور اسلام آباد کے وفاقی دارالحکومت کے علاقے میں 889 افراد فی مربع کلومیٹر آباد ہیں۔ صفحہ 119 پر دیا ہوا جدول آبادی کے پھیلاؤ اور ترکیب کو ظاہر کر رہا ہے۔

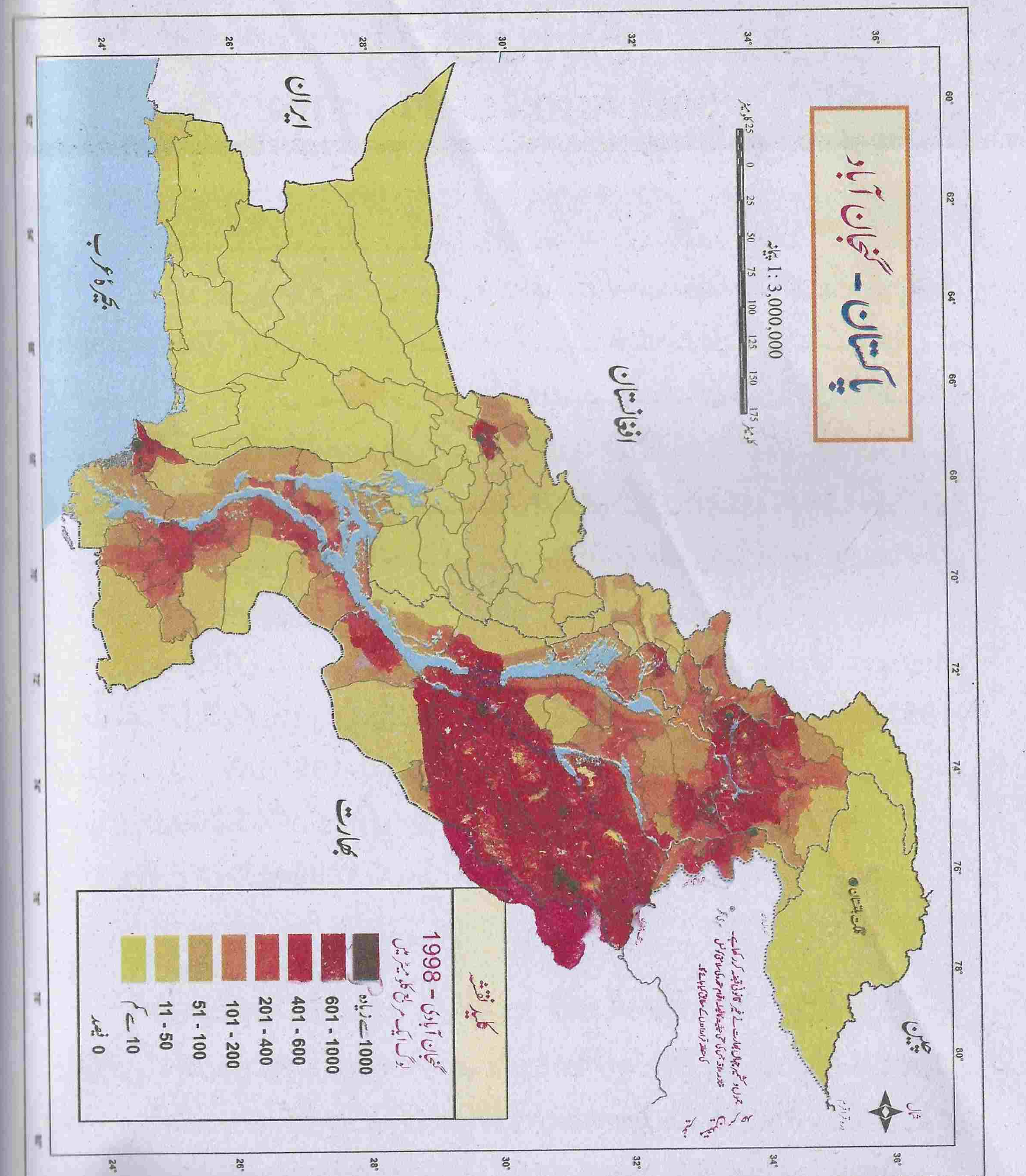

نمبر شمار	مقام	رقبہ (مربع کلومیٹر)	آبادی (1998ء کے مطابق)	تناسب (فیصد)	کثافت (گنجائش) (فی مربع کلومیٹر)	تعداد فی خاندان (اوسطاً)
1	پاکستان	796096	132,352,279	100.00	165	6.8
2	بلوچستان	347190	6,565,885	4.96	19	6.7
3	خیبر پختونخوا	74521	17,743,645	14.41	238	8
4	پنجاب	205345	73,621,290	55.63	358	6.9
5	سندھ	140914	30,439,893	23.00	218	6
6	فاٹا	27220	3,176,331	2.40	117	9.3
7	اسلام آباد	906	805,235	0.61	889	6.2

پاکستان میں 12 بڑے شہر ہیں، جن کی کل آبادی پاکستان کی کل آبادی کا 19 فیصد ہے اور پاکستان کی کل شہری آبادی کا 58 فیصد ہے۔ ان بارہ شہروں میں سے ہر ایک کی آبادی چار لاکھ (چار سو ہزار 400000) سے زائد ہے۔ پاکستان کا سب سے بڑا شہر کراچی ہے جس کی آبادی 1998ء کی مردم شماری کے مطابق تقریباً دس ملین ہے۔ مندرجہ ذیل جدول میں اُن بارہ شہروں کی آبادی کی تفصیلات ظاہر کی گئی ہیں۔

نمبر شمار	شہر	آبادی (1998ء کے مطابق)
1	کراچی	9,339,023 (تقریباً 10 ملین)
2	لاہور	5,443,495
3	فیصل آباد	2,008,161
4	راولپنڈی	1,409,768
5	ملتان	1,197,384
6	حیدر آباد	1,166,894
7	گوجرانوالہ	1,132,509
8	پشاور	982,816
9	کوئٹہ	759,941
10	اسلام آباد	529,180
11	سرگودھا	458,440
12	سیالکوٹ	421,502

پاکستان میں افزائشِ آبادی کی شرح اقتصادی وسائل کی نسبت کافی تیز ہے۔ 1981ء تا 1998ء کے دوران سالانہ شرح افزائش 2.6 فیصد رہی۔ افزائشِ آبادی کی شرح عالمی شرح افزائش سے بہت زیادہ ہے، جو 1.5 فیصد ہے جبکہ براعظم ایشیا کی اوسط شرح دو فیصد سالانہ ہے۔ اگر آبادی میں اضافے کی موجودہ شرح برقرار رہی تو ایک محتاط اندازے کے مطابق اکیسویں صدی کے پہلے عشرے کے اختتام پر پاکستان کی آبادی 1981ء کی آبادی سے دوگنی ہو جائے گی۔ تیز رفتار افزائشِ آبادی کی وجہ سے پاکستان میں بچوں کی آبادی میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ اس کی بڑی وجوہات کم عمری میں شادی کا رواج اور بالخصوص دیہی علاقوں میں زیادہ اولاد کی خواہش ہے۔ بچوں کی آبادی کا تناسب بڑھنے سے اُن کی پرورش اور تعلیم و تربیت کے مسائل پیدا ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی دست نگر اور دوسروں پر انحصار کرنے والی آبادی میں اضافے کا مسئلہ بھی پیدا ہوتا ہے۔ زیادہ بچوں کی پیدائش ماؤں کی صحت پر بھی بُرا اثر پڑتا ہے۔ 1998ء کی مردم شماری کے مطابق پاکستان میں مردوں کا تناسب 52 فیصد ہے۔ پاکستان میں شرح خواندگی (تعلیم یافتہ افراد کا تناسب) حوصلہ افزا نہیں ہے۔ 1951ء میں خواندگی کا تناسب 13.2 فیصد تھا جو بڑھ کر (1998ء کی پاکستان کی مردم شماری کی رپورٹ کے مطابق) 1998ء میں 45 فیصد ہو گیا۔

پاکستان کی آبادی کی اکثریت زراعت سے روزگار حاصل کرتی ہے۔ عام طور سے زیادہ تر لوگ کھیتی باڑی کرتے ہیں یا ایسے پیشوں سے منسلک ہیں جن کا دارومدار زراعت پر ہے۔ دوسرا پیشہ صنعت کاری ہے، تیسرا بڑا پیشہ ملازمت اور تجارت ہے۔ ملک کی قابلِ کار آبادی کا تقریباً 10 فیصد غیر ممالک میں بحیثیت ''مہمان کارکن'' مصروفِ کار ہے۔

آبادی کی واضح اکثریت دیہی علاقوں میں آباد ہے۔ 1998ء کے اعداد و شمار کے مطابق کل آبادی کا 67.5 فیصد دیہات میں اور 32.5 فیصد شہری علاقوں میں رہائش پذیر ہے۔ شہری علاقوں کی آبادی میں بتدریج تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ کیونکہ دیہی علاقوں میں سہولتیں بہت کم ہیں۔ پاکستان میں افزائش آبادی کی شرح زیادہ ہے جس کی وجہ سے وسائل فی کس کم ہو رہے ہیں اور مسائل میں اضافہ ہو رہا ہے۔ طبی سہولتوں میں بہتری کی وجہ سے شرح اموات میں بتدریج کمی آ رہی ہے۔ اس وقت پاکستان میں شرح اموات 11 فی ہزار ہے جبکہ شیر خوار اور نوزائیدہ بچوں کی شرح اموات 80 فی ہزار ہے۔

فیصد شرح خواندگی:

ناخواندگی ایک بہت بڑی لعنت ہے اور کسی بھی ملک کی ترقی کے لیے خطرے کی گھنٹی ہے۔ پاکستان میں خواندگی کی شرح سست رفتار ترقی کی بدولت بہت پست رہی ہے۔

مندرجہ ذیل جدول گزشتہ 27 سالوں (1972ء تا 1998ء) کی شرح خواندگی کو ظاہر کر رہا ہے۔

نمبر شمار	سال	فی صد شرح خواندگی	فی صد شرح خواندگی (مرد)	فی صد شرح خواندگی (خواتین)
1	1972ء	21.7	30	11
2	1981ء	26.0	35	16
3	1998ء	45.0	61	36

1998ء کی مردم شماری کے حقائق و اعداد و شمار کے مطابق ملک میں تعلیم کی سطح کو مندرجہ ذیل جدول میں ظاہر کیا گیا ہے۔

نمبر شمار	تعلیم کی سطح	کل تعداد (فی صد)
1	پرائمری سے نیچے	18.3%
2	پرائمری (ابتدائی)	30.14%
3	مڈل (وسطانیہ)	20.89%
4	سیکنڈری (ثانوی)	17.29%
5	ہائر سیکنڈری (ثانوی)	6.56%
6	سرٹیفکیٹ، ڈپلوما	0.41%
7	بی اے، بی ایس سی اور معاون	4.38%
8	ایم اے، ایم ایس اور معاون	1.58%
9	دیگر	0.44%

اقتصادی ترقی کے نقطہ نظر سے ملک کی آبادی کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ لیکن اس سے بھی زیادہ اہم تعلیمی سطح ہنرمندی، سائنسی اور فنی مہارت ہے۔ انسانی وسائل میں سرمایہ کاری بہت ضروری ہے۔ یہ تعلیمی سطح (معیار) اور فنی اور تکنیکی سوجھ بوجھ (جان کاری) کا ہی اعجاز ہے کہ سنگاپور جیسا چھوٹا ملک جس کی کل آبادی صرف ساڑھے تین ملین ہے وہ سالانہ 150 ارب ڈالر کی برآمدات کرتا ہے جبکہ ایک اندازے کے مطابق پاکستان کی اس وقت کل آبادی تقریباً 200 ملین ہے اور اُس کی سالانہ کل برآمدات کی قیمت صرف 12 ارب ڈالر ہے۔

3۔ شہری اور دیہی آبادی:

اصطلاحی اعتبار سے شہری اور دیہی آبادی میں فرق کے لیے علاقے کی آبادی اور وہاں موجود سہولتوں کے معیار کو بنیاد بنایا جاتا ہے۔ شہری آبادی سے مراد ایسی بستی ہے جس میں پانچ ہزار یا اُس سے زائد افراد رہتے ہوں اور وہاں زندگی کی بنیادی سہولتیں موجود ہوں۔

آبادی کی شہری اور دیہی تقسیم کا مطالعہ بہت دلچسپ اور معلومات افزا ہوتا ہے۔ اس سے ملک کی اقتصادیات کی خصوصیات اور لوگوں کے معیارِ زندگی کا اندازہ ہوتا ہے۔ صنعت و حرفت اور دیگر پیشوں کے بڑے مراکز عام طور پر شہروں یا اُن کے قریب واقع ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ ممالک جن کی آبادی کی اکثریت شہروں میں رہتی ہے وہی ممالک صنعت و تجارت میں عموماً زیادہ ترقی یافتہ ہوتے ہیں لیکن اگر آبادی کی اکثریت دیہات میں رہتی ہو تو وہاں زراعت اور کاشتکاری کو مرکزی پیشے کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔

دیہی علاقوں میں شہروں کی بہ نسبت زندگی کی کم سہولتیں پائی جاتی ہیں۔ ان سہولتوں میں تعلیم، صحت اور تفریح شامل ہیں۔ روزگار کے مواقع بھی دیہی علاقوں کے مقابلے میں شہروں میں زیادہ ہوتے ہیں۔ البتہ دیہاتی زندگی میں سادگی کا عنصر زیادہ نمایاں ہے جبکہ شہری زندگی میں تاجرانہ ذہنیت اور رنگینی زیادہ ہوتی ہے۔

4۔ افزائشِ آبادی اور نقلِ مکانی:

اگرچہ پاکستان کی غالب اکثریت دیہی علاقوں میں رہتی ہے لیکن شہر دیہی علاقوں کی آبادی کو اپنی جانب راغب کر رہے ہیں۔ کیوں کہ آبادی میں تیزی سے اضافے اور دیہات میں روزگار کے مواقع اور سہولتیں نسبتاً کم ہونے کی وجہ سے شہروں کی طرف نقلِ مکانی کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ شہروں میں صنعتی اور تجارتی ترقی کی رفتار زیادہ ہے۔ نیز شہری علاقوں میں ضروری بنیادی سہولتیں بھی دیہی علاقوں کے مقابلے میں زیادہ ہیں۔ اچھے اسپتال اور طبی سہولتیں، تعلیمی ادارے اور تفریحی سہولتیں شہروں میں دیہات کے مقابلے میں زیادہ اور بہتر شکل میں میسر ہیں۔ اس کے علاوہ شہری علاقوں میں ثقافتی سرگرمیاں اور گہما گہمی بھی زیادہ ہے، اس لیے دیہی آبادی کو شہروں میں زیادہ کشش محسوس ہوتی ہے۔

قیامِ پاکستان کے بعد اس خطے میں دیہات سے شہروں کی جانب منتقل ہونے کا رجحان زیادہ تیز ہو گیا۔ لوگ بہتر ذرائع روزگار اور ضروری بنیادی سہولتوں کے حصول کے لیے شہر منتقل ہونے لگے۔ 1951ء میں صرف 17.8 فیصد لوگ شہروں میں آباد تھے جبکہ 1998ء میں شہری آبادی کا تناسب بڑھ کر 32.5 فیصد ہو گیا۔

دیہی آبادی کی شہروں کی جانب نقل مکانی شہری علاقوں میں کئی قسم کے مسائل پیدا کر دیتی ہے۔ اس تیز رفتار نقل مکانی سے رہائشی مکانوں کی قلت ہو جاتی ہے۔ اس لیے لوگوں کو زیادہ کرایہ دے کر رہائشی مکانات حاصل کرنا پڑتے ہیں یا وہ ایسی رہائش گاہوں میں رہنے پر مجبور ہوتے ہیں جہاں یا تو ضروری سہولتیں سرے سے موجود ہی نہیں ہوتی ہیں یا ان کا فقدان ہوتا ہے۔

شہری آبادی پر دباؤ کی وجہ سے صفائی اور حفظانِ صحت کے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ تعلیمی اور تفریحی سہولتیں ناکافی ثابت ہوتی ہیں۔ ٹرانسپورٹ اور ٹریفک کا مسئلہ شدید تر ہو جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ شہروں میں منتقل ہو جانے کے باجود آبادی کی کثیر فیصد کو بنیادی شہری سہولتیں مناسب حد تک حاصل نہیں ہوتی ہیں۔

حکومت کی کوشش ہے کہ موٴثر منصوبہ بندی کے ذریعے دیہات سے شہری علاقوں کی جانب آبادی کی منتقلی کے رجحان کی حوصلہ شکنی کی جائے اور شہروں میں آبادی کے اضافے سے پیدا شدہ مسائل کا حل ڈھونڈا جائے۔ اس لیے جدید خطوط پر زراعت کو فروغ دیا جا رہا ہے تاکہ پیداوار میں اضافہ ہو اور دیہی علاقوں کی معاشی حالت بہتر ہو سکے۔ دستکاری اور گھریلو صنعتوں کی حوصلہ افزائی کی جا رہی ہے تاکہ دیہات میں صنعت و حرفت پھیلے اور پروان چڑھے اور لوگوں کو روزگار کے مواقع مہیا ہو سکیں۔ اگر دیہی علاقوں میں روزگار کے مواقع بڑھ جائیں تو شہری علاقوں پر آبادی کا دباؤ کم ہونے کی توقع ہے۔ مزید یہ کہ منصوبہ بندی کی جا رہی ہے کہ صنعت و حرفت کے نئے منصوبوں کو چند بڑے شہروں تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ اُنھیں دوسرے شہروں خصوصاً دور دراز کے علاقوں تک پھیلا دیا جائے تاکہ صرف چند بڑے شہر ہی دیہی آبای کی نقلِ مکانی کا پورا بوجھ یا بوجھ کا زیادہ حصہ برداشت نہ کریں یعنی منتقل ہونے والی آبادی صرف چند بڑے شہروں میں ہی اکٹھی نہ ہو جائے۔

دیہی علاقوں میں ذرائع آمدورفت اور نقل و حمل کو بہتر کیا جا رہا ہے تاکہ دیہی علاقوں کا شہروں سے رابطہ مضبوط ہو جائے۔ دیہات میں تعلیم اور صحت کی سہولتوں میں اضافے کے لیے ضروری اقدامات کیے جا رہے ہیں۔ دیہات کو بتدریج بجلی مہیا کی جا رہی ہے اور ڈسپنسری، اسپتال اور کاروباری مراکز قائم کیے جا رہے ہیں۔

دیہی زندگی کو بہتر کرنے کی اسکیموں کے ساتھ ساتھ حکومت ایسے منصوبوں پر بھی تیزی سے عمل کر رہی ہے جن سے شہروں میں آبادی کی وسعت اور پھیلاؤ سے پیدا شدہ مسائل کو بطریقِ احسن حل کرنے میں مدد مل سکے۔ ٹریفک اور ٹرانسپورٹ کے نظام کو بہتر کیا جا رہا ہے۔ سڑکیں کشادہ کی جا رہی ہیں۔ شہروں کے اطراف نئی بستیاں آباد کی جا رہی ہیں جو اس حد تک خود کفیل ہوں گی کہ لوگوں کو اپنی روزمرہ کی ضروریات پوری کرنے کے لیے شہر کے مرکزی حصوں اور تجارتی مراکز

پر نہ جانا پڑے۔ ان بستیوں میں بازار، اسپتال، مساجد، بچوں کے اسکول، پارک اور تفریح گاہیں قائم کی جائیں گی۔ ایسی آبادیوں کے قیام سے شہر کے مرکزی حصوں پر آبادی کا دباؤ کم ہونے کی توقع ہے۔

5۔ افزائشِ آبادی کی وجوہات:

پاکستان میں افزائشِ آبادی کی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں:

i۔ **سماجی عنصر:** پاکستان ایک اسلامی ملک ہے۔ عوام کی اکثریت قسمت پر یقین رکھتی ہے۔ وہ بڑے خاندان رکھنے پر یقین رکھتے ہیں اور اُسے طاقت اور قوت کا سرچشمہ سمجھتے ہیں۔

ii۔ **خاندانی منصوبہ بندی سے انکار:** چند مذہبی رہنما (علمائے دین) خاندانی منصوبہ بندی کو گناہ سمجھتے ہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ذی روح کو رزق پہنچانے کا وعدہ فرمایا ہے۔

iii۔ **تعلیم کا فقدان:** یہ ایک اور عنصر اور عامل ہے۔ خواتین کی شرح خواندگی بہت کم ہے۔ وہ بڑے خاندان اور زیادہ بچوں کے مسائل نہیں سمجھتی ہیں۔

iv۔ **کم عمری میں شادی:** کم عمری میں شادی کے رواج سے بھی بچوں کی افزائش میں اضافہ ہوتا ہے۔

v۔ **غربت:** غربت ایک اور وجہ ہے۔ معاشرے کے دوسرے طبقات کے مقابلے میں غریبوں میں افزائش نسل کی شرح زیادہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ معیار زندگی اور بچوں کی تعلیم کی پروا نہیں کرتے ہیں۔

vi۔ **لڑکے کی خواہش:** لڑکے کی پیدائش کی خواہش کے نتیجے میں بھی زیادہ بچے پیدا ہوتے ہیں۔ دیہی علاقوں میں زیادہ بیٹے خاندان کے لیے اثاثہ سمجھے جاتے ہیں اور اپنے عزیز و اقارب اور دوسروں کے سامنے اُسے شانِ فخر و افتخار سمجھا جاتا ہے۔

6۔ ترقیاتی وسائل بمقابلہ افزائشِ آبادی:

معاشی اور معاشرتی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ ملکی و قومی وسائل اور آبادی میں توازن ہو۔ اگر آبادی بہت کم ہو تو ملک میں موجودہ قدرتی وسائل سے مؤثر طور پر فائدہ نہیں اُٹھایا جاسکتا۔ اسی طرح اگر آبادی بہت زیادہ ہو اور اُس کی شرح افزائش تیز ہو تو قومی وسائل پر دباؤ بڑھ جاتا ہے، جس کی وجہ سے خوشحالی کو برقرار رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ معاشرتی اور معاشی استحکام اور ترقی کے لیے مکمل وسائل سے مؤثر انداز میں مستفیض ہونے کے لیے ہنر مند افراد اور تربیت یافتہ افراد کی تعداد میں اضافہ ضروری ہے۔

پاکستان ایک گنجان آباد ملک ہے۔ اس کے مجموعی وسائل میں اُس رفتار سے اضافہ نہیں ہو رہا ہے جس رفتار سے آبادی بڑھ رہی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ملک کے وسائل پر آبادی کا دباؤ روز بروز بڑھ رہا ہے اور ملک میں افراطِ آبادی کا مسئلہ پیدا ہو گیا ہے۔ بے روزگاری میں اضافہ، حفظانِ صحت اور صفائی اور تعلیم کی ناکس سہولتوں میں کمی۔ امراض میں زیادتی اور بلند شرح پیدائش و اموات افراطِ آبادی کے مسئلے کی واضح علامات ہیں۔ اس کو صرف اس طرح حل کیا جاسکتا ہے کہ آبادی اور وسائل میں توازن قائم کیا جائے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ شرح افزائش آبادی کو کم کیا جائے اور قومی وسائل میں اضافہ کیا جائے۔ مندرجہ ذیل اقدامات سے وسائل پر آبادی کا دباؤ کم ہونے کے دور رس نتائج نکل سکتے ہیں۔

(i) پیداواری وسائل کو زیادہ تیز رفتاری سے ترقی دی جائے۔ ان میں صنعت و حرفت کی ترقی، دستکاری و گھریلو صنعت کا فروغ اور زراعت و تجارت میں ترقی سرفہرست ہیں۔

(ii) فنی تعلیم و تربیت کو فروغ دیا جائے اور اسے مقبول بنایا جائے اور جدید ٹیکنالوجی کو استعمال میں لایا جائے تاکہ زراعت، صنعت اور دیگر شعبہ ہائے زندگی کے میدانوں میں پیداوار کی مقدار و معیار میں اضافہ ہو اور بہتری آئے۔

(iii) نئے وسائل خصوصاً کان کنی اور معدنی تیل کی تلاش کی طرف خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔

(iv) پاکستان میں ایسی زمین بکثرت موجود ہے جس کو اب تک زیرِ کاشت ہی نہیں لایا گیا یا اگر زیرِ کاشت لایا بھی گیا ہے تو اس پر خاطر خواہ اور ضروری توجہ نہیں دی گئی۔ ایسی زمین کی طرف خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔ مزید یہ کہ سیم اور تھور زدہ زمین کو بھی زیرِ کاشت لانے کا انتظام کیا جائے۔

7۔ پاکستان میں تعلیم، صحت اور غذا کے حوالے سے زندگی کا معیار:

(i) تعلیم:

کسی بھی ملک کے اندر معیار زندگی کو بہتر بنانے کے لیے تعلیم، صحت اور غذا (تغذیہ) اصل اشارے ہیں۔ حکومت کی تمام تر کوششوں اور کاوشوں کے باوجود کہ نجی شعبے کے تعاون اور اعانت کے ساتھ پرائمری تعلیم کو فروغ دیا جائے شرح خواندگی اب بھی بہت کم ہے۔ پرائمری تعلیم کا معیار انتہائی غیر اطمینان بخش ہے۔ مڈل (وسطانیہ) درجے کے اساتذہ پرائمری یا ابتدائی تعلیم کی سطح سے غیر مطمئن ہیں اور ثانوی (سیکنڈری) اسکولوں کے اساتذہ مڈل کی سطح کی تعلیم کی شکایت کرتے نظر آتے ہیں۔ علیٰ ہٰذا القیاس اس کے آگے بھی یہی حال ہے۔ میڈیکل کالجوں میں جن طلبہ کا داخلہ ہو جاتا ہے، اُن

کی اکثریت فرسٹ پروفیشنل کے امتحان میں ناکام ہو جاتی ہے۔ بمشکل چالیس فیصد کامیاب ہوتے ہیں۔ ہماری جامعات (یونیورسٹیز) کی اعلیٰ تعلیم کی اسناد کا دوسرے ممالک کی اسناد سے کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے۔ اُس کی وجہ اعلیٰ تعلیمی پروگرام کے پست معیار، اُن کا دورانیہ اور طریقہ امتحانات ہیں۔ بھارت میں سالانہ پانچ ہزار سے زیادہ طلبہ پی ایچ ڈی کی سند حاصل کرتے ہیں۔ جبکہ پاکستان میں یہ تعداد انتہائی کم ہے۔ اب حکومت کئی مختلف قسم کے پروگراموں کے ذریعے تعلیم کے معیار کو بلند کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کو فروغ دیا جا رہا ہے اور اس مقصد کے لیے اُس کا بجٹ 120 ملین روپوں سے بڑھا کر پانچ ہزار ملین روپے کر دیا گیا ہے۔ لیکن ہماری بنیادی فکر اور دلچسپی ابتدائی (پرائمری) تعلیم کی شرح خواندگی میں اضافے سے ہے۔ نجی شعبے کی حوصلہ افزائی کی جا رہی ہے کہ وہ آگے قدم بڑھائے اور نئے ادارے قائم کرے اور سرکاری اداروں کی بھی بہتر تعلیم کے حصول کے لیے مدد کرے۔ حکومت نے نجی شعبے کو اس سلسلے میں کچھ ترغیبات بھی دی ہیں۔ حکومت نے خود تعلیم سب کے لیے ایک اسکیم شروع کی ہے۔ اس اسکیم کے تحت ہزاروں غیر رسمی اسکول کھولے جا رہے ہیں تاکہ شرح خواندگی بہتر ہو سکے اور ابتدائی (پرائمری) تعلیم کے لیے سہولتیں مہیا کی سکیں۔ یہ توقع اور امید کی جاتی ہے کہ ان اقدامات کے ذریعے شرح خواندگی اور ابتدائی تعلیم کے زیادہ سے زیادہ اہداف حاصل ہو سکیں گے۔

(ii) صحت:

صحت کے شعبے میں بھی بہت زیادہ کام کرنا ہے۔ آزادی کے وقت صرف لاہور اور کراچی میں ایک ایک میڈیکل کالج تھا۔ لیکن اب سرکاری اور نجی شعبے میں تقریباً 50 میڈیکل کالج ہیں۔ ضلع اور تحصیل کی سطح پر اسپتال موجود ہیں۔ لیکن دیہات میں حالات اطمینان بخش نہیں ہیں کیوں کہ ہمارے ڈاکٹر دیہی علاقوں میں کام کرنے سے ہچکچاتے اور جھجکتے ہیں یا شاید تذبذب کا شکار ہیں۔ ڈاکٹروں کی نجی پریکٹس سے بھی صحت کے سرکاری اداروں میں کام اور کارکردگی کو سخت دھچکا پہنچا ہے۔ نجی اسپتال بہت زیادہ فیس وصول کرتے ہیں جو کہ عام آدمی بمشکل ہی برداشت کر سکتا ہے۔ غربت، تعلیم کی کمی اور ناخواندگی کی وجہ سے پاکستان میں شیر خوار اور نوزائیدہ بچوں کی اموات کی شرح بہت زیادہ ہے۔ پانچ سال سے کم عمر ایک ہزار بچوں میں سے 102 بچے موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ تاہم پاکستان کے عوام کی عمومی صحت سارک ممالک اور چند جنوب مشرقی ممالک کے عوام سے بہت بہتر ہے۔

(iii) غذا:

ملک کے غریب عوام کو غذا کی فراہمی اور خاص طور سے متوازن غذا کی فراہمی ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ ہمارے ملک کی تقریباً 24 فیصد آبادی غربت کی حد سے نیچے زندگی گزار رہی ہے۔ غذائی اشیاء کی قیمتیں اُن کی آمدنیوں کے لحاظ

سے بہت زیادہ ہیں۔ اسی لیے آبادی کا یہ طبقہ اپنے بچوں کو متوازن غذا فراہم کرنے کے قابل نہیں ہے۔ دوسری جانب وہ لوگ جو اچھی غذا کھا سکتے ہیں، انھیں متوازن غذا کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے۔ لوگ گوشت، گھی اور مرغن کھانوں کے عادی ہیں۔ پھل، سبزیاں، دودھ اور دہی مطلوبہ مقدار میں استعمال نہیں کیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے بے شمار امراض پیدا ہوتے ہیں۔

8۔ پاکستان کی لسانی ترکیب

پاکستان ایک ایسا ملک ہے جہاں ملک کے مختلف علاقوں میں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں۔ آبادی کے لحاظ سے پنجاب سب سے بڑا صوبہ ہے۔ اس صوبے کا بڑا حصہ پنجابی بولتا ہے۔ پنجاب کے جنوبی حصے میں سرائیکی بولی جاتی ہے۔ سرائیکی بھی دراصل پنجابی کی ہی ایک قسم ہے۔ صرف اس کے لب و لہجے میں کچھ فرق ہے۔ پورے ملک میں پنجابی بولنے والے افراد کی تعداد پاکستان کی آبادی کا تقریباً 44.15 فیصد ہے۔

سندھ کے اکثر لوگوں کی زبان سندھی ہے جو تقریباً 60 فیصد لوگ بولتے ہیں۔ اُردو بولنے والوں کی تعداد تقریباً 30 فیصد ہے۔ کراچی، حیدرآباد، نواب شاہ، سکھر اور میرپور خاص میں رہنے والے زیادہ تر اُردو بولتے ہیں۔ کراچی میں ملک کے مختلف حصوں کے لوگ آباد ہیں۔ اُن میں پٹھان، بلوچ، پنجابی اور دوسری قومیتوں کے لوگ شامل ہیں۔ اُن کی عام زبان اُردو ہے۔

خیبر پختونخوا صوبے کے اکثر لوگ پشتو بولتے ہیں۔ کوہاٹ، پشاور اور ہزارہ جیسے علاقوں میں ہندکو بولی جاتی ہے۔ ڈیرہ اسماعیل خان کے علاقے کے لوگ سرائیکی بولتے ہیں۔ پشتو، ہندکو اور سرائیکی کے علاوہ چترالی اور کوہستانی بھی اس صوبے میں بولی جانے والی زبانیں (بولیاں) ہیں۔

رقبے کے لحاظ سے بلوچستان ملک کا سب سے بڑا صوبہ ہے۔ یہاں تین زبانیں یعنی بلوچی، پشتو اور براہوی بولی جاتی ہیں لیکن بلوچی بولنے والے افراد کی تعداد مقابلتاً زیادہ ہے۔ تاہم اس صوبے کے چند علاقوں میں سندھی اور سرائیکی بھی بولی جاتی ہے۔

وفاق کے زیرِ انتظام قبائلی علاقہ (فاٹا) ایسا علاقہ ہے جہاں لوگ پشتو بولتے ہیں۔ اگرچہ صوبہ خیبر پختونخوا کا حصہ ہے لیکن اس کا انتظام جرگہ نظام کے تحت چلایا جاتا ہے جو وفاق کے زیرِ نگرانی کام کرتا ہے۔ کیوں کہ فاٹا میں ملازمتوں اور روزگار کے مواقع بہت کم ہیں اس لیے روزی کمانے کے لیے لوگ عارضی طور پر ملک کے دوسرے حصوں میں نقلِ مکانی کر جاتے ہیں۔

اسلام آباد وفاقی علاقہ اور پاکستان کا دارالخلافہ ہے۔ ملازمتوں اور تجارت کے مقاصد کے لیے پاکستان کے تمام علاقوں کے لوگ یہاں آباد ہیں۔ یہ لوگ عموماً اُردو بولتے ہیں جو پورے ملک کے عوام کے لیے رابطے کی زبان ہے۔

1998ء کی مردم شماری کے مطابق آبادی کی لسانی تقسیم

نمبر شمار	زبان	فیصد
1	اُردو	7.57
2	پنجابی	44.15
3	سندھی	14.12
4	پشتو	15.42
5	بلوچی	3.55
6	سرائیکی	10.53
7	دیگر	04.66
	کل	**100%**

مشق

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات لکھیے:

1۔ پاکستان کی آبادی کی ترکیب اور تعداد بیان کیجیے۔

2۔ پاکستان میں خواندگی کس حالت میں ہے؟

3۔ افزائشِ آبادی اور نقل مکانی کس طرح ملکی ترقی پر اثرانداز ہوتی ہے؟

4۔ پاکستان میں افزائشِ آبادی کی کیا وجوہات ہیں؟

5۔ بڑھتی ہوئی آبادی اور قومی وسائل میں کس طرح توازن قائم رکھا جاسکتا ہے؟

6۔ افزائشِ آبادی کے صحت اور تعلیم پر اثرات بیان کیجیے۔

(ب) خالی جگہوں کو مناسب الفاظ سے پُر کیجیے:

(i) پاکستان کے قیام کے بعد پہلی مردم شماری ---------- میں ہوئی۔

(ii) سندھ میں آبادی کی گنجانیت کی شرح ---------- افراد فی مربع کلومیٹر ہے۔

(iii) 1998ء کی مردم شماری کے مطابق کراچی کی کل آبادی ---------- ہے۔

(iv) پاکستان میں آبادی کی اکثریت ---------- میں رہتی ہے۔

(v) پاکستان میں خواتین کی تعلیم کی شرح ---------- ہے۔

(vi) پاکستان کا سب سے اہم مسئلہ ---------- ہے۔

(vii) ---------- ایسی زبان ہے جو پاکستان کے تمام علاقوں میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔

اسلام آباد وفاقی علاقہ اور پاکستان کا دارالخلافہ ہے۔ ملازمتوں اور تجارت کے مقاصد کے لیے پاکستان کے تمام علاقوں کے لوگ یہاں آباد ہیں۔ یہ لوگ عموماً اُردو بولتے ہیں جو پورے ملک کے عوام کے لیے رابطے کی زبان ہے۔

1998ء کی مردم شماری کے مطابق آبادی کی لسانی تقسیم

نمبر شمار	زبان	فیصد
1	اُردو	7.57
2	پنجابی	44.15
3	سندھی	14.12
4	پشتو	15.42
5	بلوچی	3.55
6	سرائیکی	10.53
7	دیگر	04.66
	کل	**100%**

مشق

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات لکھیے:

1۔ پاکستان کی آبادی کی ترکیب اور تعداد بیان کیجیے۔

2۔ پاکستان میں خواندگی کس حالت میں ہے؟

3۔ افزائشِ آبادی اور نقل مکانی کس طرح ملکی ترقی پر اثر انداز ہوتی ہے؟

4۔ پاکستان میں افزائشِ آبادی کی کیا وجوہات ہیں؟

5۔ بڑھتی ہوئی آبادی اور قومی وسائل میں کس طرح توازن قائم رکھا جاسکتا ہے؟

6۔ افزائشِ آبادی کے صحت اور تعلیم پر اثرات بیان کیجیے۔

(ب) خالی جگہوں کو مناسب الفاظ سے پُر کیجیے:

(i) پاکستان کے قیام کے بعد پہلی مردم شماری ---------- میں ہوئی۔

(ii) سندھ میں آبادی کی گنجانیت کی شرح ---------- افراد فی مربع کلومیٹر ہے۔

(iii) 1998ء کی مردم شماری کے مطابق کراچی کی کل آبادی ---------- ہے۔

(iv) پاکستان میں آبادی کی اکثریت ---------- میں رہتی ہے۔

(v) پاکستان میں خواتین کی تعلیم کی شرح ---------- ہے۔

(vi) پاکستان کا سب سے اہم مسئلہ ---------- ہے۔

(vii) ---------- ایسی زبان ہے جو پاکستان کے تمام علاقوں میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔

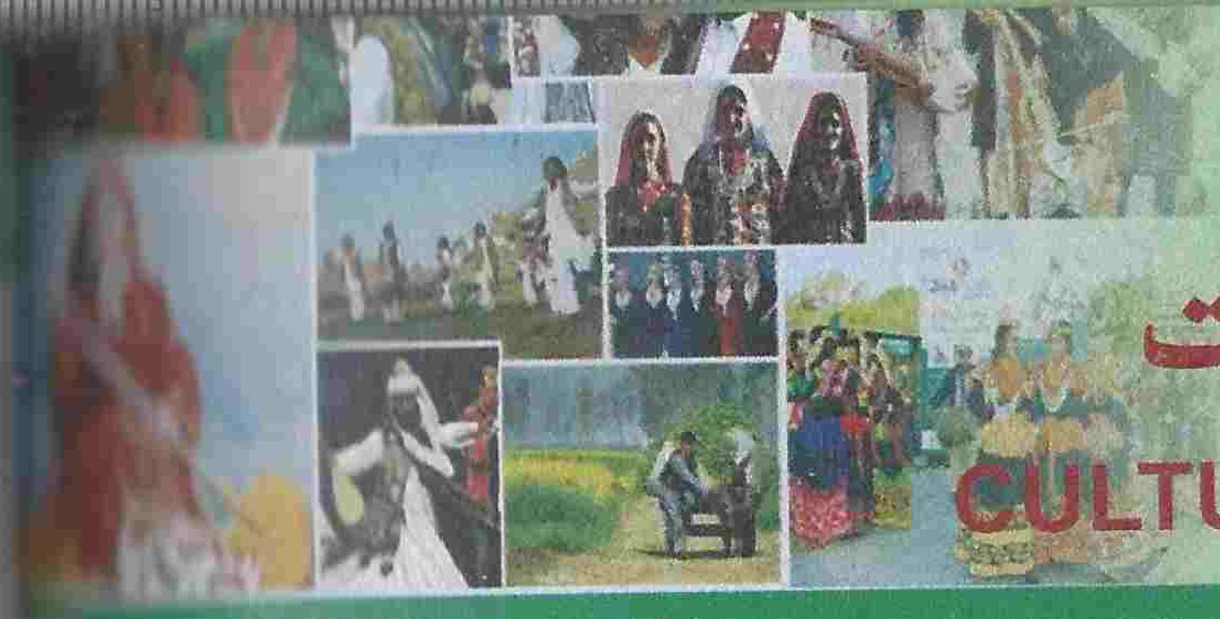

آٹھواں باب

پاکستان کی ثقافت

CULTURE OF PAKISTAN

"ثقافت" کے لفظی معنی ہیں "کچھ اُگانا"۔ اس کو ایک طرزِ زندگی بھی کہا جاتا ہے۔ کسی بھی قوم کی ثقافت میں بہت سے عوامل شامل ہوتے ہیں۔ اس میں طرزِ زندگی، زبان، ادب، مذہب، رسوم و رواج، نظریہ حیات، خوراک کی عادتیں، عمارت سازی اور فنونِ لطیفہ شامل ہیں۔ ثقافت کے یہ تمام پہلو ساتھ ساتھ اُبھرتے اور پروان چڑھتے ہیں۔ ثقافت کا ہر ایک پہلو اور عنصر قوم کے ماضی اور حال کا عکاس ہوتا ہے۔ جغرافیائی حالات اور ماحول کا بھی قوم کی ثقافت پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ ان حالات اور ماحول میں زمین، آب و ہوا، نباتات، معدنی وسائل اور حیوانات سب ہی شامل ہیں۔ ثقافت کی چند کرداری خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں۔

(i) ہر ثقافت کا اپنا مخصوص مزاج ہوتا ہے جو ایک تہذیب و ثقافت والوں کو دوسروں سے ممیز کرتا ہے۔ یہ ثقافت کسی قوم یا ملک کے ماضی کی تاریخ اور نظریے کی عکاسی کرتی ہے۔

(ii) ثقافت ایک قوت (داعیہ) ہے جو دوسروں کو متاثر کرتی ہے۔ مثبت سوچ و فکر (قوت) کی ثقافت جلد ہی دوسری ثقافتوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔

(iii) دوسری ثقافتوں سے ملاپ اور رابطے کی صورت میں ثقافت میں تبدیلی آسکتی ہے۔ ایک وقت تھا کہ مسلم ثقافت نے دنیا کی دوسری اقوام کی ثقافت کو متاثر کیا تھا۔ یہ ثقافتی سوچ و فکر (قوت) اُس وقت تک مؤثر رہتی ہے جب تک لوگوں کا اپنا کردار اُس ثقافت پر یقین اور اعتماد کا اظہار کرتا رہتا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ تبدیلی اور دوسری ثقافتوں کے ساتھ ملاپ کے عمل سے گزر کر نئی ثقافت وجود میں آتی ہے۔

(iv) کسی بھی ثقافت کی اپنی انفرادی شناخت اور پہچان اس کو دوسروں میں مقبول بناتی ہے۔ ماضی میں مسلم ثقافت اس لیے بام عروج پر پہنچی تھی کیوں کہ ہر مسلمان ذاتی کردار اور اقدار میں بہت توانا اور مستحکم تھا۔

(v) ہر ثقافت کی چند بڑی توانا اقدار ہوتی ہیں۔ توانا، مستحکم اور مستقل اقدار کی حامل ثقافت دوسری ثقافتوں کو خود میں جذب کر لیتی ہے، جس طرح مسلم ثقافت نے اُس وقت کیا جب مسلمانوں نے کئی دوسرے

ممالک کو فتح کر لیا۔ اِن ثقافتوں کے مسلم ثقافت میں جذب ہونے کی وجہ اسلام کی توانا، پائیدار اور مستقل اقدار ہیں۔

1۔ پاکستان کی زبانیں:

زبان ثقافت کا سب سے اہم جزو ہے کیوں کہ خیالات، احساسات اور جذبات کے اظہار کے لیے زبان ہی مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ زبان قوم کی شناخت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر قوم اپنی زبان کو عزیز رکھتی ہے اور اس کے فروغ و ارتقا کے لیے مناسب اقدامات کرتی ہے۔

دنیا میں ایسے بہت سے ممالک ہیں جہاں ایک سے زیادہ زبانیں بولی جاتی ہیں۔ کسی ملک میں بولی جانے والی تمام زبانیں اُس ملک کی ثقافت کا حصہ ہوتی ہیں۔ البتہ اُن میں سے کسی ایک زبان کو قومی رابطہ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور اُسی کو قومی زبان کہتے ہیں۔

قومی زبان کے ذریعے مختلف علاقوں کے رہنے والوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے میں مدد ملتی ہے اور یہ اتحاد اور قومی یکجہتی کو فروغ دینے کا ذریعہ ہے۔ قومی زبان کو ملک کی دوسری زبانوں پر فوقیت حاصل ہوتی ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ دوسری زبانوں کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے۔ علاقائی زبانوں کو کسی صورت میں بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ تمام صوبائی زبانیں قوم کا مجموعی ثقافتی اثاثہ ہیں، جو کہ اپنے اپنے مخصوص علاقوں میں بتدریج پھلتی اور پھولتی رہتی ہیں۔

پاکستان میں 30 سے زائد زبانیں بولی جاتی ہیں۔ ہمارے ملک کی بڑی صوبائی زبانیں سندھی، پنجابی، پشتو اور بلوچی ہیں۔ یہ زبانیں زیادہ تر اپنے اپنے صوبوں کی نمائندگی کرتی ہیں اور انھیں صوبائی زبانیں کہا جاتا ہے۔ پاکستان کی قومی زبان اُردو ہے، جو لب و لہجے کے معمولی فرق کے ساتھ پاکستان کے تمام علاقوں میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ قیامِ پاکستان کے وقت بانیٔ پاکستان قائداعظمؒ نے واضح الفاظ میں اعلان کیا تھا کہ پاکستان کی قومی زبان اُردو ہوگی۔ پاکستان کے 1973ء کے دستور میں بھی اُردو کو سرکاری زبان قرار دیا گیا ہے۔

i۔ اُردو:

اُردو ہمارے ثقافتی ورثے کا حصہ ہے۔ اب سے تقریباً تین ہزار سال قبل آریا وسط ایشیا سے آکر جنوبی ایشیا کے شمالی حصے میں آباد ہو گئے تھے۔ جیسے ہی اُن کی تعداد میں اضافہ ہوا اُنھوں نے رفتہ رفتہ یہاں کے قدیم باشندوں کو جنوب کی جانب دھکیل دیا۔ آریا لوگ سنسکرت زبان بولتے تھے لیکن کچھ مقامی اثرات سے اس زبان میں تبدیلیاں آئیں اور یہ

سنسکرت سے بگڑی ہوئی زبان "پراکرت" یعنی عام لوگوں کی زبان کہلانے لگی۔ چنانچہ تقریباً پندرہ سو سال تک عام لوگ پراکرت بولتے رہے۔ راجا بکر ماجیت نے سرکاری علمی و ادبی کاموں کے لیے ایک بار پھر سنسکرت زبان رائج کر دی۔ لیکن عوام کی زبان پراکرت ہی رہی۔

وقت گزرنے کے ساتھ پراکرت زبان نے چار منفرد اور نمایاں شکلیں اختیار کر لیں اور ان مقامی شکلوں میں سے ایک شکل 'برج بھاشا' کہلائی۔ یہ زبان دریائے گنگا اور جمنا کے درمیان اور ان کے اطراف کے علاقوں میں بولی جاتی تھی۔

مسلمانوں کے مختلف خاندانوں نے جنوبی ایشیا (برصغیر) پر حکومت کی۔ پہلے یہاں پٹھانوں کی اور پھر مغلوں کی حکومت قائم ہوئی۔ اُن لوگوں کی زبان فارسی تھی جس میں عربی اور ترکی زبانوں سے بہت سے الفاظ مستعار لیے گئے تھے۔

مغلوں کے دورِ حکومت میں کئی یورپی اقوام جنوبی ایشیا میں کسی نہ کسی مقصد سے آئیں۔ اس طرح کچھ فرانسیسی اور پرتگالی الفاظ بھی برج بھاشا میں شامل ہو گئے اور یوں شاہ جہاں (1627 تا 1658ء) کے عہد میں برج بھاشا داخلی طور پر اتنی بدل گئی کہ یہ ایک نئی زبان معلوم ہونے لگی۔ اس نئی زبان کو ہندو اور مسلمان یکساں سمجھ اور بول سکتے تھے اور چونکہ مغل بادشاہوں کی فوج میں ہر قوم و مذہب و فرقے کے سپاہی ہوتے تھے اس لیے یہ فوجیوں کے لشکر کی زبان بن گئی۔ فوجی لشکر کو ترکی زبان میں اُوردو کہتے ہیں۔ لہٰذا لشکر میں بولی جانے والی زبان کا نام 'اوردو' پڑ گیا۔ اوردو کا لفظ خود منگولی زبان کے لفظ 'اوردہ' (یعنی پڑاؤ یا لشکر) سے ماخوذ ہے۔ فارسی زبان کے زیر اثر لفظ 'اوردو' زیادہ ملائم ہو کر 'اردو' ہو گیا۔ اس زبان کا شکوہ اور شان و شوکت ترکی الفاظ کی مرہونِ منت ہے اور اس کی مٹھاس اور شیریں بیانی اور دلکشی فارسی الفاظ کے طفیل ہے۔ عربی کے وہ الفاظ جو ترکی اور فارسی نے مستعار لیے ہوئے ہیں وہ بھی اس نئی زبان اُردو نے اختیار کر لیے۔

مغل بادشاہوں کے آخری دو سو سالہ (1658 تا 1857ء) دور میں علمائے دین، اہلِ علم و دانش اور شعراء نے اُردو زبان کو اظہارِ خیال کے لیے اختیار کر لیا۔ اُس وقت دوسری زبان فارسی تھی۔ اس طرح اس زبان کی ترقی و توسیع ترویج کو مہمیز مل گئی۔ اُردو زبان کی ساخت کچھ ایسی ہے کہ دوسری زبانوں کے الفاظ اس میں شامل ہو کر اجنبی معلوم نہیں ہوتے بلکہ مستعمل ہونے پر اسی زبان کا جزو لاینفک معلوم ہونے لگتے ہیں۔

اُردو نے تحریکِ پاکستان کو فروغ دینے میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ پاکستان کے تمام صوبوں میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ یہ قومی اتحاد کی علامت ہے۔ مقامی زبانوں کے بے شمار الفاظ اب اُردو زبان میں اپنی جگہ بنا رہے ہیں۔ اُردو نے خود مقامی زبانوں کو بہت متاثر کیا ہے اور اردو کے الفاظ اب بڑی بے تکلفی سے سندھی اور پنجابی زبان کی گفتگو میں استعمال ہوتے ہیں۔

اُردو نے پاکستان میں بہت ترقی کی ہے اور فروغ پایا ہے۔ اُردو ادب میں نظم کا بیش قیمت ذخیرہ موجود ہے۔ ہمارے ادیبوں اور شاعروں نے اپنی کاوشوں سے اسے مالا مال کر دیا ہے اور پاکستان کے عوام الناس میں اس کو مقبول بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اُردو ڈراموں، اُردو فیچر فلموں اور اردو میں میٹھے اور شیریں نغموں نے ان کے مطالب اور مفہوم کو سمجھنا آسان کر دیا ہے۔ اُردو ذریعہ تعلیم بھی ہے اور امتحان کا ذریعہ بھی۔ جدید علوم اور مضامین کا اُردو ترجمہ کیا جا رہا ہے۔ اُردو زبان کی ترقی کے لیے وفاقی سطح کے دو کالج یعنی اُردو سائنس کالج اور اُردو آرٹس کالج کراچی میں قائم کیے ہیں جنہیں اب اُردو یونیورسٹی کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ حکومت نے ایک ادارہ "مقتدرہ قومی زبان" کے نام سے اسلام آباد میں قائم کیا ہے۔ جس کا مقصد و مدعا اُردو زبان کی ترقی و ترویج ہے۔

ii۔ سندھی:

سندھی جنوبی ایشیا (برصغیر) کی قدیم ترین زبانوں میں سے ایک ہے۔ جنوبی ایشیا میں مسلمانوں کی آمد کے بعد سندھی زبان نے بہت تیزی سے ترقی کی اور عربی، فارسی الفاظ اس زبان میں داخل ہو گئے۔ سندھی زبان ترمیم شدہ عربی رسم الخط میں لکھی جاتی ہے۔ سندھی زبان کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ مسلمانوں کے دورِ حکومت میں یہ پہلی مقامی زبان تھی جس میں قرآن مجید کا ترجمہ ہوا۔

سندھی صوفیانہ شاعری کو صوبہ سندھ کے علاوہ پاکستان کے دوسرے صوبوں اور علاقوں میں بھی بہت مقبولیت حاصل ہے۔ شاہ عبداللطیف بھٹائی اور سچل سرمست "سندھی صوفیانہ شاعری کے سب سے نمایاں شاعر ہیں۔ ان کی شاعری سے عوام فیض یاب ہوتے ہیں اور ان پر فخر کرتے ہیں۔

اُنیسویں صدی کے آخر میں جدید سندھی زبان کی بنیاد رکھی گئی۔ بیسویں صدی میں سندھی زبان نے نظم و نثر کے میدانوں میں خوب ترقی کی ہے۔ افسانہ، ناول، ڈرامہ، سفرنامہ، مضامین و مقالے اور جدید نثر کی تمام اصناف غرضیکہ ہر میدان میں مسلسل تخلیقات سامنے آ رہی ہیں۔ روایتی اصنافِ شاعری یعنی غزل، نظم، مثنوی، رباعی وغیرہ کے ساتھ ساتھ کئی یورپی، چینی اور جاپانی اصنافِ سخن بھی متعارف کرائی گئی ہیں۔ اس لیے آج کے دور کی سندھی زبان میں علم و ادب کا بیش بہا خزینہ موجود ہے۔ سندھی زبان میں تقریباً ایک درجن اہم روزنامے اور سو سے زائد ہفت روزہ، پندرہ روزہ، ماہنامے اور سہ ماہی رسالے، میگزین اور جرنل شائع ہوتے ہیں۔

سندھ یونیورسٹی، جام شورو اور جامعہ کراچی (یونیورسٹی) میں سندھی زبان کے شعبے قائم ہیں، جہاں سے ماسٹر

(ایم۔اے) اور ڈاکٹریٹ (پی ایچ ڈی) کے اسناد عطا کی جاتی ہیں۔ سندھی زبان اسکولوں اور کالجوں میں پڑھائی جاتی ہے اور پرائمری سے لے کر اعلیٰ درجوں تک بلکہ یونیورسٹی میں پوسٹ گریجویٹ کی سطح کے امتحانات میں بھی سندھی زبان میں جواب لکھنے کی اجازت ہے۔ سندھی زبان صوبہ سندھ کی سرکاری زبان ہے۔ سندھی زبان کی ترقی کے لیے 1990ء میں ایک ادارہ ''مقتدرہ سندھی زبان'' قائم کیا گیا ہے۔ سندھی ادبی بورڈ معیاری قدیم اور جدید ادب کے شاہکار شائع کر کے سندھی زبان کو فروغ دے رہا ہے۔

iii۔ پنجابی:

صوبہء پنجاب کی زبان پنجابی ہے۔ پنجابی ذخیرہ الفاظ میں عربی، ترکی اور فارسی زبانوں کے الفاظ شامل ہیں۔ اگرچہ کہ پنجاب کے مختلف علاقوں میں بولی جانے والی پنجابی کے لب و لہجے میں معمولی سا فرق ہے لیکن بنیادی طور سے ایک ہی زبان ہے۔ قدیم بدھ مذہب کے چند پیشواؤں نے پنجابی زبان میں مذہبی اور پُرعقیدت نغمے اور گانے لکھے تھے، جو پنجابی ادب کے قدیم ترین شہپارے ہیں۔ اس زبان میں ادبی روایت کا باقاعدہ آغاز جنوبی ایشیا میں مسلمانوں کی آمد کے بعد ہوا۔ اس خطے کے بیشتر علمائے دین اور صوفیائے کرام نے اپنے خیالات کے اظہار اور تبلیغِ دین کے لیے اس زبان کو اختیار کیا۔ جن چند عظیم صوفی شعراء اور مبلغین نے پنجابی زبان میں اپنا کلام پیش کیا ہے اُن میں بابا فرید گنج شکر، شیخ ابراہیم (فرید ثانی)، گورونانک، شاہ حسین (مادھولال)، سلطان باہو، بلھے شاہ، وارث شاہ، ہاشم شاہ، علی حیدر ملتانی، میاں محمد بخش اور خواجہ غلام فرید شامل ہیں۔

بیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ ہی پنجابی زبان میں ناول، ڈرامے، مختصر کہانی اور افسانے اور دیگر اصناف نثر لکھنے کا آغاز ہوا۔ ان ہی دنوں پنجابی صحافت کا بھی آغاز ہوا۔ اس کے بعد پنجابی زبان میں نئے نئے موضوعات مثلاً فن، فلسفہ، تاریخ، لسانیات، معاشیات، جغرافیہ، طب اور قانون وغیرہ پر کتابیں لکھنے کا رجحان پیدا ہوا اور آج اِس زبان میں مطبوعہ اور غیر مطبوعہ شاہکاروں کا وسیع خزینہ موجود ہے۔

صوبہء پنجاب میں پنجابی کو ایک اختیاری مضمون کے طور پر پڑھایا جاتا ہے۔ جامعہ پنجاب (یونیورسٹی) میں پنجابی زبان کا شعبہ قائم ہے جہاں ایم اے اور ڈاکٹریٹ کی سطح پر تعلیم دی جاتی ہے۔ غرض یہ کہ اب پنجابی زبان ترقی کی راہ پر گامزن ہے اور اس کا ادب بتدریج مالا مال ہو رہا ہے۔ گزشتہ چالیس (40) برسوں میں بے شمار نوجوان پنجابی ادیب، ڈراما نگار اور شاعر ابھر کر سامنے آئے ہیں۔ پنجابی ڈراموں اور فلموں نے لوگوں کے ذہنوں پر شدید اثر ڈالا ہے اور اس سے

زبان زیادہ مالدار ہوگئی ہے اور عوام الناس میں اس کی مقبولیت بھی بڑھ گئی ہے۔

iv۔ پشتو:

صوبہء خیبر پختونخوا کی زبان پشتو ہے۔ یہ بلوچستان کے شمال مغرب میں بھی بولی جاتی ہے۔ زمانہ قدیم میں مشرقی ایرانی قبائل دریائے سندھ اور کوہ ہندوکش کے درمیانی علاقے میں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ وہ جو زبانیں بولتے تھے اُن کی باقیات میں اب بھی سنجانی اور پامیر زبانیں زندہ ہیں۔ پشتو زبان ان ہی زبانوں کی اساس سے اُبھری ہے۔ قدیم پشتو ادب کے علاوہ سترھویں اور اٹھارھویں صدی عیسوی میں پشتو زبان کے مشہور شاعر کاظم خان شیدا، رحمان بابا اور خوشحال خان خٹک وغیرہ نے پشتو زبان میں کثیر تعداد میں نغماتی نظمیں لکھی ہیں۔ اسی زمانے میں پشتو صحافت کا بھی آغاز ہوا۔ پشتو زبان کے لوک گیت اور لوک کہانیاں محفوظ کی گئیں۔ موجودہ دور میں پشتو کا ادبی اور علمی سرمایہ بہت وسیع ہو گیا ہے۔ اب پشتو زبان میں کئی رسائل شائع ہوتے ہیں۔ جامعہ پشاور (یونیورسٹی) اس زبان کو ترقی دینے کے لیے ضروری اقدامات کر رہی ہے۔ جامعہ پشاور (یونیورسٹی) میں قائم پشتو اکیڈمی پشتو کو ترقی دینے اور جدید بنانے کی ہر ممکن کوشش کر رہی ہے۔ کوئٹہ میں بھی ایک پشتو اکیڈمی قائم ہے۔

v۔ بلوچی:

صوبہ بلوچستان کے بلوچ قبائل کی زبان بلوچی ہے۔ اس صوبے میں بلوچی زبان کے علاوہ پشتو اور براہوی زبانیں بھی بولی جاتی ہیں۔ بلوچی زبان کا سلسلہ جنوبی اور مشرقی ایران میں بولی جانے والی قدیم زبانوں سے ملتا ہے۔ بلوچ قبائل شمال مشرقی ایران سے جنوبی ایشیا (برصغیر) کے اُس علاقے میں آئے جسے اب بلوچستان کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ اپنے ساتھ قدیم بلوچی زبان بھی لائے تھے۔ لیکن ابتداء میں بلوچی زبان قابلِ ذکر ترقی نہیں کر سکی۔ 1952ء میں کراچی سے پہلا بلوچی ماہنامہ شائع ہوا۔ لیکن وہ زیادہ عرصے تک جاری نہیں رہ سکا۔ اس کے بعد 1960ء میں کوئٹہ سے سرکاری مجلّہ اولس جاری ہوا جو ہنوز جاری ہے۔ بلوچی علم و ادب کو فروغ دینے اور پروان چڑھانے کے لیے کئی تنظیمیں کام کر رہی ہیں۔ اب بلوچی ادب ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ بلوچی ادب میں رزمیہ اور رومانوی شاعری کے علاوہ لوک داستانوں کا رنگ نمایاں ہے۔ جام درک، مست توکلی، گل خان نصیر، آزاد جمال الدین، ن۔م دانش اور بائل دشتیاری (نازبی بی) مشہور بلوچی ادیب ہیں جنھوں نے اس زبان کے فروغ میں نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں۔ بلوچی زبان کو مزید ترقی دینے کے لیے جامعہ بلوچستان (یونیورسٹی) اور بلوچی اکیڈمی گراں قدر خدمات انجام دے رہی ہیں۔

مندرجہ بالا زبانوں کے علاوہ پاکستان میں بولی جانے والی نمایاں اور قابلِ ذکر علاقائی زبانوں میں شینا، بلتی، براہوی، چترالی، کشمیری، کوہستانی، ہندکو اور سرائیکی شامل ہیں۔ یہ زبانیں اپنے اپنے مخصوص علاقوں میں بولی جاتی ہیں۔

2۔ قومی زبان کی اہمیت بالمقابل قومی اتحاد:

اگرچہ کہ تمام صوبائی زبانیں مساوی اہمیت رکھتی ہیں۔ اس کے باوجود ایک قومی زبان کی ضرورت اور اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ہر قوم کو اپنی پہچان اور شناخت کے لیے چند علامتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ زبان بھی کسی قوم کی بہت بڑی پہچان ہوتی ہے۔ پاکستان چار صوبوں پر مشتمل ایک مضبوط اور مستحکم وفاق کا نام ہے اور اس کی قومی زبان اُردو ہے۔ جسے آئینی تحفظ حاصل ہے اور بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناحؒ نے بھی اُردو کو پاکستان کی قومی زبان قرار دیا تھا۔ اُردو زبان مختلف صوبوں کے درمیان رابطے کا کام دیتی ہے اور جب مختلف علاقوں کے افراد ایک دوسرے سے گفتگو کرنا اور تبادلہ خیال کرنا چاہتے ہیں تو انھیں ایک رابطے کی زبان کی ضرورت ہوتی ہے۔ قومی زبان کے ذریعے قومی اتحاد اور یکجہتی کا تصور ابھرتا ہے اور مختلف صوبوں میں رہنے والوں کو یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ اپنی الگ زبان رکھنے کے باوجود ایک قومی زبان کی بدولت ایک رشتے میں بندھے ہوئے ہیں اور یہ زبان سب کا ورثہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُردو شاعری اور نثر میں پاکستان کا ہر صوبہ تخلیقات پیش کر رہا ہے۔ ہمیں سندھ، پنجاب، بلوچستان اور خیبر پختونخوا کے ایسے شاعر اور ادیب ملتے ہیں جن کی اُردو میں تخلیقات، اردو ادب میں گراں قدر اضافہ ہیں۔

مندرجہ بالا حقائق سے یہ واضح ہے کہ اُردو حقیقتاً اس کی مستحق ہے کہ اُسے قومی زبان کے طور پر اختیار کیا جائے۔ اس لیے قومی اتحاد پیدا کرنے میں بحیثیتِ قومی زبان اس کی اہمیت ذیل میں بیان کی جارہی ہے۔

(i) رابطے کا ذریعہ:

یہ پاکستان کے عوام کے درمیان تعاون اور تعلقات بڑھانے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ یہ پاکستان کے چاروں صوبوں میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اسی لیے یہ قومی اتحاد، یکجہتی اور استحکام کا ذریعہ ہے۔

(ii) تحریکِ پاکستان میں کردار:

جب تحریکِ پاکستان اپنی ابتدائی منزلوں میں تھی تو اُس وقت اُردو سب سے زیادہ پسندیدہ زبان تھی۔ یہ زبان جنوبی ایشیا (برصغیر پاک و ہند) پر مسلمانوں کے دورِ حکومت میں پروان چڑھی ہے۔ اُردو زبان بہت منفرد اور نمایاں ہوگئی تھی کیونکہ اس نے عربی، فارسی، ترکی اور انگریزی کے ذخیرہ الفاظ کو خود میں جذب اور قبول کرلیا ہے۔ اسلامی ثقافت نے

اسے ایک علیحدہ پہچان دی اور اس کو مسلمانوں میں مقبول بنادیا۔ اس اعتبار سے اکثر مسلم قائدین اور رہنماؤں مثلاً سرسید احمد خان، شیخ عبدالمجید سندھی، علامہ اقبال، حسرت موہانی، علامہ شبلی نعمانی اور قائداعظمؒ اور دیگر اکابرین نے ہندی کے مقابلے میں اُردو زبان کی حمایت کر کے یہ ثابت کردیا تھا کہ اُردو برصغیر کی واحد زبان ہے جس میں اسلامی ادب کثرت سے پایا جاتا ہے۔ اُردو نے عوام کے مابین اتحاد و اتفاق پیدا کیا۔

(iii) مشترک رشتہ:

بحیثیتِ قومی زبان اُردو اور دوسری صوبائی زبانوں میں بہت قریبی اور بے تکلفی کا رشتہ پایا جاتا ہے۔ یہ تمام زبانیں عربی، فارسی اور انگریزی سے متاثر ہیں اور اسی لیے اِن زبانوں میں بے شمار مشترک الفاظ ہیں۔ تمام زبانوں میں یکساں موضوعات پر کتابیں اور لٹریچر دستیاب ہے۔

(iv) ذرائع ابلاغ (ذرائع رسل و رسائل):

ریڈیو، ٹیلی ویژن اور پریس ابلاغ کے خاص ذرائع ہیں۔ یہ قومی اتحاد و اتفاق کے فروغ کے لیے قومی اور صوبائی زبانوں کی مدد سے اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ ان زبانوں کے مشترکہ سرمائے سے لوگوں کو آگاہ کیا جاتا ہے۔ اس سے قومی زبان کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ اس سے پاکستان کے مختلف علاقوں کے لوگوں کے مابین ہم آہنگی پیدا ہوئی ہے۔

(v) فائدے کا ذریعہ:

صوبائی زبانوں کی تحریریں مثلاً: لوک کہانیاں، مضامین و مقالات، شاعری اور گیت اُردو میں ترجمہ کیے جاتے ہیں، تاکہ ان کو سمجھ کر لوگ زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل کرسکیں اور لوگوں کے درمیان خیر خواہی اور نیک خواہشات کے جذبات فروغ پاسکیں اور ملک میں باہمی افہام و تفہیم میں اضافہ ہوسکے۔

(vi) رابطہ:

پاکستان چار صوبوں کا ایک وفاق ہے۔ پاکستان کے مختلف صوبوں کے مابین اُردو رابطے کی زبان کا فریضہ سرانجام دیتی ہے۔ اس طرح اُردو قومی اتحاد و اتفاق کے لیے ایک اہم کردار ادا کر رہی ہے۔

(vii) بین الاقوامی زبان:

اُردو ادب نہ صرف سارے ملک میں چھایا ہوا ہے بلکہ بیرونِ ملک بھی پھیلا ہوا ہے۔ اُردو کا شمار بین الاقوامی زبانوں میں ہوتا ہے۔

(viii) مشترک ذریعہ:

ہر قوم کی ایک زبان ہوتی ہے جو اُس کے عوام کے مابین اتحاد اور رابطے کے ذریعہ کے طور پر کام آتی ہے۔ مسلمانوں کو باہم یکجا کرنے والی قوت اسلام ہے۔ اسلام کے پیغام کی تبلیغ کے لیے اُردو ایک مشترک ذریعہ بنی اور اسی نے اس کو ایک منفرد مقام عطا کیا ہے اور اسی وجہ سے یہ پاکستان کی قومی زبان ہے۔

3۔ قومی زندگی میں مشترکہ ثقافتی اظہار:

پاکستان کے چاروں صوبوں کی اپنی اپنی صوبائی زبانیں موجود ہیں۔ ان مختلف صوبوں کے رہنے والوں کے رسم ورواج اور رہن سہن میں معمولی اختلاف بھی ہے لیکن پاکستان کے ثقافتی ورثے کا نمایاں تشخص اسلامی تہذیب ہے۔ اس نظام میں مساوات، بھائی چارے، اخوت، عدل وانصاف، حق گوئی اور سچائی کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اس نظامِ حیات نے پھر مزید علم وادب سازی وتعمیرات، موسیقی ومصوری، خطاطی اور لسانیات کو متاثر کیا۔ ان میدانوں میں مسلمانوں کے کارہائے نمایاں ہمارا ثقافتی ورثہ ہیں۔ ان کے حوالے سے ہمیں جانا اور پہچانا جاتا ہے۔ اسلام نے پاکستان کے عوام کو اُخوت کے ایک رشتے میں پرودیا ہے۔ اسی لیے قومی زندگی میں مشترکہ ثقافتی اظہار مندرجہ ذیل ہیں۔

(i) ملی جلی ثقافت:

پاکستان میں ملی جلی ثقافت پائی جاتی ہے اور اپنے اساسی ڈھانچے کی بنیاد پر یہ بہت اہم ہے۔ ہر خطے کے لوگ اپنے اطراف کے ماحول سے متاثر ہوتے ہیں۔ ماحول کے اثرات اُن کے لباس، غذا اور طرزِ زندگی سے ظاہر ہوتے ہیں۔ پاکستان میں لوگ مختلف علاقوں سے آکر آباد ہوئے ہیں۔ ان میں عرب، ایرانی اور ترک وغیرہ شامل ہیں۔ یہ سب لوگ اپنے اپنے خطوں کے رسوم ورواج کے پیروکار تھے۔ اُن کے لباس، زبان اور ثقافت جدا تھی۔ یہ تمام ثقافتیں ایک دوسرے میں شامل ہوگئی اور انھوں نے مشترکہ پاکستانی ثقافت پیدا کردی ہے۔

(ii) مردوں اور خواتین کی حیثیت ومرتبہ:

پاکستانی ثقافت میں مرد کو منفرد اور ممتاز مرتبہ حاصل ہے۔ وہ خاندان کا سربراہ ہے۔ اُس کو برتری اور فوقیت حاصل ہے۔ لیکن عورت کو بھی خاندان کا ایک اہم جز و تصور کیا جاتا ہے جو چاردیواری کے اندر خاندانی معاملات کو چلاتی ہے اور اس چاردیواری کے اندر اُسی کا حکم چلتا ہے۔ خانہ داری اور بچوں کی پرورش اور نگہداشت کسی بھی خاندان میں عورت کی ذمہ داری ہے۔ نیز یہ کہ اسلامی اصولوں کے تحت اُس کو تعلیم کا حق، ملکیت کا حق اور تجارت کا حق حاصل ہے۔ اسلامی

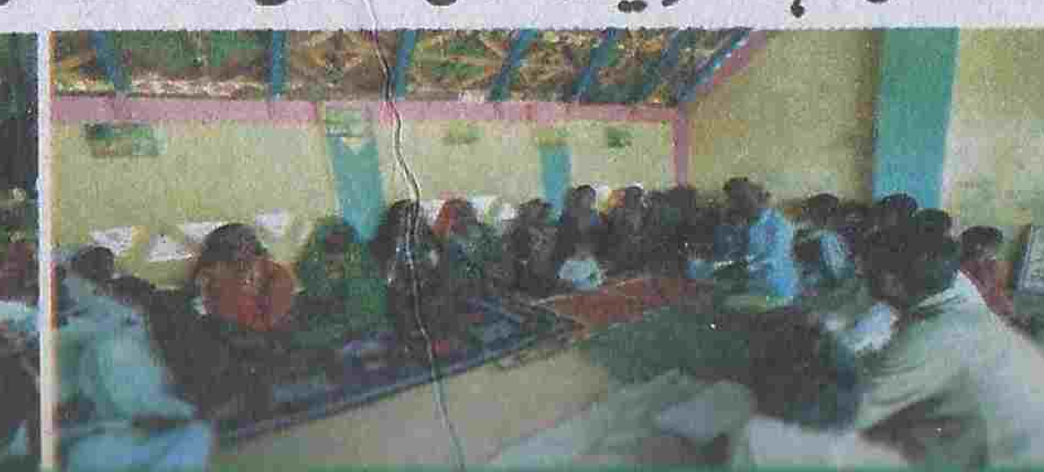

تعلیمات کی روشنی میں خواتین ومردوں کے حقوق وفرائض کا تعین کیا گیا جس سے پاکستان کا مشترکہ ثقافتی ورثہ تشکیل پاتا ہے۔

(iii) معاشرتی زندگی:

پاکستان میں معاشرتی زندگی بہت سادہ ہے۔ لوگ قدیم روایات پر یقین رکھتے ہیں، اُن کے رسوم ورواج سادہ اور دلچسپ ہیں۔ مشترکہ خاندانی نظام اختیار کیا جاتا ہے۔ لوگوں کو بڑوں کی عزت کرنا اور بچوں سے پیار کرنا سکھایا جاتا ہے۔ لوگ ایک دوسرے سے پیار ومحبت اور احترام کے رشتے سے جڑے ہوئے ہیں۔ خواتین کا احترام اور ان کی عزت کی جاتی ہے۔ لوگوں کی اکثریت دیہات میں رہتی ہے اور زراعت اور مویشی پالنے سے منسلک ہیں۔ شادیاں روایتی طریقوں سے ہوتی ہیں۔ شہر میں بہت رنگینی اور حسن ہوتا ہے۔ شادیوں پر کثیر رقم خرچ کی جاتی ہے۔ شہروں میں بہت سے افراد قومی معیشت کے مختلف شعبوں میں بھی ملازمت کرتے ہیں۔ اسی لیے پاکستان کے تمام حصوں میں معاشرتی زندگی تقریباً یکساں ہے۔ سوائے اس کے چند تہواروں اور مواقع کو منانے میں آب وہوا اور ماحولیاتی حالات کے زیرِ اثر کچھ تھوڑا بہت فرق آجاتا ہے۔

(iv) غذا (خوراک):

پاکستان کے عوام کی اکثریت سادہ غذا کھاتی ہے۔ یہ لوگ گندم کی روٹی، گوشت، دالیں اور سبزیاں کھاتے ہیں۔ یہ لوگ چائے، سادہ پانی یا مشروبات پیتے ہیں۔ یہ لوگ مقامی پھل اور ملک کے دوسرے علاقوں کے پھل بھی کھاتے ہیں۔ اسی لیے خوراک کی عادات بھی ہر صوبے میں مشترک ہیں۔

(v) تفریحات:

ہماری تفریحات اور فارغ اوقات کے مشاغل ملتے جلتے ہیں۔ کھیلوں میں ہاکی، کرکٹ، اسکواش، کبڈی اور کشتی پورے ملک میں یکساں طور پر مقبول ہے۔ تمام لوگ ان کھیلوں میں دلچسپی لیتے ہیں اور اسی لیے یہ ہمارے قومی کھیل بن گئے ہیں۔ یہ کھیل ہمارے مشترکہ اور مماثل ثقافت کے عکاس ہیں۔

(vi) مذہبی تفریحات (تہوار):

مشترکہ اور مماثل ثقافتی ورثے کا مشاہدہ ہماری مذہبی تفریحات اور تہواروں میں بھی کیا جاسکتا ہے۔ شادی ایک مقدس اور پاکیزہ مذہبی فریضہ ہے اور اسی لیے یہ اسلامی روایات اور رنگ کی عکاس ہے۔ شادی کے موقع پر لوگ زرق برق اور رنگین لباس پہنتے ہیں۔ دلنشین اور میٹھے گیت گاتے ہیں، تحفے دیتے ہیں اور لذیذ کھانوں پر لوگوں کی دعوتیں کرتے ہیں۔

شادی کے موقع پر گھروں کو رنگین روشنیوں سے سجایا جاتا ہے۔ شادی خوشی و مسرت کا ذریعہ بنتی ہے۔ اس سے بھی ہمارے مشترکہ اور مماثل ثقافتی ورثے کا اظہار ہوتا ہے۔

ہمارے ہاں اسی طرح پیدائش و موت کی چند رسوم و رواج ہیں۔ بچے کی پیدائش اور خاص طور سے لڑکے کی پیدائش پر خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ ایک دوسرے کو تحفے تحائف دیے جاتے ہیں۔ کسی شخص کے انتقال پر لوگ غم زدہ خاندان کے ساتھ دکھ و غم والم میں شریک ہوتے ہیں۔ اس موقع پر ہمسائے، عزیز و اقربا اور دوست احباب کھانے کا انتظام کرتے ہیں۔ اس طرح سے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ اخوت کے جذبات ابھارتے ہیں۔

اسی طرح عید میلاد النبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ، عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ ہمارے مذہبی تہوار ہیں، جنھیں پُرجوش طریقے سے منایا جاتا ہے۔ تمام لوگ نئے لباس پہنتے ہیں، مختلف قسم کے لذیذ پکوان پکاتے ہیں اور تحفے تحائف کا تبادلہ کرتے ہیں۔ ان تمام مواقع اور تہواروں پر اخوت و محبت کے عظیم جذبات کا اظہار کیا جاتا ہے۔

(vii) اُخوت و محبت کا ایک ہی پیغام:

ہمارے ثقافتی ورثے کا اظہار ہمارے مذہبی ادب (لٹریچر) اور ادبی اقدار سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ اخوت و محبت کا ایک ہی پیغام ہے جو ہمارے صوفیوں نے مختلف زبانوں میں پہنچایا ہے۔ مختلف ادیبوں نے مختلف زبانوں میں جو ادب تخلیق کیا ہے وہ امن، انسانیت، تصوف، عدل و انصاف، محبت اور باہمی تعاون کا پیغام اور درس دیتا ہے۔ شاہ عبداللطیف بھٹائی اور سچل سرمست نے سندھ میں، سلطان باہو، بلھے شاہ اور وارث شاہ نے پنجاب میں، رحمان بابا اور خوشحال خان خٹک نے خیبر پختونخوا میں اور گل خان نصیر نے بلوچستان میں ہمیں محبت اور اخوت کا ایک جیسا درس دیا ہے۔ اسی لیے یہ ہمارے مشترکہ اور مماثل ثقافتی ورثے کی نشانیاں ہیں۔

(viii) ذرائع ابلاغ:

ریڈیو، ٹیلی ویژن، اخبارات و رسائل اور ذرائع آمد و رفت کی وساطت سے قومی ہم آہنگی اور ربط اور مشترکہ قومی ثقافت نشو و نما پا رہی ہے۔

(ix) نظامِ تعلیم:

قومی سطح پر اختیار کیے جانے والے تعلیمی نظام کی وساطت سے قومی ثقافت کی نشو و نما ہوتی ہے اور یہ پروان چڑھتی ہے۔ ہمارے تعلیمی نظام کی یکسانیت اور پڑھائے جانے والے مضامین، نگرانی کا نظام اور طریقہ امتحان و جانچ سے قومی

جذبہ و روح بیدار کرنے میں مدد ملتی ہے اور بچوں کو مشترکہ ثقافتی اقدار کا احساس دلایا جاتا ہے۔ اس طرح قومی ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔ مشترکہ ثقافتی اقدار کو فروغ ملتا ہے اور نئی نسل کا ثقافتی ورثے سے لگاؤ پیدا ہوتا ہے۔

4۔ لباس، تہوار اور میلے، فن و حرفت اور دستکاریاں:

پاکستان ایک بہت وسیع و عریض ملک ہے۔ پاکستان کے مختلف علاقوں کے جغرافیائی حالات اور آب و ہوا میں فرق کی وجہ سے مختلف علاقوں کے رہائش پذیر لوگوں کے رہن سہن، لباس، رسم و رواج، تہوار اور میلے، فنون اور دستکاریوں میں بہت تنوع پایا جاتا ہے۔ اس تنوع کی وجہ سے ہماری ثقافت بڑی بھرپور اور رنگین ہو گئی ہے۔ اس رنگین تنوع اور ہمہ گیریت کا مشاہدہ ہماری ثقافت کے مندرجہ ذیل روپ اور صورتوں سے کیا جا سکتا ہے۔

(i) لباس:

پاکستان کا قومی لباس نہایت سادہ مگر باوقار ہے۔ مرد عام طور پر شلوار اور قمیص پہنتے ہیں۔ اُس کے ساتھ واسکٹ اور پگڑی (کلاہ اور ٹوپی) بھی پہنتے ہیں۔ عورتوں کا عام لباس شلوار، قمیص اور دوپٹا ہے۔ لیکن مردوں اور عورتوں کے لباس کے اندر (ڈیزائن) میں فرق ہے۔ تاہم آب و ہوا اور موسم کے حالات لباس کے انتخاب اور پسند پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ سرد علاقوں میں لباس موٹے اونی کپڑوں سے تیار کیے جاتے ہیں۔ پنجاب، سندھ اور بلوچستان میں موسم گرما میں ہلکے لباس استعمال ہوتے ہیں۔ جبکہ موسم سرما میں موٹے اونی لباس یا سوتی لباس استعمال کیے جاتے ہیں۔ صوبہ خیبر پختونخوا کے لوگوں کے لباس یہی ہیں سوائے اس کے کہ جو لوگ شدید سرد علاقوں میں رہتے ہیں وہ لوگ موسم سرما میں موٹے اونی لباس استعمال کرتے ہیں۔ ملک کے تمام علاقوں میں کوٹ اور پتلون بھی استعمال ہوتے ہیں مگر یہ زیادہ تر شہری علاقوں میں استعمال میں آتے ہیں۔ بہر حال مجموعی طور پر ہمارا قومی لباس شلوار اور قمیص پر مشتمل ہے۔

(ii) ادب اور فنونِ لطیفہ:

مصوری، خطاطی، فنِ تعمیر اور موسیقی کو فنونِ لطیفہ سمجھا جاتا ہے۔ مسلم دورِ حکومت کے دوران جنوبی ایشیا (برصغیر پاک و ہند) میں یہ فنون خوب پھلے اور پھولے۔ اُن کی یہ کامیابیاں اور کامرانیاں ہمارا قومی اثاثہ ہیں۔ پاکستان میں ہمارے مصوروں نے اعلیٰ پائے کی مصوری کی۔ ہمارے خطاطوں نے قرآنِ پاک کی آیات کو نہایت خوبصورت اور اچھوتے انداز میں رقم اور اسلامی اور قرآنی خطاطی کے اعلیٰ نمونے تخلیق کیے ہیں۔ خوبصورت عمارات میں مسلمانوں کا روایتی فنِ تعمیر کا عکس نظر آتا ہے۔ موسیقی کے شعبے میں بھی قدیم موسیقی اور جدید سُروں کے امتزاج سے نئے نئے تجربات کیے گئے۔

ٹیلی ویژن اور اسٹیج ڈراموں کے ذریعے اس فنِ لطیفہ کو پروان چڑھایا گیا۔ سنگ تراشی (پتھروں پر نقاشی) اور نقاشی اور دھاتوں اور لوہے سے زیورات سازی، ظروف سازی اور اسلحہ سازی میں ان فنونِ لطیفہ کے شاہکار بہترین نمونے تخلیق کیے گئے ہیں۔

(iii) دستکاریاں:

پاکستان کے تمام علاقوں میں دستکاری کا اعلیٰ معیاری کام نسل در نسل سے ہو رہا ہے۔ یہ دستکاریاں عام طور پر خواتین اپنے گھروں میں کرتی ہیں۔ سندھ میں لباس پر شیشہ سازی اور کندہ کاری کا نہایت نفیس کام ہوتا ہے اور یہ اپنی جگہ خود بڑا منفرد ہے۔ سندھی اجرک (خوبصورت رنگین چادر) بہت مشہور اور مقبول ہے۔ کراچی میں سیپیوں اور پتھروں سے زیور اور آرائشی اشیاء بنائی جاتی ہیں۔ صوبہ خیبر پختونخوا میں کڑھائی، مینا کاری اور کشیدہ کاری کا اعلیٰ معیاری کام ہوتا ہے۔

دستکاریوں کے میدان میں پنجاب کا بھی بڑا حصہ ہے۔ ملتان کی اونٹ کی کھال سے بنے ہوئے لیمپ اور دیگر مختلف اشیاء نیز نیلے رنگ کی مینا کاری والے برتن، بہاولپور کی مٹی کی نازک صراحیاں اور دیگر ظروف یہ سب ہی دستکاریاں ان علاقوں کے لوگوں کے نفیس فنکارانہ اور ماہرانہ کام کی عکاسی ہیں۔ چنیوٹ میں لکڑی پر کندہ کاری والا فرنیچر تیار ہوتا ہے۔ بلوچستان میں کڑھائی اور کشیدہ کاری اور شیشے کا کام بہت اعلیٰ معیار کا ہوتا ہے۔ خاص طور سے براہوی کشیدی کاری بہت اعلیٰ فنی کام ہے۔ دست کاری کی یہ صفت پاکستان کے اکثر شہروں، قصبوں اور دیہات میں قائم ہے، جہاں ایک طرف اس سے لوگوں کو روزگار ملتا ہے دوسری جانب ان سے ہماری ثقافت کو فروغ مل رہا ہے۔ پاکستان کی دستکاریاں زرمبادلہ کمانے کا بھی ایک ذریعہ ہیں۔

(iv) تہوار اور میلے:

پاکستان میں ہر سال کئی تہوار اور میلے منعقد ہوتے ہیں۔ یہ پاکستان کے لوگوں کے لیے خوشی اور مسرت کا باعث ہیں۔ یہ تہوار اور میلے مندرجہ ذیل ہیں:

عیدالفطر: عیدالفطر ماہِ رمضان المبارک کے اختتام پر یکم شوال کو منائی جاتی ہے۔ یہ اُن مسلمانوں کے لیے جنھوں نے پورے ماہِ رمضان میں روزے رکھے ہوں، اللہ تعالیٰ کی جانب سے انعام و اکرام ہے۔ لوگ اچھے اچھے نئے لباس پہنتے ہیں۔ سویاں کھاتے ہیں اور تحفے تحائف کا تبادلہ کرتے ہیں۔ مالدار لوگ غرباء اور مساکین کی نقد رقوم اور اشیائے صرف سے مدد کرتے ہیں۔

عیدالاضحیٰ: عیدالاضحیٰ ماہ ذی الحجہ کی دس تاریخ کو منائی جاتی ہے۔ یہ عید اُس قربانی کی یاد میں منائی جاتی ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے اپنے فرزند ارجمند حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی پیش کی تھی۔ عیدالاضحیٰ کے روز ہر صاحب حیثیت جانور کی قربانی دے کر عزیزوں، دوستوں، ہمسایوں، اہلِ محلہ اور غرباء و مساکین میں گوشت تقسیم کرتا ہے۔ قربانی ذی الحجہ کی دس، گیارہ اور بارہ تاریخ یعنی تین روز کی جاسکتی ہے۔

عید میلاد النبی: یہ تہوار اسلامی سال کی ماہِ ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو بڑے مذہبی جوش و خروش اور عقیدت سے منایا جاتا ہے۔ اس روز حضرت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ کی ولادت باسعادت کی خوشی منائی جاتی ہے۔ بازاروں، محلوں اور گھروں کو خوبصورتی سے سجایا جاتا ہے۔ مذہبی جلسے منعقد کیے جاتے ہیں۔ اس تہوار کو انتہائی جوش و جذبے اور محبت و عقیدت سے منایا جاتا ہے۔

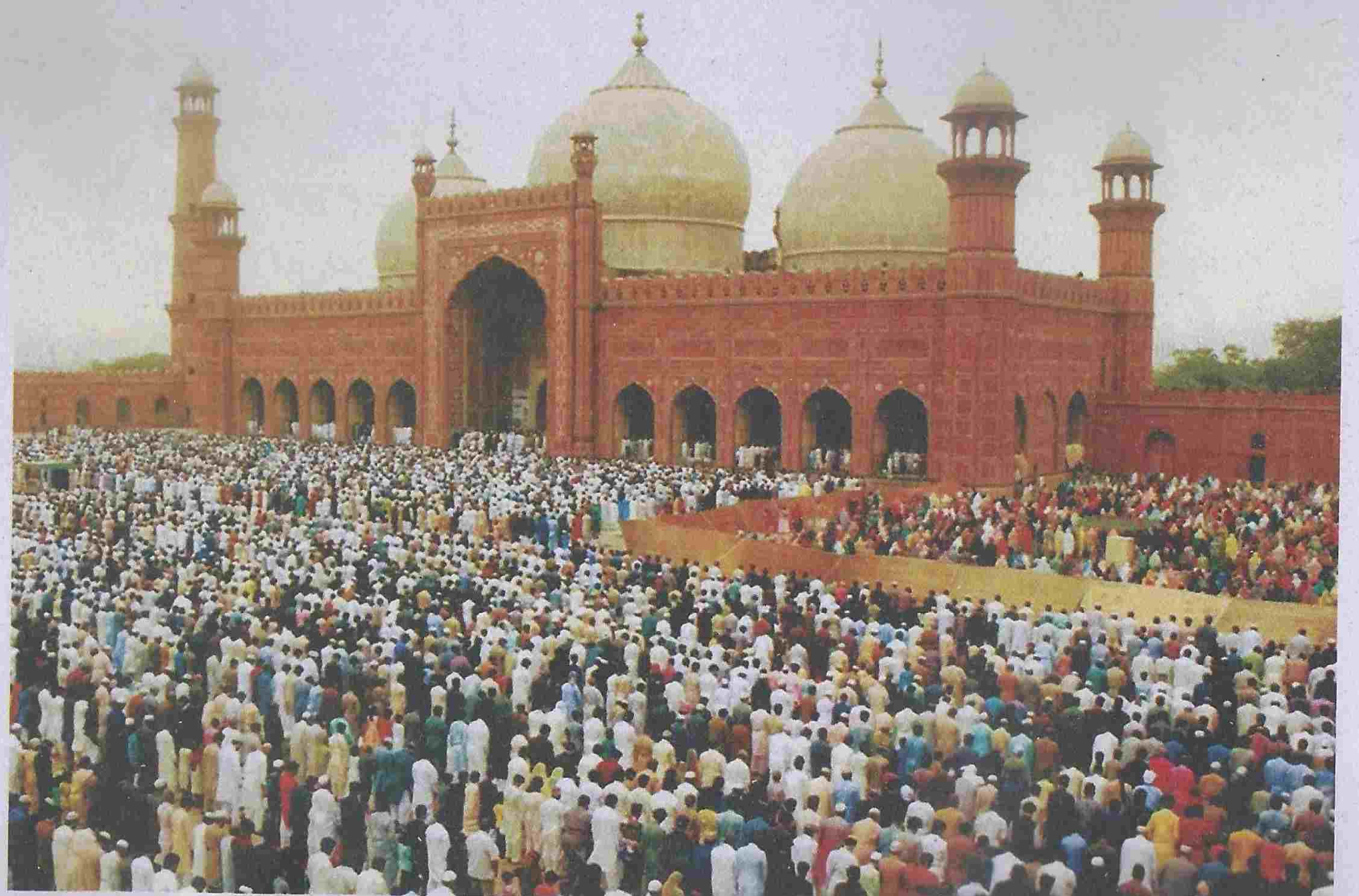

...وں کے تہواروں کی خوشیاں:

پاکستان کے غیر مسلم شہری بھی مسلمانوں کی تہواروں کی خوشی میں شریک ہوتے ہیں۔ لیکن اُن کے اپنے بھی تہوار
...یں۔ عیسائی 25 دسمبر کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام (مسیح اللہ) کا یومِ ولادت مناتے ہیں اور اپریل میں ایسٹر کا تہوار
...یں۔ مسلمان اُن کی خوشیوں میں شریک ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہندو اور سکھ بھی اپنے تہوار دیوالی، رام لیلا، ہولی،
...رھن اور بیساکھی وغیرہ مناتے ہیں۔ تمام پاکستانی اُن کے خوشی اور مسرت کے جذبات اور تہواروں میں شریک
...یں۔

میلے: پاکستانی ثقافت کا ایک گراں قدر پہلو میلے ہیں۔ عام طور سے یہ میلے عظیم بزرگوں اور صوفیوں کے عرس
...ہ یا برسی) کے موقع پر لگتے ہیں۔ ان میں شرکت کے لیے لوگ دور دراز سے آتے ہیں۔ دیہاتی علاقوں میں ہر فصل
...ی کے بعد چند میلے لگتے ہیں۔ یہ میلے دوست احباب، عزیز و اقارب اور دوسروں سے میل ملاقات کا موقع فراہم
...ے ہیں۔ لوگ خرید و فروخت کرتے ہیں اور اس طرح معاشی سرگرمیاں فروغ پاتی ہیں۔ پاکستان کے سب سے زیادہ
...میلے مندرجہ ذیل ہیں۔

(i) عرس حضرت داتا گنج بخش (لاہور، پنجاب)
(ii) عرس حضرت میاں میر (لاہور، پنجاب)
(iii) عرس حضرت بہاء الدین زکریا (ملتان، پنجاب)
(iv) عرس شاہ رکن عالم (ملتان، پنجاب)
(v) عرس حضرت شاہ دولہ دریائی (گجرات، پنجاب)
(vi) عرس حضرت عبداللطیف، بری امام (اسلام آباد)
(vii) عرس حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی (بھٹ شاہ، سندھ)
(viii) عرس حضرت سچل سرمست (درازہ، سندھ)
(ix) عرس حضرت لعل شہباز قلندر (سیہون، سندھ)
(x) عرس حضرت عبداللہ شاہ غازی (کلفٹن کراچی، سندھ)

یہ تمام تہوار اور میلے ہماری ثقافت کا گراں قدر سرمایہ ہیں۔ ان کے ذریعے معاشرتی اور سماجی سرگرمیوں کو فروغ ملتا
ہے۔ ہمارے ثقافتی روابط اور رشتے مضبوط ہوتے ہیں اور ان سے قومی اتحاد اور یک جہتی پیدا کرنے میں مدد ملتی ہے۔

مشق

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات دیجیے:

1۔ ثقافت کی خصوصیات بیان کیجیے۔
2۔ کوئی زبان ثقافت کا اہم حصہ کیوں ہے؟
3۔ پاکستان کی زبانوں پر ایک نوٹ لکھیے۔
4۔ بحیثیت قومی زبان اُردو کی اہمیت بیان کیجیے۔
5۔ قومی زندگی میں مشترکہ ثقافتی مظاہر کون کون سے ہیں؟
6۔ پاکستان کے فنون اور دستکاریوں پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔
7۔ تہواروں کی ہماری ثقافت کے لیے اہمیت بیان کیجیے۔

(ب) خالی جگہیں پُر کیجیے:

(i) پاکستان کی قومی زبان ---------- ہے۔
(ii) پاکستان کی ثقافت ایک ---------- ثقافت ہے۔
(iii) پاکستان کا قومی لباس ---------- اور ---------- ہے۔
(iv) پاکستان میں ---------- زبانیں بولی جاتی ہیں۔
(v) بلوچستان میں دو زبانیں ---------- اور ---------- بولی جاتی ہیں۔
(vi) بلوچی زبان کے دو عظیم شعراء ---------- اور ---------- ہیں۔
(vii) شاہ حسین ایک عظیم ---------- شاعر ہیں۔
(viii) آزادی کے بعد سندھی زبان نے ---------- اور ---------- میں بے پناہ ترقی کی ہے۔
(ix) پاکستان کے اکثر لوگ ---------- غذا کھاتے ہیں۔
(x) ---------- اور ---------- کا ایک ہی پیغام جو ہمارے صوفیوں نے مختلف زبانوں میں دیا ہے۔
(xi) عید الفطر ---------- کے مہینے میں منائی جاتی ہے۔
(xii) عیسائی ---------- کو ---------- مناتے ہیں۔

نواں باب

پاکستان میں تعلیم

EDUCATION IN PAKISTAN

1۔ ترقی کے لیے تعلیم کی اہمیت: (پاکستان کی تعلیمی پالیسی کے خصوصی حوالے سے)

کسی بھی ملک کی ترقی اور فروغ میں تعلیم کو ایک اہم مقام حاصل ہے اور اس کی بدولت افراد علم و آگہی کی دولت سے مالا مال ہو جاتے ہیں۔ علم ایک ایسی قوت اور دولت ہے جو استعمال کرنے سے بڑھتی ہے۔ تعلیم کی اہمیت یہ ہے کہ:

(i) تعلیم نے انسانوں کو ارتقا کے کئی مراحل سے گزرنے میں مدد کی ہے جس کی بدولت انسان سائنس اور فنیت کے موجودہ دور تک پہنچ سکا ہے۔

(ii) تعلیم نے انسان کی مدد کی کہ وہ زمین پر فطری قوتوں پر قابو پا سکے اور خلا کے بے شمار رازہائے سربستہ کو افشاں کر سکے۔

(iii) تعلیم کسی قوم کے نظریے کو سمجھنے اور اُس نظریے کو استحکام بخشنے کے طریقے تجویز کرنے میں مدد دیتی ہے۔

(iv) تعلیم افراد میں قوم پرستی اور حب الوطنی کے جذبات کو فروغ دیتی ہے۔

(v) تعلیم کسی بھی شہری کو اُس کے حقوق و فرائض کی آگاہی میں مدد دیتی ہے تاکہ معاشرے کی فلاح و بہبود اور فروغ میں اپنا کردار ادا کر سکے۔

(vi) تعلیم سے لوگوں کی تخلیقی صلاحیتوں کے فروغ میں مدد ملتی ہے جس سے معاشرے میں صحت مند اور تعمیری تبدیلیوں کا عمل تیز تر ہو جاتا ہے۔

(vii) تعلیم یہ سمجھنے میں مدد دیتی ہے کہ تعلیمی ارتقا اور معاشی ترقی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ تعلیم کا معیار جتنا زیادہ بلند ہوگا افراد بھی اُتنے ہی ہنرمند ہوں گے اور اُتنا ہی زیادہ وہ ملک کو ترقی دے سکتے ہیں۔

(viii) تعلیم قدرتی وسائل کی تلاش اور اُن کی افادیت میں مدد دیتی ہے۔

(ix) تعلیم انسانی وسائل کے فروغ میں سب سے بہترین سرمایہ کاری ہے۔ تعلیم کے توسط سے ہی سائنسی تکنیکی ترقی ممکن ہے۔

پاکستان کی تعلیمی پالیسی میں تعلیم کی اہمیت:

حکومت نے مختلف اوقات اور ادوار میں جو تعلیمی پالیسیاں متعارف کرائی ہیں اُن سے تعلیم کی افادیت اور اہمیت ظاہر ہو جاتی ہے۔ 1947ء میں آزادی کے بعد سے اب تک مندرجہ ذیل تعلیمی پالیسیاں متعارف کرائی گئی ہیں۔

(i) تعلیمی کانفرنس 1947ء

(ii) قومی تعلیم کے لیے کمیشن کی رپورٹ 1959ء

(iii) تعلیمی پالیسی 1972ء تا 1980ء

(iv) تعلیمی پالیسی 1978ء

(v) قومی تعلیمی پالیسی (1998ء تا 2010ء)

1947ء سے 1998ء تک تمام تعلیمی پالیسیوں نے خواندگی کے فروغ، عالمی ابتدائی تعلیم، تعلیم کے معیار میں بہتری اور سائنس و ٹیکنالوجی کی تعلیم کے فروغ پر زور دیا ہے۔ اساتذہ کی تربیت کے معیار، درسی کتابوں اور امتحانی اور آزمائشی نظام میں بہتری پر بھی زور دیا گیا ہے۔ ابتدائی اور پرائمری تعلیم اور شرح خواندگی بڑھانے کے لیے بڑے بڑے اہداف مقرر کیے گئے ہیں۔ لیکن حقیقتاً یہ اہداف حاصل نہیں ہو سکے۔ اتنے سال گزرنے کے بعد بھی شرح خواندگی صرف 51 فیصد ہے۔

1972ء تا 1980ء کی تعلیمی پالیسی کا انتہائی پہلو یہ تھا کہ نجی تعلیمی اداروں کو قومی تحویل میں لے لیا گیا تھا مگر اس سے تعلیمی نظام کو سخت نقصان پہنچا۔ 1978ء کی تعلیمی پالیسی میں اسلامیات اور مطالعہ پاکستان کی تعلیم کو گیارھویں سے ڈگری کی سطح تک لازمی قرار دے دیا گیا۔ اس دور میں تعلیم کی بہتری کے لیے سوشل ایکشن پروگرام کے تحت بچوں اور لڑکیوں کے لیے نئے اسکول کھولے گئے۔ ایک خواندگی کمیشن اس مقصد کے لیے قائم کیا گیا کہ پورے ملک میں خواندگی کو عام کیا جائے۔ لیکن عملاً ان پالیسیوں میں طے کردہ تعلیم کے مقاصد اور اہداف حاصل نہیں کیے جا سکے۔ اس کی وجوہات تعلیم کے مختلف شعبوں کے لیے انتہائی معمولی فنڈ کی دستیابی اور تعلیمی اداروں کی ناقص نگرانی اور بدانتظامی شامل ہیں۔ نجی شعبے کو بالکل نظرانداز کر دیا گیا اور تعلیم کی فروغ کی کوششوں سے دور کر دیا گیا۔ امتحانات کا نظام بے شمار بدعنوانیوں، بددیانتیوں اور مجرمانہ غفلت کے نتیجے میں تباہ ہو گیا۔ اساتذہ کے تربیتی نظام کو بہتر نہیں بنایا جا سکا۔ اسی لیے حکومت نے ایک جامع تعلیمی پالیسی بنانے کا فیصلہ کیا تاکہ جدید دنیا اور جدید عہد کے چیلنجوں کا مقابلہ کیا جا سکے۔ اس پس منظر میں قومی تعلیمی پالیسی برائے 1998ء تا 2010ء تیار کی گئی اور پورے ملک میں نافذ کر دی گئی۔

نواں باب

پاکستان میں تعلیم

EDUCATION IN PAKISTAN

1- ترقی کے لیے تعلیم کی اہمیت: (پاکستان کی تعلیمی پالیسی کے خصوصی حوالے سے)

کسی بھی ملک کی ترقی اور فروغ میں تعلیم کو ایک اہم مقام حاصل ہے اور اس کی بدولت افراد علم و آگہی کی دولت سے مالا مال ہو جاتے ہیں۔ علم ایک ایسی قوت اور دولت ہے جو استعمال کرنے سے بڑھتی ہے۔ تعلیم کی اہمیت یہ ہے کہ:

(i) تعلیم نے انسانوں کو ارتقا کے کئی مراحل سے گزرنے میں مدد کی ہے جس کی بدولت انسان سائنس اور فنیت کے موجودہ دور تک پہنچ سکا ہے۔

(ii) تعلیم نے انسان کی مدد کی کہ وہ زمین پر فطری قوتوں پر قابو پا سکے اور خلا کے بے شمار رازہائے سربستہ کو افشاں کر سکے۔

(iii) تعلیم کسی قوم کے نظریے کو سمجھنے اور اُس نظریے کو استحکام بخشنے کے طریقے تجویز کرنے میں مدد دیتی ہے۔

(iv) تعلیم افراد میں قوم پرستی اور حب الوطنی کے جذبات کو فروغ دیتی ہے۔

(v) تعلیم کسی بھی شہری کو اُس کے حقوق و فرائض کی آگاہی میں مدد دیتی ہے تاکہ معاشرے کی فلاح و بہبود اور فروغ میں اپنا کردار ادا کر سکے۔

(vi) تعلیم سے لوگوں کی تخلیقی صلاحیتوں کے فروغ میں مدد ملتی ہے جس سے معاشرے میں صحت مند اور تعمیری تبدیلیوں کا عمل تیز تر ہو جاتا ہے۔

(vii) تعلیم یہ سمجھنے میں مدد دیتی ہے کہ تعلیمی ارتقا اور معاشی ترقی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ تعلیم کا معیار جتنا زیادہ بلند ہو گا افراد بھی اُتنے ہی ہنر مند ہوں گے اور اُتنا ہی زیادہ وہ ملک کو ترقی دے سکتے ہیں۔

(viii) تعلیم قدرتی وسائل کی تلاش اور اُن کی افادیت میں مدد دیتی ہے۔

(ix) تعلیم انسانی وسائل کے فروغ میں سب سے بہترین سرمایہ کاری ہے۔ تعلیم کے توسط سے ہی سائنسی تکنیکی ترقی ممکن ہے۔

پاکستان کی تعلیمی پالیسی میں تعلیم کی اہمیت:

حکومت نے مختلف اوقات اور ادوار میں جو تعلیمی پالیسیاں متعارف کرائی ہیں اُن سے تعلیم کی افادیت اور اہمیت ظاہر ہو جاتی ہے۔ 1947ء میں آزادی کے بعد سے اب تک مندرجہ ذیل تعلیمی پالیسیاں متعارف کرائی گئی ہیں۔

(i) تعلیمی کانفرنس 1947ء

(ii) قومی تعلیم کے لیے کمیشن کی رپورٹ 1959ء

(iii) تعلیمی پالیسی 1972ء تا 1980ء

(iv) تعلیمی پالیسی 1978ء

(v) قومی تعلیمی پالیسی (1998ء تا 2010ء)

1947ء سے 1998ء تک تمام تعلیمی پالیسیوں نے خواندگی کے فروغ، عالمی ابتدائی تعلیم، تعلیم کے معیار میں بہتری اور سائنس و ٹیکنالوجی کی تعلیم کے فروغ پر زور دیا ہے۔ اساتذہ کی تربیت کے معیار، درسی کتابوں اور امتحانی اور آزمائشی نظام میں بہتری پر بھی زور دیا گیا ہے۔ ابتدائی اور پرائمری تعلیم اور شرح خواندگی بڑھانے کے لیے بڑے بڑے اہداف مقرر کیے گئے ہیں۔ لیکن حقیقتاً یہ اہداف حاصل نہیں ہو سکے۔ اِتنے سال گزرنے کے بعد بھی شرح خواندگی صرف 51 فیصد ہے۔

1972ء تا 1980ء کی تعلیمی پالیسی کا انتہائی پہلو یہ تھا کہ نجی تعلیمی اداروں کو قومی تحویل میں لے لیا گیا تھا مگر اس سے تعلیمی نظام کو سخت نقصان پہنچا۔ 1978ء کی تعلیمی پالیسی میں اسلامیات اور مطالعہ پاکستان کی تعلیم کو گیارھویں سے ڈگری کی سطح تک لازمی قرار دے دیا گیا۔ اس دور میں تعلیم کی بہتری کے لیے سوشل ایکشن پروگرام کے تحت بچوں اور لڑکیوں کے لیے نئے اسکول کھولے گئے۔ ایک خواندگی کمیشن اس مقصد کے لیے قائم کیا گیا کہ پورے ملک میں خواندگی کو عام کیا جائے۔ لیکن عملاً ان پالیسیوں میں طے کردہ تعلیم کے مقاصد اور اہداف حاصل نہیں کیے جا سکے۔ اس کی وجوہات تعلیم کے مختلف شعبوں کے لیے انتہائی معمولی فنڈ کی دستیابی اور تعلیمی اداروں کی ناقص نگرانی اور بد انتظامی شامل ہیں۔ نجی شعبے کو بالکل نظرانداز کر دیا گیا اور تعلیم کی فروغ کی کوششوں سے دور کر دیا گیا۔ امتحانات کا نظام بے شمار بدعنوانیوں، بددیانتیوں اور مجرمانہ غفلت کے نتیجے میں تباہ ہو گیا۔ اساتذہ کے تربیتی نظام کو بہتر نہیں بنایا جا سکا۔ اسی لیے حکومت نے ایک جامع تعلیمی پالیسی بنانے کا فیصلہ کیا تاکہ جدید دنیا اور جدید عہد کے چیلنجوں کا مقابلہ کیا جا سکے۔ اس پس منظر میں قومی تعلیمی پالیسی برائے 1998ء تا 2010ء تیار کی گئی اور پورے ملک میں نافذ کر دی گئی۔

قومی تعلیمی پالیسی برائے 1998ء تا 2010ء میں تعلیم کی اہمیت:

قومی تعلیمی پالیسی برائے 1998ء تا 2010ء میں ملک بھر میں تعلیم کی اہمیت کے مندرجہ ذیل پہلوؤں اور نکات پر زور دیا ہے۔

(i) تمام شہریوں کو تعلیم کی سہولت حاصل ہوگی کیوں کہ یہ پاکستان کے ہر شہری کا حق ہے۔

(ii) ناخواندگی کو یکسر ختم کرنے کے لیے تمام رسمی اور غیر رسمی ذرائع استعمال کیے جائیں گے۔ 2010ء تک ابتدائی عمر کے گروپ (5 سال تا 9) کے بچوں کے داخلوں کی شرح 100 فیصد تک بڑھائی جائے گی۔

(iii) لازمی ابتدائی تعلیم کا قانون (ایکٹ) منظور کر کے 05-2004ء تک نافذ کر دینا۔

(iv) اُن لوگوں کے لیے جو اعلیٰ تعلیم جاری رکھنے کا ارادہ رکھتے ہوں اُن کے لیے عمومی میٹرک کے ساتھ میٹرک (ٹیکنیکل) متعارف کرائی جائے گی۔ فنی (ٹیکنیکل) تعلیم کی سہولتیں بڑھائی جائیں گی اور ٹیکنیکل اور پیشہ ورانہ تعلیم کے اساتذہ کی تربیت کا پروگرام شروع کیا جائے گا تاکہ ان اساتذہ کی بڑھتی ہوئی طلب کو پورا کیا جا سکے۔

(v) فنی (ٹیکنیکی) اور سائنسی علوم کا دائرہ وسیع کیا جائے گا اور اس مقصد کے لیے ثانوی اور اعلیٰ ثانوی درجوں تک کمپیوٹر کی تعلیم متعارف کرائی جائے گی۔ ٹیکنیکی اساتذہ کو مواقع فراہم کیے جائیں گے۔

(vi) تربیتِ اساتذہ کے اداروں کی موجودہ گنجائش کو پوری طرح استعمال کیا جائے گا۔ پرائمری اساتذہ کی تعلیمی سطح میٹرک کے بجائے انٹرمیڈیٹ مقرر کر کے تعلیم اساتذہ کے پروگرام کے معیار کو بلند کیا جائے گا۔ ایف اے اور ایف ایس سی اور بے اے/بی ایس سی کے لیے دو متوازی پروگرام متعارف کرائے جائیں گے۔ تعلیم اساتذہ کے نصاب پر نظر ثانی کر کے اُس کو اس خطے کے دوسرے پروگراموں کے ہم پلہ بنایا جائے گا۔

(vii) نجی شعبے کو غیر تجارتی بنیادوں پر خاص طور پر دیہی علاقوں میں تعلیمی ادارے کھولنے کے لیے مالی امداد فراہم کرنے کے لیے تعلیمی فاؤنڈیشن (ایجوکیشن فاؤنڈیشن) قائم کی گئی ہے۔

(viii) ہر ضلع میں ایک ضلعی تعلیمی مقتدرہ (ڈسٹرکٹ ایجوکیشن اتھارٹی) قائم کی جائے گی تاکہ تعلیمی پروگراموں کے نفاذ اور اُن کی نگرانی کے لیے عوام کی شرکت کو یقینی بنایا جا سکے۔

(ix) تعلیم کے لیے قومی بجٹ کو کل قومی آمدنی کے 2.2 فیصد سے بڑھا کر 4 فیصد کر دیا جائے گا۔

(x) اس پالیسی نے دینی مدارس (اسلامی تعلیمات کے اداروں) کے معیار تعلیم کو بلند کرنے اور دینی مدارس کو جدید اسکولوں کے قریب لانے کے لیے اور ان کی تعلیم کے نصاب اور مضامین کو قومی دھارے میں شامل کرنے کے اقدامات تجویز کیے ہیں۔

(xi) تعلیمی نظام کی ہر سطح کی بنیادی سطحوں سے کھیلوں کو فروغ دینا۔

تعلیم کے سیاسی، سماجی، ثقافتی اور اقتصادی پہلو:

(الف) سیاسی پہلو:

کسی بھی ملک کی سیاست میں تعلیم ایک اہم کردار ادا کرتی ہے۔ جمہوریت کی کامیابی کی اولین شرط تعلیم ہے۔
جمہوریت میں عوام اپنی رائے کا اظہار کر کے اور عملی تعاون کر کے حکومت کے معاملات میں شریک ہوتے ہیں اور یہ اُسی
وقت ممکن ہے جب عوام الناس تعلیم یافتہ ہوں۔ ترقی یافتہ ممالک میں سو فیصد افراد تعلیم یافتہ ہیں۔ اُنھیں اپنے مسائل کا
ادراک اور آگہی ہے۔ وہ اپنے سیاستدانوں سے دھوکا نہیں کھاتے۔ وہ اپنے سیاسی رہنماؤں کا احتساب کرتے رہتے ہیں۔
ایک تعلیم یافتہ شخص کبھی بھی اپنے سیاستدانوں کی جذباتی تقریروں اور اُن کے جھوٹے وعدوں سے متاثر نہیں ہوتا ہے۔ عوامی
رائے ہموار کرنے میں تعلیم بہت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اگر لوگ تعلیم یافتہ ہوں تو پریس کے کردار کو بہت مؤثر بنایا جا سکتا
ہے۔ اگر لوگ تعلیم یافتہ ہوں گے تو کسی بھی معاملے پر حکومت کو سخت ردِعمل کا سامنا ہو سکتا ہے۔ دوسری جانب نیم تعلیم یافتہ یا
ناخواندہ سیاسی رہنما حکومت کے معاملات کو نہیں چلا سکتے۔

(ب) سماجی، ثقافتی پہلو:

ناخواندگی تمام سماجی بُرائیوں کی بنیادی جڑ ہے۔ تعلیم کی کمی کی وجہ سے بے شمار سماجی و ثقافتی رسوم و رواج پر عمل کیا
جاتا ہے۔ ایسے کئی رسوم و رواج ہمارے معاشرے میں رائج ہیں جو اسلامی تعلیمات و اقدار کے منافی ہیں۔ مثال کے طور پر
شادی بیاہ کے مواقع پر ہوائی فائرنگ اور نشانہ بازی، رویت ہلال پر جھگڑا اور منشیات کا استعمال۔ لوگوں کے ذہنی سطح کا اظہار
اُن کی ثقافت سے ہوتا ہے۔ اس لیے ثقافتی اقدار اُسی وقت با مقصد ہو سکتی ہیں جب عوام نے کم از کم سطح تک تعلیم
حاصل کی ہو۔ تعلیم کے بغیر مصوری، شاعری، ادب اور موسیقی کو سراہا نہیں جا سکتا۔ روزمرہ کے معاملات میں نفاست و
نزاکت اور دوسروں سے حسن معاملات صرف تعلیم کی بدولت ہی ممکن ہے۔ ایک تعلیم یافتہ شخص اپنے انداز گفتگو اور دوسروں

سے اپنے رویے اور برتاؤ سے پہچانا جاتا ہے۔ ثقافتی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے صرف دولت ہی کافی نہیں ہے۔ بلکہ یہ تعلیم ہے جو افراد کو مہذب اور متمدن بناتی ہے۔ پس رویوں، طور طریقوں اور زندگی گزارنے کے طرز میں تبدیلی کے لیے تعلیم ایک انتہائی اہم ذریعہ ہے۔ اس سے سماجی برائیوں کو مٹانے میں مدد ملتی ہے۔

(ج) معاشی یا اقتصادی پہلو:

کسی بھی ملک کی معاشی ترقی پر تعلیم کی خوبی اور اس کے اعلیٰ معیار کا براہِ راست اثر ہوتا ہے۔ تعلیم کے معیار اور تحقیق سے صنعت اور زراعت میں نئی نئی اختراعات وجود میں آتی ہیں اور پیداوار بہتر ہوتی ہے۔ فن کی اپنی ایک قدر و قیمت ہے اور یہ فن بھی تعلیم کے ذریعے حاصل ہوتا ہے اور بہتر بنایا جاتا ہے۔ امریکا اور برطانیہ کی قومی آمدنی کا نصف اُس کے ماہرین کی خدمات سے حاصل ہوتا ہے جو یہ لوگ انتہائی سرگرمیوں مثلاً بینکاری، بیمہ، فضائی سروس، تجارت اور قانون وغیرہ میں سرانجام دیتے ہیں۔ کارکنان اور ہنرمند افراد کی تعلیم یافتہ جماعت صنعتی اور زرعی پیداوار کی مقدار اور معیار بڑھانے میں مدد کرتی ہے۔ تمام صنعتی ترقی یافتہ اقوام میں شرح خواندگی 98 تا 100 فیصد ہے۔ اُن کی سائنس اور فنی (ٹیکنیکل) تعلیم کا معیار بہت بلند ہے۔ بہتر تعلیم کی بدولت انسانی وسائل بھی زیادہ نفع بخش (پیداواری) ہو جاتے ہیں۔ پاکستان میں ترقی کی سست رفتار شرح کی بنیادی وجہ معیاری اور مقداری تعلیم کا فقدان ہے۔ تعلیم کے میدان میں 3 فیصد سے بھی کم سرمایہ کاری ہو رہی ہے اور اسی وجہ سے ہم معاشی ترقی میں اس قدر پیچھے ہیں۔

2۔ رسمی تعلیمی نظام:

رسمی تعلیمی نظام سے مراد یہ ہے کہ مختلف ادارے کھولے جائیں۔ درسی کتب رائج کی جائیں۔ اساتذہ کا تقرر کیا جائے۔ امتحانات کا ایک نظام اور طریقہ وضع کیا جائے اور پھر سرٹیفکیٹ اور اسناد تقسیم کی جائیں۔ رسمی تعلیم کے لیے قاعدے اور قانون بنائے جاتے ہیں اور انھیں نافذ کیا جاتا ہے اور ان قواعد و ضوابط سے اس نظام کی نگرانی کی جاتی ہے۔ کسی سرٹیفکیٹ یا سند کے حصول کے لیے ایک خاص سطح تک مطالعہ اور پڑھائی کا ایک خاص دورانیہ ہوتا ہے۔ رسمی تعلیم کی روح اُس کی تنظیم و ترتیب، انتظام و انصرام اور نگرانی و اختیار میں پوشیدہ ہے۔ رسمی تعلیم مکمل طور سے حکومت کے دائرہ اختیار میں ہے۔

پاکستان میں رسمی تعلیمی نظام کو حسبِ ذیل میں تقسیم کر سکتے ہیں:

(i) ابتدائی (پرائمری) درجہ یا سطح: پاکستان میں ابتدائی تعلیم پہلی سے پانچویں جماعت تک دی جاتی ہے۔ کل مدت پانچ سال ہے۔ بچوں کو چار یا پانچ سال کی عمر میں پہلی جماعت میں داخل کیا جاتا ہے۔

(ii) وسطی (مڈل) سطح: چھٹی جماعت تک کی تعلیم کو وسطی (مڈل) سطح کی تعلیم کا نام دیا گیا ہے۔ اس کی مدت تین سال ہے۔ ابتدائی (پرائمری) تعلیم میں کامیابی کے بعد اسکول کی جانب سے ایک سرٹیفکیٹ جاری کیا جاتا ہے۔

(iii) ثانوی (سیکنڈری) سطح: نویں اور دسویں جماعتوں کو ثانوی سطح کہا جاتا ہے۔ اس کی مدت دو سال ہے۔ ایسے طلبہ جنھوں نے وسطی (مڈل) درجے میں کامیابی حاصل کر لی ہے۔ نویں جماعت میں داخل کیے جاتے ہیں۔ ثانوی اسکول امتحانات میں کامیابی کے بعد متعلقہ بورڈ ایک سرٹیفکیٹ جاری کرتا ہے۔

(iv) اعلیٰ ثانوی (ہائیر سیکنڈری) سطح: گیارھویں اور بارھویں جماعتوں کو اعلیٰ ثانوی درجہ کہا جاتا ہے۔ ثانوی اسکول امتحانات میں کامیابی کے بعد طلبہ کو اعلیٰ ثانوی جماعتوں میں داخل کیا جاتا ہے۔ اس کی مدت دو سال ہے۔ اس درجے میں کامیابی کے بعد متعلقہ بورڈ ایک سرٹیفکیٹ جاری کرتا ہے۔

(v) سند (ڈگری) کی سطح: اعلیٰ ثانوی سطح کی تعلیم میں طلبہ کی کامیابی کے بعد اس درجے کا آغاز ہوتا ہے اور وہ سند کے حصول کے لیے کسی کالج میں داخلہ لیتے ہیں۔ حکومت نے اس کی مدت دو سال سے بڑھا کر تین سال کر دی ہے اور اب یہ پڑھائی کے تیرھویں سال سے پندرھویں سال تک جاری رہتی ہے۔ کامیاب امیدواروں کو جامعہ (یونیورسٹی) سند جاری کرتی ہے۔ تاہم ملک کے مختلف حصوں میں ابھی بھی ڈگری کورس کی مدت دو سال ہے۔

(vi) جامعہ (یونیورسٹی) کی سطح: جب طلبہ کسی کالج سے ڈگری کے درجے کے امتحان میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو یونیورسٹی (جامعہ) کی سطح کی تعلیم کا آغاز ہوتا ہے۔ اس کی مدت دو سال ہے۔ نصاب کی کامیابی سے تکمیل کے بعد اور امتحانات میں کامیابی کے بعد یونیورسٹی (جامعہ) ایک سند (ڈگری) عطا کرتی ہے۔

(vii) پیشہ ورانہ تعلیم: پیشہ ورانہ تعلیم بھی رسمی تعلیم کا حصہ ہے۔ اس کو مندرجہ ذیل اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

(الف) ڈپلوما: وہ طلبہ جو ثانوی اسکول سرٹیفکیٹ امتحان میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ وہ پولی ٹیکنیک اداروں میں پڑھائے جانے والے ڈپلوما کورسوں میں داخلہ لے سکتے ہیں۔ یہ ڈپلوما کورس الیکٹریکل، میکینکل، آٹو موبائل، سول انجینئرنگ اور کمپیوٹر کے میدانوں میں ہیں۔ وہ طلبہ جو موجودہ اعلیٰ تعلیم حاصل نہیں کرنا چاہتے ہیں وہ ڈپلوما کورس میں داخلہ لیتے ہیں۔

(ب) انجینئرنگ کی سند: ایسے طلبہ جنھوں نے اعلیٰ ثانوی اسکول امتحانات میں کامیابی حاصل کر لی ہو اور جنھوں نے اعلیٰ ثانوی کی سطح پر ریاضی اختیار کی ہو وہ انجینئرنگ کی مختلف شاخوں میں کسی انجینئرنگ کالج یا یونیورسٹی میں داخلہ لیتے ہیں۔ وہ الیکٹریکل، میکینکل، کیمیکل (کیمیائی)، برقیات (الیکٹرانکس)، کان کنی (مائننگ)، ٹیکسٹائل، پیٹرولیم اور کمپیوٹر سائنس کے میدانوں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اُن کے مطالعے کی مدت چار تا پانچ سال ہے۔

(ج) میڈیکل کی سند: ایسے طلبہ جنھوں نے اعلیٰ ثانوی امتحانات میں کامیابی حاصل کر لی ہو اور جنھوں نے اعلیٰ ثانوی کی سطح پر حیاتیات (بائیلوجی) بطورِ مضمون کے پڑھی ہو وہ ڈاکٹر بننے کے لیے ایم بی بی ایس میں داخلہ لیتے ہیں۔ ایم بی بی ایس کی سطح پر تعلیم کی مدت پانچ سال ہے۔

(د) تجارت (کامرس): ثانوی اسکول امتحان میں کامیابی کے بعد طلبہ تجارت (کامرس) کی جماعتوں کے سالِ اول میں داخل ہوتے ہیں۔ وہ انٹر کامرس میں کامیابی حاصل کرتے ہیں تو مزید بی۔کام اور ایم۔کام میں کامیاب ہوتے ہیں۔ ان کے زیرِ مطالعہ تجارت اور انتظامیہ، انتظامی سائنس، اطلاعاتی فنیت (انفارمیشن ٹیکنالوجی)، معاشیات اور تجارتی حساب (اکاؤنٹنگ) وغیرہ کے مضامین ہوتے ہیں۔

(ہ) زرعی تعلیمی سند: سائنس کے ساتھ اعلیٰ ثانوی امتحان میں کامیابی کے بعد طلبہ کو بی ایس سی (زراعت) میں داخلہ ملتا ہے اور اُس کے بعد ایم ایس سی (زراعت) میں داخلہ لیتے ہیں۔ کچھ لوگ زرعی انجینئرنگ کو اختیار کر لیتے ہیں۔

(viii) اعلیٰ تعلیم: ایم۔اے، ایم۔ایس۔سی اور ایم۔کام کے بعد اعلیٰ تعلیم حاصل کی جاسکتی ہے۔ ماسٹر کی سند حاصل کرنے کے بعد پی ایچ ڈی کی سند حاصل کی جاسکتی ہے۔ اسی طرح ایم بی بی ایس کرنے کے بعد ڈاکٹر طب کی مختلف شاخوں میں اختصاص حاصل کرتے ہیں۔ ایسے لوگ اسپیشلسٹ (ماہر) ڈاکٹر کہلاتے ہیں۔

رسمی تعلیم کے لیے حکومت نے پورے پاکستان میں لاتعداد ادارے کھول رکھے ہیں۔ رسمی نظامِ تعلیم عموماً حکومت کے زیرِ انتظام اور زیرِ نگرانی ہے اور یہاں حکومت کے قواعد و ضوابط کی پیروی کی جاتی ہے۔ تاہم اس رسمی نظامِ تعلیم میں ہر سطح اور درجے کے لیے نجی تعلیمی ادارے بھی ہیں لیکن ان نجی اداروں کی فیس سرکاری اداروں سے بہت زیادہ ہے اور یہ فیس عموماً ملک کے اوسط درجے کے افراد کے لیے بھی ناقابلِ برداشت ہے۔

3۔ تعلیم اور پڑھائی کے منصوبے (اسکیمیں):

تعلیم یا مطالعہ کے منصوبوں (اسکیموں) سے مختلف درجات میں مجوزہ نصاب مراد ہوتا ہے۔ تعلیم کے مختلف درجات اور سطحوں کے لیے تعلیمی منصوبے ایک دوسرے سے قطعاً جدا ہوتے ہیں۔ یہ منصوبے ذیل کے مطابق ہیں:

(i) ابتدائی یا پرائمری سطح: ابتدائی یا پرائمری سطح کے مضامین میں علاقائی زبانیں، اردو، گنتی، سادہ حساب، مطالعہ فطرت اور اسلامیات شامل ہیں۔

(ii) وسطی (مڈل) سطح: اس کی اسکیم کے مضامین میں علاقائی زبانیں، اُردو، انگریزی، الجبرا، جیومیٹری، سائنس، معاشرتی علوم اور اسلامیات شامل ہیں۔

(iii) ثانوی سطح: اس سطح پر اُردو، انگریزی، اسلامیات اور مطالعہ پاکستان تمام گروپوں کے طلبہ کے لیے لازمی مضامین ہیں۔ فنون (ہیومینٹیز) کے طلبہ کے لیے جنرل سائنس لازمی مضمون ہے۔ اس کے علاوہ ریاضی اور فنون کے دو مضامین بھی اختیار کر سکتے ہیں۔ سائنس گروپ کے طلبہ لازمی مضامین کے ساتھ ساتھ طبیعیات، کیمیا، ریاضی، اور حیاتیات بھی پڑھتے ہیں۔

(iv) اعلیٰ ثانوی سطح: اس سطح میں سائنس اور فنون دونوں گروپوں کے طلبہ کے لیے اُردو، انگریزی، اسلامیات اور مطالعہ پاکستان لازمی مضامین ہیں۔ سائنس گروپ کے طلبہ سائنس کے تین مضامین اور فنون گروپ کے طلبہ فنون کے تین مضامین منتخب کرتے ہیں۔ سائنس کے پھر تین مزید گروپ بنتے ہیں۔ یعنی پری میڈیکل، پری انجینئرنگ اور جنرل سائنس گروپ۔ کامرس گروپ کے طلبہ بھی تجارت (کامرس) کے تین مضامین منتخب کرتے ہیں۔

(v) ڈگری کی سطح: بی۔اے اور بی۔ایس۔سی کی سطح یا درجے پر فنکشنل انگریزی، مطالعہ پاکستان اور اسلامیات لازمی مضامین ہیں۔ اختیاری مضامین کی ایک فہرست میں سے تمام گروپوں کے طلبہ دو سے تین اختیاری مضامین کا انتخاب کرتے ہیں۔

(vi) یونیورسٹی کی سطح: ماسٹر کے درجے کے لیے طلبہ تعلیم کے کسی ایک شعبے کا مطالعہ کرتے ہیں اور ہر شعبے میں وہ سات تا آٹھ مضامین کا مطالعہ کرتے ہیں۔ یہاں پر طلبہ کو مختلف مضامین میں سے اپنی پسند کا مضمون منتخب کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔

یونیورسٹی کی سطح (ایم۔اے/ایم۔ایس۔سی) کے بعد طلبہ اُن مضامین میں ایم۔فل اور پی۔ایچ۔ڈی کر سکتے ہیں جو اُنھوں نے ایم۔اے یا ایم۔ایس۔سی کی سطح پر منتخب کیے تھے۔ جو لوگ پیشہ ورانہ نوعیت کی سند حاصل کرتے ہیں اُنھیں بھی اپنے مخصوص میدانوں میں ایم فل اور پی ایچ ڈی کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ انجینئرنگ، طب (میڈیکل)، زراعت اور تجارت (کامرس) اختیاری شعبے ہیں۔ ان میں طلبہ کے لیے انتخاب بہت وسیع نہیں ہوتا ہے۔ اُن کو طے شدہ مضامین ہی پڑھنا ہوتے ہیں۔

4۔ نصاب کا فروغ:

نصاب کا فروغ ایک مسلسل جاری عمل ہے جس میں یہ جائزہ لیا جاتا ہے کہ معاشرتی ضروریات اور پڑھنے والوں کی ضروریات کیا ہیں۔ اُن کی صلاحیتیں اور دلچسپیاں کیا ہیں اور اُن کے پڑھائی کے تجربات سے اُن کے زیرِ مطالعہ مواد کے انتخاب، اُس کی ترتیب و تنظیم اور اُس کے نفاذ پر مسلسل توجہ دی جاتی ہے۔ نصاب کسی ملک کے لیے مطلوبہ تعلیم کا نقشہ مہیا کرتا ہے۔ یہ تعلیم کے مقاصد اور ضروریات کا تعین کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ تعلیمی اداروں کی ہیئت، اساتذہ کے معیار، تعلیمی سہولتوں اور نظامِ امتحان و جانچ پڑتال بھی متعین کرتا ہے۔ نصاب وہ اسکیم مہیا کرتا ہے جس کے ذریعے کسی بھی کورس کے لیے لازمی، متبادل اور اختیاری مضامین کا انتخاب ہو سکتا ہے۔

نصاب کو ایسی مخصوص بنیادوں پر استوار کیا جاتا ہے جو کسی قوم کی نظریاتی، فکری، مذہبی اور سماجی بنیادیں ہیں۔ پاکستان میں نصاب کی تیاری و فروغ ان ہی اصولوں پر استوار ہے۔ وہ تمام لوگ جو ترقی و فروغ نصاب میں شریک ہیں۔ اُن میں منصوبہ ساز، ماہرین مضامین، درسی کتابوں کے مصنفین، ناشر، والدین اور طلبہ شامل ہیں۔

پاکستان میں نصاب کی تیاری کی ذمہ داری اٹھارھویں ترمیم کے بعد صوبوں کے سر ہے۔ ملک کے تعلیمی منصوبے (پالیسی) کی روشنی میں شعبہ نصاب ابتدائی (پرائمری)، مڈل، ثانوی اور اعلیٰ ثانوی درجوں کے لیے مطالعہ اور دروس کے منصوبے تیار کرتا ہے اور نصاب کی اساس مہیا کرتا ہے۔ مطالعوں کی مختلف اسکیموں اور منصوبوں کے تحت تمام مضامین کے نصاب پر نظرِ ثانی کرنا اور اُس کو جدید بنانا ایک مسلسل عمل ہے اور باقاعدگی سے کیا جاتا ہے۔

اعلیٰ ثانوی سے بلند تر سطح کے لیے نصاب کی تیاری اعلیٰ تعلیمی کمیشن (ہائیر ایجوکیشن کمیشن) کی ذمہ داری ہے۔ یہ کمیشن مختلف جامعات کی اکیڈمک کونسلوں کے ساتھ مل کر ان جامعات میں پڑھائے جانے والے مختلف کورسوں کے نصابوں پر نظرِ ثانی کرتا ہے اور نئے اور جدید نصاب تیار کرتا ہے۔

5۔ تربیتِ اساتذہ:

کوئی بھی تعلیمی نظام اپنے اساتذہ کی علمی سطح سے بلند تر نہیں ہوتا ہے۔ کسی بھی نظامِ تعلیم میں اساتذہ ایک اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اس لیے یہ انتہائی اہم اور ضروری ہے کہ اساتذہ مناسب علم اور مہارت کے حامل ہوں اور تعلیم کے مقاصد کے حصول اور اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے مناسب رویہ اختیار کرتے ہوں۔

تربیتِ اساتذہ کی بھی چند مخصوص سطحیں ہیں جو اساتذہ کی عمومی تعلیمی قابلیت کے پیش نظر رکھی گئی

(i) **پرائمری اسکول اساتذہ:** پرائمری اسکول کے اساتذہ کو تربیت دی جاتی ہے بشرطیکہ ... اسکول امتحان میں لازماً کامیابی حاصل کر لی ہو، اُنھیں ایک سال کی تربیت مہیا کی جاتی ہے۔ تربیت کی تکمیل ... پرائمری ٹیچنگ سرٹیفکیٹ (پی ٹی سی) کی سند عطا کی جاتی ہے۔

(ii) **مڈل اسکول اساتذہ:** ایسے افراد جو ایف اے / ایف ایس سی کے امتحان میں کامیابی ... اُنھیں ایک سال کی تربیت دی جاتی ہے اور ٹیچنگ سرٹیفکیٹ (سی ٹی) کی سند دی جاتی ہے۔

پی ٹی سی اور سی ٹی کی تربیت کالجز آف ایلیمنٹری ایجوکیشن (جی سی ای) میں مہیا کی جاتی ہیں ... کے لیے علیحدہ علیحدہ ایلیمنٹری کالج ہیں۔ یہ ایلیمنٹری کالج ملک کے اندر ضلعی صدر مقام پر کھولے گئے ...

(iii) **ثانوی اسکول اساتذہ:** ایسے افراد جو بی۔ اے / بی ایس سی کی سند کے حامل ہوں ... آف ایجوکیشن میں ایک سال کی تربیت دی جاتی ہے۔ جو ''بیچلر آف ایجوکیشن (بی ایڈ)'' کہلاتی ہے ... صوبے میں چند منتخب مقامات پر کھولے گئے ہیں، جو لوگ تعلیم کے کسی ایک شعبے میں خصوصی مہارت حاصل ... وہ ایک سال کی مزید تربیت حاصل کرتے ہیں، جسے ''ماسٹر آف ایجوکیشن (ایم ایڈ)'' کہتے ہیں۔ کورس ... جامعات کے انسٹیٹیوٹ آف ایجوکیشن میں کرائے جاتے ہیں۔ چند اساتذہ جامعات سے تعلیم کے م... پی ایچ ڈی بھی کرتے ہیں۔ ایم ایڈ اور ایم فل اسناد کے حامل افراد کالج آف ایجوکیشن میں پڑھاتے ... اساتذہ کو تربیت دینے کے لیے پی ایچ ڈی افراد کا تقرر کیا جاتا ہے۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی نے اپنے فاصلاتی تعلیمی نظام کے تحت ایسے طلبہ کے لیے ا... نصابوں کا آغاز کیا ہے جو اساتذہ کے تربیتی اداروں میں باقاعدہ رسمی کورس میں کسی وجہ سے شریک نہیں ...

قومی تعلیمی پالیسی (1998ء تا 2010ء) کے تحت تربیت اساتذہ کے کورسوں کو جدید ... مطابقت میں ہر سطح پر تربیت کی مدت اور وقفہ بڑھا دیا گیا ہے اور اساتذہ کی تنخواہیں بھی بہتر کی گئی ہیں ...

تربیت اساتذہ پروگرام میں چند مسائل درپیش ہیں اُن میں سب سے زیادہ اہم کالج آف ... تدریسی عملے کی نایابی، اعلیٰ معیاری تربیتی پروگرام، تربیتی اداروں کے مالی مسائل، تربیت کے لیے م... تنظیم و نگرانی کے مؤثر نظام کی کمی شامل ہیں۔ لیکن ان سب سے زیادہ اہم اور سنجیدہ مسئلہ یہ ہے ک... سکھائے گئے طریقوں اور مہیا کی گئی تدریسی مہارت کو یہ اساتذہ اپنی جماعتوں میں استعمال نہیں کر...

4۔ نصاب کا فروغ:

نصاب کا فروغ ایک مسلسل جاری عمل ہے جس میں یہ جائزہ لیا جاتا ہے کہ معاشرتی ضروریات اور پڑھنے والوں کی ضروریات کیا ہیں۔ اُن کی صلاحیتیں اور دلچسپیاں کیا ہیں اور اُن کے پڑھائی کے تجربات سے اُن کے زیرِ مطالعہ مواد کے انتخاب، اُس کی ترتیب و تنظیم اور اُس کے نفاذ پر مسلسل توجہ دی جاتی ہے۔ نصاب کسی ملک کے لیے مطلوبہ تعلیم کا نقشہ مہیا کرتا ہے۔ یہ تعلیم کے مقاصد اور ضروریات کا تعین کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ تعلیمی اداروں کی ہیئت، اساتذہ کے معیار، تعلیمی سہولتوں اور نظامِ امتحان و جانچ پڑتال بھی متعین کرتا ہے۔ نصاب وہ اسکیم مہیا کرتا ہے جس کے ذریعے کسی بھی کورس کے لیے لازمی، متبادل اور اختیاری مضامین کا انتخاب ہو سکتا ہے۔

نصاب کو ایسی مخصوص بنیادوں پر استوار کیا جاتا ہے جو کسی قوم کی نظریاتی، فکری، مذہبی اور سماجی بنیادیں ہیں۔ پاکستان میں نصاب کی تیاری و فروغ ان ہی اصولوں پر استوار ہے۔ وہ تمام لوگ جو ترقی و فروغِ نصاب میں شریک ہیں۔ اُن میں منصوبہ ساز، ماہرین مضامین، درسی کتابوں کے مصنفین، ناشر، والدین اور طلبہ شامل ہیں۔

پاکستان میں نصاب کی تیاری کی ذمہ داری اٹھارھویں ترمیم کے بعد صوبوں کے سر ہے۔ ملک کے تعلیمی منصوبے (پالیسی) کی روشنی میں شعبہ نصاب ابتدائی (پرائمری)، مڈل، ثانوی اور اعلیٰ ثانوی درجوں کے لیے مطالعہ اور درس کے منصوبے تیار کرتا ہے اور نصاب کی اساس مہیا کرتا ہے۔ مطالعوں کی مختلف اسکیموں اور منصوبوں کے تحت تمام مضامین کے نصاب پر نظرِ ثانی کرنا اور اُس کو جدید بنانا ایک مسلسل عمل ہے اور باقاعدگی سے کیا جاتا ہے۔

اعلیٰ ثانوی سے بلند تر سطح کے لیے نصاب کی تیاری اعلیٰ تعلیمی کمیشن (ہائیر ایجوکیشن کمیشن) کی ذمہ داری ہے۔ یہ کمیشن مختلف جامعات کی اکیڈمک کونسلوں کے ساتھ مل کر ان جامعات میں پڑھائے جانے والے مختلف کورسوں کے نصابوں پر نظرِ ثانی کرتا ہے اور نئے اور جدید نصاب تیار کرتا ہے۔

5۔ تربیتِ اساتذہ:

کوئی بھی تعلیمی نظام اپنے اساتذہ کی علمی سطح سے بلند تر نہیں ہوتا ہے۔ کسی بھی نظامِ تعلیم میں اساتذہ ایک اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اس لیے یہ انتہائی اہم اور ضروری ہے کہ اساتذہ مناسب علم اور مہارت کے حامل ہوں اور تعلیم کے مقاصد کے حصول اور اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے مناسب رویہ اختیار کرتے ہوں۔

تربیتِ اساتذہ کی بھی چند مخصوص سطحیں ہیں جو اساتذہ کی عمومی تعلیمی قابلیت کے پیشِ نظر رکھی گئی ہیں۔

(i) **پرائمری اسکول اساتذہ:** پرائمری اسکول کے اساتذہ کو تربیت دی جاتی ہے بشرطیکہ اُنھوں نے ثانوی اسکول امتحان میں لازماً کامیابی حاصل کر لی ہو، اُنھیں ایک سال کی تربیت مہیا کی جاتی ہے۔ تربیت کی تکمیل کے بعد اُنھیں پرائمری ٹیچنگ سرٹیفکیٹ (پی ٹی سی) کی سند عطا کی جاتی ہے۔

(ii) **مڈل اسکول اساتذہ:** ایسے افراد جو ایف اے/ایف ایس سی کے امتحان میں کامیابی حاصل کر چکے ہوں اُنھیں ایک سال کی تربیت دی جاتی ہے اور ٹیچنگ سرٹیفکیٹ (سی ٹی) کی سند دی جاتی ہے۔ پی ٹی سی اور سی ٹی کی تربیت کالجز آف ایلیمنٹری ایجوکیشن (جی سی ای) میں مہیا کی جاتی ہیں۔ لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے علیحدہ علیحدہ ایلیمنٹری کالج ہیں۔ یہ ایلیمنٹری کالج ملک کے اندر ضلعی صدر مقام پر کھولے گئے ہیں۔

(iii) **ثانوی اسکول اساتذہ:** ایسے افراد جو بی۔ اے/بی ایس سی کی سند کے حامل ہوں اُنھیں گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن میں ایک سال کی تربیت دی جاتی ہے۔ جو ''بیچلر آف ایجوکیشن (بی ایڈ)'' کہلاتی ہے۔ یہ کالج ملک کے ہر صوبے میں چند منتخب مقامات پر کھولے گئے ہیں، جو لوگ تعلیم کے کسی ایک شعبے میں خصوصی مہارت حاصل کرنا چاہتے ہیں، وہ ایک سال کی مزید تربیت حاصل کرتے ہیں، جسے ''ماسٹر آف ایجوکیشن (ایم ایڈ)'' کہتے ہیں۔ کورس کالج آف ایجوکیشن یا جامعات کے انسٹیٹیوٹ آف ایجوکیشن میں کرائے جاتے ہیں۔ چند اساتذہ جامعات سے تعلیم کے میدان میں ایم فل اور پی ایچ ڈی بھی کرتے ہیں۔ ایم ایڈ اور ایم فل اسناد کے حامل افراد کالج آف ایجوکیشن میں پڑھاتے ہیں۔ جامعہ کی سطح پر اساتذہ کو تربیت دینے کے لیے پی ایچ ڈی افراد کا تقرر کیا جاتا ہے۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی نے اپنے فاصلاتی تعلیمی نظام کے تحت ایسے طلبہ کے لیے اساتذہ کی تربیت کے نصابوں کا آغاز کیا ہے جو اساتذہ کے تربیتی اداروں میں باقاعدہ رسمی کورس میں کسی وجہ سے شریک نہیں ہو سکتے۔

قومی تعلیمی پالیسی (1998ء تا 2010ء) کے تحت تربیت اساتذہ کے کورسوں کو جدید بنایا گیا ہے اور اسی کی مطابقت میں ہر سطح پر تربیت کی مدت اور وقفہ بڑھا دیا گیا ہے اور اساتذہ کی تنخواہیں بھی بہتر کی گئی ہیں۔

تربیت اساتذہ پروگرام میں چند مسائل درپیش ہیں اُن میں سب سے زیادہ اہم کالج آف ایجوکیشن میں سند یافتہ تدریسی عملے کی نایابی، اعلیٰ معیاری تربیتی پروگرام، تربیتی اداروں کے مالی مسائل، تربیت کے لیے معیاری مواد کی کمیابی اور تنظیم و نگرانی کے موثر نظام کی کمی شامل ہیں۔ لیکن ان سب سے زیادہ اہم اور سنجیدہ مسئلہ یہ ہے کہ تدریسی اداروں میں سکھائے گئے طریقوں اور مہیا کی گئی تدریسی مہارت کو یہ اساتذہ اپنی جماعتوں میں استعمال نہیں کرتے ہیں۔

4۔ نصاب کا فروغ:

نصاب کا فروغ ایک مسلسل جاری عمل ہے جس میں یہ جائزہ لیا جاتا ہے کہ معاشرتی ضروریات اور پڑھنے والوں کی ضروریات کیا ہیں۔ اُن کی صلاحیتیں اور دلچسپیاں کیا ہیں اور اُن کے پڑھائی کے تجربات سے اُن کے زیرِ مطالعہ مواد کے انتخاب، اُس کی ترتیب و تنظیم اور اُس کے نفاذ پر مسلسل توجہ دی جاتی ہے۔ نصاب کسی ملک کے لیے مطلوبہ تعلیم کا نقشہ مہیا کرتا ہے۔ یہ تعلیم کے مقاصد اور ضروریات کا تعین کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ تعلیمی اداروں کی ہیئت، اساتذہ کے معیار، تعلیمی سہولتوں اور نظامِ امتحان و جانچ پڑتال بھی متعین کرتا ہے۔ نصاب وہ اسکیم مہیا کرتا ہے جس کے ذریعے کسی بھی کورس کے لیے لازمی، متبادل اور اختیاری مضامین کا انتخاب ہوسکتا ہے۔

نصاب کو ایسی مخصوص بنیادوں پر استوار کیا جاتا ہے جو کسی قوم کی نظریاتی، فکری، مذہبی اور سماجی بنیادیں ہیں۔ پاکستان میں نصاب کی تیاری و فروغ ان ہی اصولوں پر استوار ہے۔ وہ تمام لوگ جو ترقی و فروغِ نصاب میں شریک ہیں۔ اُن میں منصوبہ ساز، ماہرینِ مضامین، درسی کتابوں کے مصنفین، ناشر، والدین اور طلبہ شامل ہیں۔

پاکستان میں نصاب کی تیاری کی ذمہ داری اٹھارھویں ترمیم کے بعد صوبوں کے سر ہے۔ ملک کے تعلیمی منصوبے (پالیسی) کی روشنی میں شعبہ نصاب ابتدائی (پرائمری)، مڈل، ثانوی اور اعلیٰ ثانوی درجوں کے لیے مطالعہ اور درس کے منصوبے تیار کرتا ہے اور نصاب کی اساس مہیا کرتا ہے۔ مطالعوں کی مختلف اسکیموں اور منصوبوں کے تحت تمام مضامین کے نصاب پر نظرِ ثانی کرنا اور اُس کو جدید بنانا ایک مسلسل عمل ہے اور باقاعدگی سے کیا جاتا ہے۔

اعلیٰ ثانوی سے بلند تر سطح کے لیے نصاب کی تیاری اعلیٰ تعلیمی کمیشن (ہائیر ایجوکیشن کمیشن) کی ذمہ داری ہے۔ یہ کمیشن مختلف جامعات کی اکیڈمک کونسلوں کے ساتھ مل کر ان جامعات میں پڑھائے جانے والے مختلف کورسوں کے نصابوں پر نظرِ ثانی کرتا ہے اور نئے اور جدید نصاب تیار کرتا ہے۔

5۔ تربیتِ اساتذہ:

کوئی بھی تعلیمی نظام اپنے اساتذہ کی علمی سطح سے بلند تر نہیں ہوتا ہے۔ کسی بھی نظامِ تعلیم میں اساتذہ ایک اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اس لیے یہ انتہائی اہم اور ضروری ہے کہ اساتذہ مناسب علم اور مہارت کے حامل ہوں اور تعلیم کے مقاصد کے حصول اور اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے مناسب رویہ اختیار کرتے ہوں۔

تربیتِ اساتذہ کی بھی چند مخصوص سطحیں ہیں جو اساتذہ کی عمومی تعلیمی قابلیت کے پیشِ نظر رکھی گئی ہیں۔

(i) **پرائمری اسکول اساتذہ:** پرائمری اسکول کے اساتذہ کو تربیت دی جاتی ہے بشرطیکہ اُنھوں نے ثانوی اسکول امتحان میں لازماً کامیابی حاصل کرلی ہو، اُنھیں ایک سال کی تربیت مہیا کی جاتی ہے۔ تربیت کی تکمیل کے بعد اُنھیں پرائمری ٹیچنگ سرٹیفکیٹ (پی ٹی سی) کی سند عطا کی جاتی ہے۔

(ii) **مڈل اسکول اساتذہ:** ایسے افراد جو ایف اے/ایف ایس سی کے امتحان میں کامیابی حاصل کرچکے ہوں اُنھیں ایک سال کی تربیت دی جاتی ہے اور ٹیچنگ سرٹیفکیٹ (سی ٹی) کی سند دی جاتی ہے۔

پی ٹی سی اور سی ٹی کی تربیت کالجز آف ایلیمنٹری ایجوکیشن (جی سی ای) میں مہیا کی جاتی ہیں۔ لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے علیحدہ علیحدہ ایلیمینٹری کالج ہیں۔ یہ ایلیمینٹری کالج ملک کے اندر ضلعی صدر مقام پر کھولے گئے ہیں۔

(iii) **ثانوی اسکول اساتذہ:** ایسے افراد جو بی۔ اے/بی ایس سی کی سند کے حامل ہوں اُنھیں گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن میں ایک سال کی تربیت دی جاتی ہے۔ جو "بیچلر آف ایجوکیشن (بی ایڈ)" کہلاتی ہے۔ یہ کالج ملک کے ہر صوبے میں چند منتخب مقامات پر کھولے گئے ہیں، جو لوگ تعلیم کے کسی ایک شعبے میں خصوصی مہارت حاصل کرنا چاہتے ہیں، وہ ایک سال کی مزید تربیت حاصل کرتے ہیں، جسے "ماسٹر آف ایجوکیشن (ایم ایڈ)" کہتے ہیں۔ کورس کالج آف ایجوکیشن یا جامعات کے انسٹیٹیوٹ آف ایجوکیشن میں کرائے جاتے ہیں۔ چند اساتذہ جامعات سے تعلیم کے میدان میں ایم فل اور پی ایچ ڈی بھی کرتے ہیں۔ ایم ایڈ اور ایم فل اسناد کے حامل افراد کالج آف ایجوکیشن میں پڑھاتے ہیں۔ جامعہ کی سطح پر اساتذہ کو تربیت دینے کے لیے پی ایچ ڈی افراد کا تقرر کیا جاتا ہے۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی نے اپنے فاصلاتی تعلیمی نظام کے تحت ایسے طلبہ کے لیے اساتذہ کی تربیت کے نصابوں کا آغاز کیا ہے جو اساتذہ کے تربیتی اداروں میں باقاعدہ رسمی کورس میں کسی وجہ سے شریک نہیں ہوسکتے۔

قومی تعلیمی پالیسی (1998ء تا 2010ء) کے تحت تربیتِ اساتذہ کے کورسوں کو جدید بنایا گیا ہے اور اسی کی مطابقت میں ہر سطح پر تربیت کی مدت اور وقفہ بڑھا دیا گیا ہے اور اساتذہ کی تنخواہیں بھی بہتر کی گئی ہیں۔

تربیتِ اساتذہ پروگرام میں چند مسائل درپیش ہیں اُن میں سب سے زیادہ اہم کالج آف ایجوکیشن میں سند یافتہ تدریسی عملے کی نایابی، اعلیٰ معیاری تربیتی پروگرام، تربیتی اداروں کے مالی مسائل، تربیت کے لیے معیاری مواد کی کمیابی اور تنظیم و نگرانی کے مؤثر نظام کی کمی شامل ہیں۔ لیکن ان سب سے زیادہ اہم اور سنجیدہ مسئلہ یہ ہے کہ تدریسی اداروں میں سکھائے گئے طریقوں اور مہیا کی گئی تدریسی مہارت کو یہ اساتذہ اپنی جماعتوں میں استعمال نہیں کرتے ہیں۔

6۔ درسی کتب کی تیاری:

درسی کتب کی تیاری بھی تعلیمی عمل کا ایک انتہائی ضروری عنصر ہے۔ درسی کتب سے تعلیم کی سطح، اساتذہ کی سطح اور نظام تعلیم کے معیار کا تعین ہوتا ہے۔ درسی کتب تعلیمی پالیسی میں طے کردہ مقاصد کو حقیقت کے روپ میں ڈھالتی ہیں اور ملک کی ترقی و فروغ کے لیے تعلیم کے لیے مطلوبہ معیار مقرر کرتی ہیں۔ درسی کتب کی تیاری ایک ارتقائی عمل ہے۔ یہ معاشرے میں اور چاروں جانب پھیلی ہوئی دنیا میں ہونے والی نئی نئی تبدیلیوں اور ترقی کے ساتھ مسلسل جاری رہتا ہے۔ ان درسی کتب میں نئی معلومات شامل کی جاتی ہیں، جس سے نظام تعلیم کے لیے اُن کی افادیت بڑھ جاتی ہے۔

درسی کتب کی تیاری کے لیے حکومت نے چاروں صوبوں میں ٹیکسٹ بک بورڈ (درسی کتب بورڈ) قائم کیے ہیں۔ اِن بورڈوں میں تمام مضامین کے ماہرین (سبجیکٹ اسپشلسٹ) کا تقرر کیا گیا ہے جو مصنفین کی تحریر کردہ کتب کو بہتر بنانے کے لیے جدید تحقیق اور معلومات کی بنیاد پر مسلسل کام کرتے ہیں۔ وزارتِ تعلیم کے شعبہ نصاب کی مقرر کردہ مختلف مضامین کے ماہرین کی کمیٹیاں بورڈوں کی تیار کردہ درسی کتب کا مزید جائزہ لیتی ہیں۔ جائزے اور وزارتِ تعلیم کی منظوری کے بعد یہ کتابیں نظامِ تعلیم کا حصہ بن جاتی ہیں اور پورے ملک کے تمام اداروں میں پڑھائی جاتی ہیں۔

7۔ امتحانات:

تعلیم کے مختلف درجوں میں طلبہ کی اہلیت و قابلیت کی جانچ اور آزمائش امتحانات کے ذریعے ہوتی ہے۔ یہ امتحانات ہر تعلیمی سال کے اختتام پر منعقد کیے جاتے ہیں۔ امتحانات، نہ صرف طلبہ کی اہلیت کا تعین کرتے ہیں بلکہ کسی تعلیمی ادارے اور اُس کے اساتذہ کے تعلیمی معیار کا بھی تعین کرتے ہیں۔ اِن سے کسی ملک کے نظام تعلیم کے تمام خدوخال بھی عیاں ہوتے ہیں۔

ہر سال کے اختتام پر اسکول کی سطح پر ہر درجے کے لیے امتحانات کے ایک باقاعدہ نظام کے علاوہ وہ امتحانات جو مختلف امتحانی بورڈ لیتے ہیں، ان کو ثانوی اور اعلیٰ ثانوی بورڈ کہتے ہیں۔ یہ بورڈ پاکستان کے تمام صوبوں اور وفاقی سطح پر قائم کیے گئے ہیں۔ جو لوگ ان امتحانات میں کامیابی حاصل کر لیتے ہیں انھیں سرٹیفکیٹ جاری کیے جاتے ہیں۔ جامعات کا اپنا علیحدہ نظام امتحانات ہے، جو کالجوں کے تعاون اور مدد سے اُس خاص جامعہ کے حلقہ اثر کے اندر منعقد کیے جاتے ہیں۔ لیکن ہمارا نظام تعلیم نصاب میں سے منتخب مطالعے کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ اسی لیے طلبہ میں باقاعدہ مطالعے کی عادت پیدا نہیں ہوتی ہے۔ اندازے (گیس پیپرز) کے کاموں نے طلبہ کی مطالعے کی عادات پر بڑا خراب اثر ڈالا ہے۔ اس کا واحد حل یہ ہے کہ امتحانی پرچوں میں مختصر سوال و جواب کی تعداد بڑھائی جائے تاکہ پورے نصاب کا احاطہ ہو سکے۔

اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ طلبہ اپنے نصاب کو تفصیل سے پڑھ سکیں گے۔ نقل اور امتحانی نظام میں ناجائز ذرائع کے استعمال نے ان کی اہمیت کو بہت کم کر دیا ہے۔ اس لیے امتحانی نظام میں سخت نظم وضبط کی ضرورت ہے۔ ایک اور پہلو داخلوں کے لیے داخلہ امتحان یا انٹری ٹیسٹ کا انعقاد ہے۔ اس سے طلبہ میں مطالعہ کی عادت کو پروان چڑھانے میں مدد ملے گی۔

8۔ فنّی اور پیشہ ورانہ تعلیم: (ٹیکنیکل اور ووکیشنل تعلیم):

جدید عہد فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم کا عہد ہے جس کی بدولت اقتصادی اور صنعتی ترقی کو برقرار رکھنے میں مدد ملتی ہے۔ اسی لیے حکومت نے ملک میں فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم کو بہتر بنانے کے لیے خصوصی توجہ دی ہے۔ ہر ضلعی صدر مقام پر پولی ٹیکنیک ادارے (انسٹیٹیوٹ) کھولے گئے ہیں۔ ان اداروں میں میٹرک میں کامیاب شدہ طلبہ کو اہلیت کی بنیاد پر داخل کیا جاتا ہے۔ طلبہ کو فنی (ٹیکنیکل) تعلیم کا ڈپلومہ عطا کیا جاتا ہے۔ حکومت نے ملک بھر میں ایسے فنی منصوبے شروع کیے ہیں جن کا مقصد ان فنی تعلیم کے اداروں کو آلات وساز وسامان کی سہولتیں فراہم کرنا، فنی تعلیم کے نصاب کو بہتر بنانا اور فنی تعلیم مہیا کرنے والے اساتذہ تیار کرنا ہے۔ حکومتِ پاکستان نے ایک سائنسی تعلیم کا آغاز کیا ہے۔ اس کا مقصد ریاضی، سائنس اور کمپیوٹر سائنس کی تعلیم کے نصابوں کے معیار کو بہتر کرنا ہے۔ ان نصابوں سے تقریباً چھ ملین طلبہ فیض یاب ہوں گے۔

حکومت پاکستان نے صوبہ خیبر پختونخوا میں ٹوپی (Topi) کے مقام پر غلام اسحاق خان انسٹیٹیوٹ آف ٹیکنالوجی قائم کیا ہے جو فنی تعلیم کا سب سے زیادہ معیاری اور جدید ادارہ ہے۔ اس کا معیار بین الاقوامی سطح کا ہے۔

فیصل آباد میں ایک پیشہ ورانہ اور فنی تربیت اور ٹیکسٹائل کا ادارہ قائم کیا گیا ہے جو کپڑے کی صنعت کے ماہرین تیار کرتا ہے۔

سندھ میں پولی ٹیکنیک ادارے اور کالج کراچی، حیدرآباد، بدین، نواب شاہ اور سکھر میں ہیں۔ سندھ میں ہر ضلعی صدر مقام پر ٹیکنیکل انسٹیٹیوٹ بھی قائم کیے گئے ہیں۔

حکومت فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم پر اس لیے زور دے رہی ہے تاکہ سند یافتہ، قابل اور تعلیم یافتہ فنی ہاتھ تیار کیے جا سکیں جو بین الاقوامی منڈی (مارکیٹ) میں مقابلے کے لیے اعلیٰ معیاری فنی مصنوعات تیار کر سکیں۔ حکومت فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم کی بہتری پر کثیر رقم خرچ کر رہی ہے۔

9۔ اعلیٰ تعلیم:

اعلیٰ تعلیم نے جامعات کی نگرانی اور انتظام میں گزشتہ بیس سالوں میں زیادہ تیزی سے ترقی کی ہے۔ قیامِ پاکستان کے وقت ملک میں صرف ایک جامعہ (پنجاب یونیورسٹی) تھی اور سندھ یونیورسٹی (جامشورو) کا منصوبہ زیرِ غور تھا۔ جبکہ 2004ء میں سرکاری جامعات کی تعداد 53 اور نجی شعبے میں 44 تھی۔ نجی شعبے میں ہر سال دو تا تین جامعات کا اضافہ ہو رہا ہے۔ مارچ 2002ء میں ورچوئل یونیورسٹی قائم کی گئی۔ اس کی پورے ملک میں مندرجہ ذیل شاخیں کھولی گئی ہیں۔

- ☆ پنجاب 82 (صرف لاہور میں 21 اور بقیہ پنجاب کے دیگر شہروں میں)
- ☆ سندھ 27 (کراچی میں 24 اور 3 سندھ کے دیگر شہروں میں)
- ☆ صوبہ خیبر پختونخوا 9 (پشاور میں 3 ایبٹ آباد میں 2 اور دیگر چار شہروں میں ایک ایک)
- ☆ بلوچستان 3 (کوئٹہ میں ایک اور دیگر شہروں میں دو)۔

اعلیٰ تعلیم کے سلسلے میں ایک عظیم پیش رفت 14 اگست 2002ء کو اعلیٰ تعلیمی کمیشن (ہائیر ایجوکیشن کمیشن) کا قیام تھا۔ اس کمیشن کے سامنے مندرجہ ذیل اہداف تھے۔

- ☆ 2005ء تک اعلیٰ تعلیم تک رسائی کی شرح 2.6 فیصد سے بڑھا کر 5 فیصد کرنا۔
- ☆ 2005ء تک داخلوں کی تعداد ایک لاکھ سے دو لاکھ تک بڑھانا۔
- ☆ 2005ء تک اعلیٰ تعلیم کے مجموعی قومی آمدنی (جی ڈی پی) کا مختص حصہ 0.39 فیصد سے ایک فیصد تک بڑھانا۔
- ☆ 2005ء تک فنون سے سائنس و ٹیکنالوجی میں طلبہ کی شرح 70.30 کی نسبت سے بدل کر 50.50 کر دینا۔
- ☆ تمام سرکاری جامعات میں اطلاعاتی فنیت (انفارمیشن ٹیکنالوجی) کی تعلیم متعارف کرانا۔

10۔ شعبہء تعلیم میں مسائل:

پاکستان میں شعبہء تعلیم میں مندرجہ ذیل اصل مسائل ہیں:

(i) جاگیرداروں (زمینداروں) کا طرزِ عمل:

غریب بچوں کی تعلیم کی راہ میں جاگیردارانہ نظام سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ والدین اتنے غریب ہیں کہ بمشکل ہی اپنے بچوں کی تعلیم کے اخراجات برداشت کر سکتے ہیں۔ دوسری جانب دیہی علاقوں میں جاگیردار اور زمیندار غریب

والدین کے بچوں کی تعلیم کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں۔ وہ غریب بچوں سے بہت کم معاوضے پر کام کرانا چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دیہی علاقوں میں خواندگی کی شرح میں اضافہ نہیں ہوا ہے۔ خاص طور سے بچیوں کی تعلیم کو بہت نقصان پہنچا ہے۔

(ii) ترکِ تعلیم:

بچوں کی تعلیم کی ہر سطح پر ترکِ تعلیم کی شرح بڑھی ہے۔ تقریباً 85 فیصد بچے پرائمری اسکولوں میں داخل ہوتے ہیں۔ لیکن بمشکل 56 فیصد بچے اپنی پرائمری تعلیم کا پانچ سالہ دور مکمل کرتے ہیں۔ وسطی (مڈل) سطح پر ایک نمایاں اکثریت اپنے تعلیمی دور کے درمیان میں تعلیم ترک کر دیتی ہے۔ ترکِ تعلیم کی سب سے اہم وجہ والدین کی معاشی حالت ہے کیونکہ وہ اپنے بچوں کی تعلیم کے اخراجات برداشت نہیں کر سکتے ہیں۔

(iii) اساتذہ کی غیر حاضری:

دیہی علاقوں میں اساتذہ کی غیر حاضری نے تعلیم کے فروغ کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ دیہات میں اساتذہ کی کمی، فرضی یا سایہ (گھوسٹ) اسکولوں اور دیہی اسکولوں کی مؤثر نگرانی کی کمی کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ تعلیم کے فروغ اور ناخواندگی کو مٹانے کی رفتار انتہائی سست ہے۔

(iv) نجی تعلیمی اداروں کی بھاری فیس:

نجی شعبے کے تعلیمی ادارے اپنے اسکولوں میں مہیا کردہ سہولتوں کے مقابلے میں بہت بھاری فی وصول کرتے ہیں۔ اساتذہ سے ضرورت سے زیادہ کام لیا جاتا ہے۔ لیکن انھیں کم تنخواہیں دی جاتی ہیں۔ حکومت کو ایسے اسکولوں کی سخت نگرانی کرنی چاہیے۔ نجی اسکولوں میں صرف رجسٹریشن فی دو سو روپے سے دس ہزار روپے تک ہے جبکہ ماہانہ فی 200 روپے سے ایک ہزار روپیہ بلکہ زیادہ تک ہے۔ ان نجی اسکولوں کے اساتذہ کم تعلیم یافتہ ہیں۔ اسی لیے اُن کا معیار سرکاری اسکولوں کے اساتذہ کے مقابلے میں کم تر ہے۔

(v) ساز و سامان کی سہولتوں کی کمی:

تعلیم کے معیار میں پستی اور زوال کا ایک سبب پرائمری اسکولوں میں ساز و سامان و آلات کی سہولتوں کی کمی بھی ہے۔ تقریباً پچیس ہزار اسکولوں کی باقاعدہ عمارتیں نہیں ہیں۔ اکثر اسکولوں کی نہ چار دیواری ہے اور نہ ہی انھیں بیت الخلا اور صاف پانی کی سہولت میسر ہے۔ ان اسکولوں میں فرنیچر کی کمی ہے۔ دیہی علاقوں میں اکثر اسکول صرف "واحد کمرہ اسکول" ہیں اور یہ گارے مٹی اور برادے کے آمیزے سے تیار کیے گئے ہیں۔ یہ سب بہت بری حالت میں

ہیں۔ ان اسکولوں میں تعلیم کا معیار بھی بہت پست ہے۔

(vi) درسی کتب کی عدم دستیابی:

درسی کتب کی زیادہ قیمتوں کی وجہ سے بے شمار طلبہ اُنھیں خریدنے کی سکت نہیں رکھتے۔ نجی اور انگریزی ذریعہ تعلیم کے اسکولوں میں رائج درسی کتب بہت مہنگی ہیں۔ اعلیٰ تعلیم اور پیشہ ورانہ نصابوں کی اکثر درسی کتب درآمد کی جاتی ہیں جو بہت زیادہ مہنگی ہیں۔

(vii) طلبہ کے لیے رہائش:

فنی اور میڈیکل کالجوں کے طلبہ کے لیے ہوسٹل کی رہائش ایک مسئلہ بن گئی ہے۔ ان اداروں میں طلبہ کی بڑھتی ہوئی تعداد کے لحاظ سے ہاسٹل کی رہائش مہیا نہیں ہے۔

(viii) سیاسی مداخلت:

تعلیمی اداروں کے انتظامی معاملات اور خصوصاً اساتذہ کے تقرر اور تبادلوں کے معاملات میں کچھ لوگ مداخلت کرتے ہیں۔ اہلیت کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور تقرریوں میں جانب داری ہوتی ہے یا سیاسی سفارشیں کی جاتی ہیں۔

11۔ تعلیم میں نئے رجحانات بشمول اطلاعاتی فنّیت (انفارمیشن ٹیکنالوجی)

بیسویں صدی کے اختتام اور اکیسویں صدی کے آغاز پر انسانی ترقی و فروغ کے تمام شعبوں میں بہت تیزی سے تبدیلیاں آئی ہیں۔ صنعت و تجارت و کاروبار اور بینکاری اور بیمہ کاری کے نظام بہت پیچیدہ ہو گئے ہیں۔ اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے انتظامی علوم کے شعبوں نے بہت نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ تجارتی انتظامیہ (بزنس ایڈمنسٹریشن) نے دفتری انتظامیہ کا نیا نظام متعارف کرایا ہے جس میں کمپیوٹر کو برتری حاصل ہے۔ جامعات میں بینکاری، ہوٹل انتظامیہ، سیاحت اور سرمایہ کاری حسابات کے نئے شعبے کھولے گئے ہیں۔ ان تمام شعبوں کے لیے سب سے زیادہ مقبول و معروف ادارہ لاہور یونیورسٹی آف مینجمنٹ سائنسز (لمس) ہے۔

اطلاعاتی فنیت (انفارمیشن ٹیکنالوجی۔ آئی ٹی) مواصلات (ٹیلی کمیونیکیشن) کے میدان میں جدید اختراع ہے۔ اس فنیت کی بدولت اعداد و شمار (معطیات یا ڈیٹا) انٹرنیٹ کے ذریعے ہزاروں کلومیٹر اور ایک مقام سے دوسرے مقام تک منتقل کیے جا سکتے ہیں۔ افراد اور اداروں نے اپنی اپنی ویب سائٹس تخلیق کی ہیں جو پلک جھپکتے ہی تمام مطلوبہ معلومات مہیا کر دیتی ہیں۔ گھر بیٹھے ہوئے انٹرنیٹ رقوم کے تبادلے، درآمد و برآمد اور تحقیقاتی مواد کے حصول کا تیز رفتار ذریعہ بن گیا

ہے۔ اطلاعاتی فنیت کے لیے مہارت اور ہنرمندی کی ضرورت ہے تاکہ ان مشینوں کو چلایا جا سکے۔ پاکستان میں اطلاعاتی فنیت کے میدان میں سب سے اہم چیلنج اس میدان کے ماہرین کی دستیابی ہے۔ بھارت اس میدان میں خود کفیل ہو گیا ہے اور اُس کے ہزاروں ماہرین کی امریکا، برطانیہ اور جرمنی میں مانگ ہے۔

پاکستان میں بھی آئی ٹی کی اہمیت کو تسلیم کر لیا گیا ہے۔ ترجیحی بنیادوں پر سرمایہ کاری کا آغاز ہو گیا ہے۔ کمپیوٹر ہارڈ ویئر اور سوفٹ ویئر تیار کیے جا رہے ہیں۔ سات آئی ٹی (اطلاعاتی فنیت) جامعات قائم کی جا رہی ہیں جن میں سے پانچ سرکاری اور دو نجی شعبے میں ہوں گی۔ دو آئی ٹی جامعات بنام کومسیٹس (Comsats) اور فاسٹ (Fast) نے کام شروع کر دیا ہے۔ حکومتِ پاکستان نے عمومی جامعات کو بھی آئی ٹی کا شعبہ قائم کرنے کا مشورہ دیا ہے۔

اطلاعاتی فنیت (انفارمیشن ٹیکنالوجی) کو چار ہزار سے زائد تعلیمی اداروں تک پھیلا دیا گیا ہے جس میں نجی شعبے کے تعاون کے ساتھ اسکول بھی شامل ہیں۔ پورے ملک میں سینکڑوں آئی ٹی ادارے سماروغ (Mushroom) کی طرح پھیل گئے ہیں۔ لیکن نہ ہی اُن کے پاس ضروری آلات ہیں اور نہ ماہر اساتذہ۔ ایسے ادارے آئی ٹی کے بارے میں منفی تاثرات پیدا کر رہے ہیں۔ حکومت کو ایسے اداروں کے پھیلاؤ پر نظر رکھنی چاہیے۔ پاکستان میں اطلاعاتی فنیت (آئی ٹی) کا بہت روشن مستقبل ہے۔ کثیر تعداد میں غیر ملکی کمپنیاں وسیع پیمانے پر اس میدان میں سرمایہ کاری کر رہی ہیں۔

تعلیم کے میدان میں اطلاعاتی فنیت (انفارمیشن ٹیکنالوجی) کے بھرپور پروگرام مندرجہ ذیل ہیں۔

(i) ہر درجے پر اطلاعاتی فنیت (انفارمیشن ٹیکنالوجی) کے اطلاق سے پاکستان کے نظامِ تعلیم کو جدید بنانا۔

(ii) انٹرنیٹ کے ذریعے تحقیق اور جدید و تازہ اطلاعات و معلومات تک رسائی حاصل کرنا۔

(iii) ہر عمر کے بچوں میں اطلاعاتی فنیت کو مقبول بنانا اور اُنھیں آئندہ عشروں کے لیے تیار کرنا۔

(iv) کمرۂ جماعت میں تعلیم کے آلۂ کار کے طور پر کمپیوٹر کے مختلف کرداروں پر زور دینا۔

(v) اساتذہ کی تربیت اور دیگر تعلیمی سرگرمیوں کے لیے رسل و رسائل کی ٹیکنالوجی کو استعمال کرنا۔

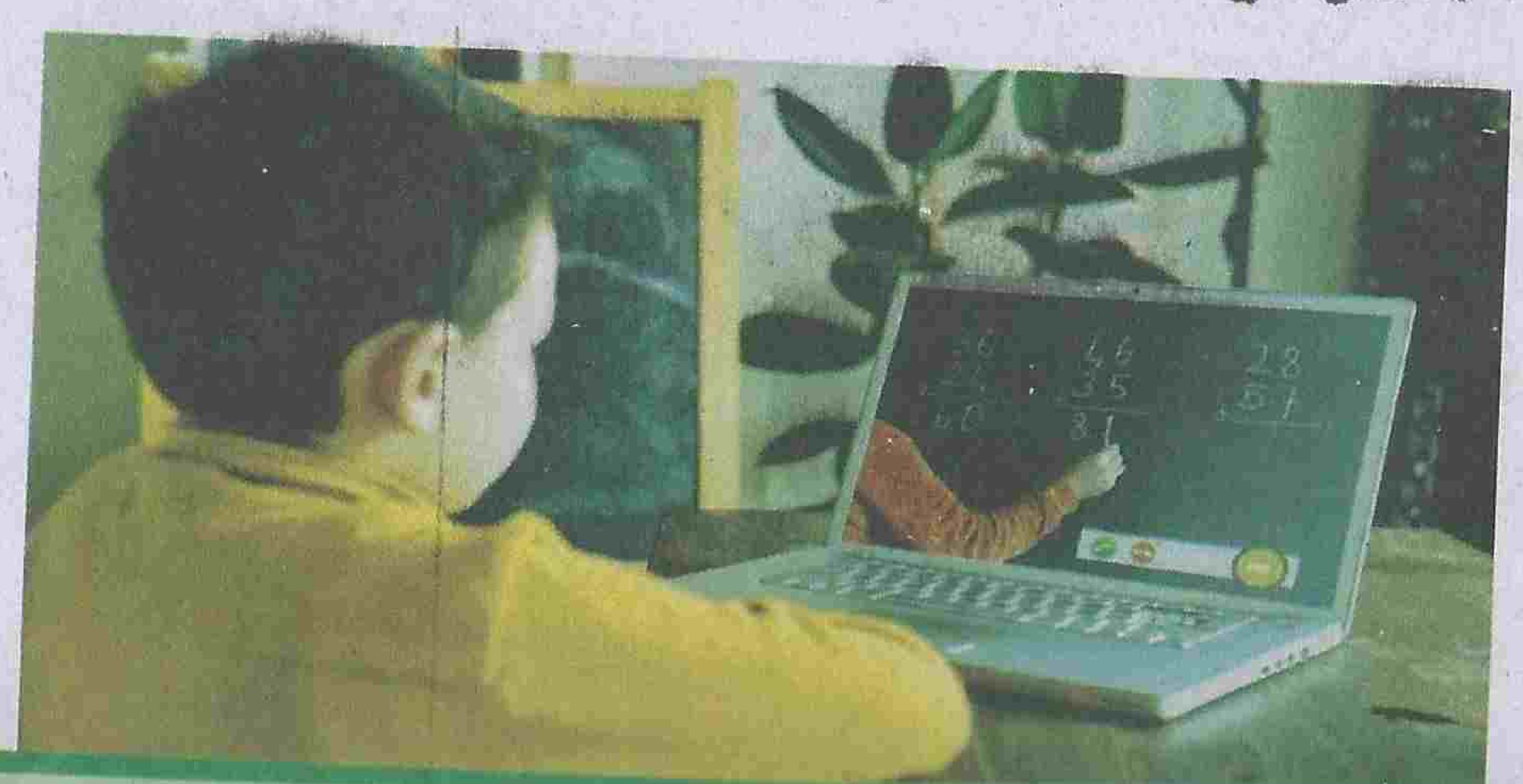

مشق

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات دیجیے:

1۔ کسی ملک کی ترقی میں تعلیم کی اہمیت بیان کیجیے۔

2۔ قومی تعلیمی پالیسی (1998ء تا 2010ء) میں بیان کردہ تعلیم کے اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالیے۔

3۔ تعلیم کی سماجی و ثقافتی اہمیت بیان کیجیے۔

4۔ پاکستان میں رسمی تعلیم کی ساخت کس قسم کی ہے؟

5۔ تعلیم کی ثانوی سطح پر نصاب کے اہم اجزا کیا ہیں؟

6۔ تربیتِ اساتذہ پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔

7۔ پاکستان میں فنی (ٹیکنیکل) اور پیشہ ورانہ تعلیم کی اہمیت بیان کیجیے۔

8۔ پاکستان میں تعلیم کے شعبے میں اہم مسائل کیا ہیں؟

9۔ پاکستان میں تعلیم کے میدان میں انفارمیشن ٹیکنالوجی (اطلاعاتی فنیت) کے کیا مقاصد ہیں؟

(ب) خالی جگہوں کو مناسب الفاظ سے پُر کیجیے:

(i) ---------- کے بغیر حقیقی ترقی نہیں ہوسکتی۔

(ii) پاکستان میں پہلی تعلیمی کانفرنس -------- میں منعقد ہوئی۔

(iii) لازمی پرائمری تعلیم کا ایک -------- میں نافذ ہوا۔

(iv) پاکستان میں رسمی نظامِ تعلیم کا آغاز -------- سے ہوتا ہے۔

(v) پروفیشنل تعلیم میں -------، -------، ------- اور ------- کی تعلیم شامل ہے۔

(vi) سندھ میں نصابی کتب کی تیاری کی ذمہ داری -------- کے سپرد کی گئی ہے۔

دسواں باب

پاکستان - ایک فلاحی مملکت

PAKISTAN - A WELFARE STATE

فلاحی مملکت سے مراد ایک ایسی ریاست ہے جو اپنے شہریوں کی بنیادی ضروریات کا خیال رکھے اور اُنھیں اس قابل بنائے کہ وہ پرامن و پرسکون زندگی گزار سکیں۔ ایسی ریاست کے مقاصد میں جہالت و ناخواندگی، غربت و افلاس اور معاشرے سے ناانصافی کا خاتمہ شامل ہے اور اپنے شہریوں کو ایسے مواقع اور ماحول مہیا کرنا بھی اس کے مقاصد میں شامل ہوتا ہے جس میں تمام شہریوں کو اپنی فطری صلاحیتیں اجاگر کرنے کے مواقع حاصل ہوں۔

یورپ میں جدید فلاحی مملکت کا تصور دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کے ردِعمل کے طور پر اُبھرا تھا۔ بیسویں صدی میں تصور بہت واضح اور وسیع ہوگیا اور بے شمار یورپی ممالک نے اپنے شہریوں کی فلاح و بہبود کے لیے اصلاحات متعارف کرائیں۔ زمانہ قدیم میں ریاست کی ذمہ داریاں صرف سرحدوں کی حفاظت، امن و امان برقرار رکھنے اور ملک کے عمومی نظم و نسق تک محدود تھیں لیکن فلاحی ریاست کی ذمہ داریوں میں ایک جانب لوگوں کے جان و مال کی حفاظت شامل ہے تو دوسری جانب اُن کے بنیادی اور اساسی حقوق کا تحفظ بھی۔ اقتصادی طور پر یا دیگر وجوہ سے پس ماندہ اور معذور افراد کی ریاست مدد کرتی ہے تاکہ وہ دوسروں کے ہم پلا زندگی گزار سکیں۔ امریکا، برطانیہ، جرمنی، فرانس، کینیڈا اور آسٹریلیا جیسے جدید ترقی یافتہ ممالک میں سماجی تحفظ و بہبود کے نظام کا نفاذ فلاحی مملکت کے قیام کی جانب اقدامات میں سے ایک ہے۔

فلاحی مملکت میں شہریوں کی بنیادی ضروریات پوری کی جاتی ہیں اور اُن کی فلاح و بہبود ریاست کی اولین ذمہ داری ہوتی ہے۔ اس لیے فلاحی مملکت کے شہری محب وطن، بیباک اور صاف گو ہوتے ہیں۔

1۔ فلاحی مملکت کے بارے میں اسلامی نظریہ:

فلاحی مملکت کا تصور کوئی نیا نہیں ہے۔ اسلام نے چودہ سو سال قبل فلاحی مملکت کا تصور پیش کیا تھا اور خلافت راشدہ کے دور (632ء تا 661ء) میں اس پر مکمل طور پر عمل کیا گیا۔ ایک اسلامی فلاحی ریاست کا تصور مندرجہ ذیل کے مطابق ہے۔

(الف) اسلام میں اقتدارِ اعلیٰ اللہ تبارک وتعالیٰ کے پاس ہے۔ ریاست اپنے شہریوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کرتی ہے۔ بلاکسی امتیاز کے انصاف سب کے لیے ہے۔ قانون کی نظر میں سب برابر ہیں۔ افراد کے درمیان فوقیت اور برتری صرف تقویٰ (اللہ کا خوف) کی بنیاد پر ہے۔

مشق

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات دیجیے:

1۔ کسی ملک کی ترقی میں تعلیم کی اہمیت بیان کیجیے۔

2۔ قومی تعلیمی پالیسی (1998ء تا 2010ء) میں بیان کردہ تعلیم کے اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالیے۔

3۔ تعلیم کی سماجی وثقافتی اہمیت بیان کیجیے۔

4۔ پاکستان میں رسمی تعلیم کی ساخت کس قسم کی ہے؟

5۔ تعلیم کی ثانوی سطح پر نصاب کے اہم اجزا کیا ہیں؟

6۔ تربیتِ اساتذہ پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔

7۔ پاکستان میں فنی (ٹیکنیکل) اور پیشہ ورانہ تعلیم کی اہمیت بیان کیجیے۔

8۔ پاکستان میں تعلیم کے شعبے میں اہم مسائل کیا ہیں؟

9۔ پاکستان میں تعلیم کے میدان میں انفارمیشن ٹیکنالوجی (اطلاعاتی فنیت) کے کیا مقاصد ہیں؟

(ب) خالی جگہوں کو مناسب الفاظ سے پُر کیجیے:

(i) ---------- کے بغیر حقیقی ترقی نہیں ہوسکتی۔

(ii) پاکستان میں پہلی تعلیمی کانفرنس ---------- میں منعقد ہوئی۔

(iii) لازمی پرائمری تعلیم کا ایک ---------- میں نافذ ہوا۔

(iv) پاکستان میں رسمی نظامِ تعلیم کا آغاز ---------- سے ہوتا ہے۔

(v) پروفیشنل تعلیم میں ----------، ----------، ---------- اور ---------- کی تعلیم شامل ہے۔

(vi) سندھ میں نصابی کتب کی تیاری کی ذمہ داری ---------- کے سپرد کی گئی ہے۔

پاکستان ۔ ایک فلاحی مملکت

PAKISTAN - A WELFARE STATE

دسواں باب

فلاحی مملکت سے مراد ایک ایسی ریاست ہے جو اپنے شہریوں کی بنیادی ضروریات کا خیال رکھے اور اُنھیں اس قابل بنائے کہ وہ پرامن و پرسکون زندگی گزار سکیں۔ ایسی ریاست کے مقاصد میں جہالت و ناخواندگی، غربت وافلاس اور معاشرے سے ناانصافی کا خاتمہ شامل ہے اور اپنے شہریوں کو ایسے مواقع اور ماحول مہیا کرنا بھی اس کے مقاصد میں شامل ہوتا ہے جس میں تمام شہریوں کو اپنی فطری صلاحیتیں اجاگر کرنے کے مواقع حاصل ہوں۔

یورپ میں جدید فلاحی مملکت کا تصور دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کے ردِعمل کے طور پر اُبھرا تھا۔ بیسویں صدی میں تصور بہت واضح اور وسیع ہوگیا اور بے شمار یورپی ممالک نے اپنے شہریوں کی فلاح و بہبود کے لیے اصلاحات متعارف کرائیں۔ زمانہ قدیم میں ریاست کی ذمہ داریاں صرف سرحدوں کی حفاظت، امن وامان برقرار رکھنے اور ملک کے عمومی نظم ونسق تک محدود تھیں لیکن فلاحی ریاست کی ذمہ داریوں میں ایک جانب لوگوں کے جان و مال کی حفاظت شامل ہے تو دوسری جانب اُن کے بنیادی اور اساسی حقوق کا تحفظ بھی۔ اقتصادی طور پر یا دیگر وجوہ سے پس ماندہ اور معذور افراد کی ریاست مدد کرتی ہے تاکہ وہ دوسروں کے ہم پلا زندگی گزار سکیں۔ امریکا، برطانیہ، جرمنی، فرانس، کینیڈا اور آسٹریلیا جیسے جدید ترقی یافتہ ممالک میں سماجی تحفظ و بہبود کے نظام کا نفاذ فلاحی مملکت کے قیام کی جانب اقدامات میں سے ایک ہے۔ فلاحی مملکت میں شہریوں کی بنیادی ضروریات پوری کی جاتی ہیں اور اُن کی فلاح و بہبود ریاست کی اولین ذمہ داری ہوتی ہے۔ اس لیے فلاحی مملکت کے شہری محبِ وطن، بیباک اور صاف گو ہوتے ہیں۔

1۔ فلاحی مملکت کے بارے میں اسلامی نظریہ:

فلاحی مملکت کا تصور کوئی نیا نہیں ہے۔ اسلام نے چودہ سو سال قبل فلاحی مملکت کا تصور پیش کیا تھا اور خلافت راشدہ کے دور (632ء تا 661ء) میں اس پر مکمل طور پر عمل کیا گیا۔ ایک اسلامی فلاحی ریاست کا تصور مندرجہ ذیل کے مطابق ہے۔

(الف) اسلام میں اقتدارِ اعلیٰ اللہ تبارک وتعالیٰ کے پاس ہے۔ ریاست اپنے شہریوں کی جان و مال اور عزت وآبرو کی حفاظت کرتی ہے۔ بلاکسی امتیاز کے انصاف سب کے لیے ہے۔ قانون کی نظر میں سب برابر ہیں۔ افراد کے درمیان فوقیت اور برتری صرف تقویٰ (اللہ کا خوف) کی بنیاد پر ہے۔

(ب) اسلامی فلاحی ریاست میں یہ لازم ہے کہ حاکم اسلام کے بنیادی شعائر اور احکامات کا پابند ہو اور وہ اللہ سے ڈرنے والا مسلمان ہو۔ حاکم تو صرف امین اور متولی ہوتا ہے۔

(ج) اسلامی فلاحی ریاست کا حاکم عوام کا خادم ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ عوام کی فلاح و بہبود کے بارے میں سوچتا ہے۔ وہ ایک عام آدمی کی طرح زندگی گزارتا ہے۔

(د) اسلامی فلاحی ریاست ہمیشہ اپنے عوام کے سامنے جوابدہ ہوتی ہے۔ حاکم احتساب اور تنقید سے بالاتر نہیں ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں استحصال سے پاک ایک خوشحال معاشرہ نشوونما پاتا ہے۔ ایسی ریاست تمام شہریوں کو ترقی کرنے اور آگے بڑھنے کے مساوی مواقع مہیا کرتی ہے۔ یہ ریاست غیر مسلموں سمیت تمام افراد کو بنیادی سہولتیں مہیا کرتی ہے۔

(ہ) اسلامی فلاحی ریاست کے تصور کا لب لباب یہ ہے کہ یہ مساوات (ہر سطح پر برابری) قائم کرتی ہے اور اس کے حکمران عام آدمی کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں اور ہر شخص کی ان تک رسائی ہوتی ہے اور یہ عوام کے سامنے جوابدہ ہوتے ہیں۔

2۔ پاکستان کے قومی مقاصد:

پاکستان ایک آزاد اور خودمختار اسلامی ملک ہے اس لیے اس کے قومی مقاصد مندرجہ ذیل ہیں۔

(i) اسلامی معاشرے کا قیام:

اسلامی تعلیمات اور جمہوریت کے اصولوں کے مطابق ایک اسلامی معاشرہ کا قیام سب سے اہم قومی مقصد ہے۔ قائداعظمؒ نے فرمایا تھا کہ تخلیقِ پاکستان کا مقصد صرف زمین کا ایک ٹکڑا (قطعہ اراضی) حاصل کرنا نہیں تھا بلکہ اس کا بنیادی مقصد ایک ایسی تجربہ گاہ کا قیام تھا جہاں اسلامی اصولوں کو بروئے کار لاسکیں۔ اس لیے یہ ہر پاکستانی کا فرض ہے کہ ایسی تمام کوششوں اور کاوشوں میں شریک ہو جن کا مقصد ایسا ماحول پیدا کرنا ہو جس میں لوگ انفرادی طور پر اور اجتماعی طور پر اپنی زندگیاں اسلامی اصولوں کے مطابق بسر کرسکیں۔

(ii) استحصال کے خلاف جدوجہد:

مساوات، سماجی انصاف، باہمی عزت و احترام اور تعاون کے اصولوں پر مبنی ایک اسلامی معاشرے کا قیام بھی ہمارا قومی مقصد ہے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب تمام افراد کو ترقی کرنے اور آگے بڑھنے کے مساوی مواقع حاصل

ہوں اور وہ جہالت، غربت اور استحصال کا شکار نہ ہوں۔ اسی لیے جہالت، ناخواندگی، غربت، افلاس اور معاشی استحصال کے خلاف جدوجہد بھی ہمارا ایک قومی مقصد ہے۔

(iii) ریاست کی حفاظت:

ملک کو درپیش اندرونی اور بیرونی خطرات سے محفوظ رکھنا حکومت اور عوام کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔ قومی تشخص اور آزادی کا تحفظ بھی ہمارا ایک اہم قومی مقصد ہے۔

(iv) خودکفالت:

خودکفالت ایک بہت وسیع المعنی اصطلاح ہے۔ لیکن قومی مقاصد کے لحاظ سے اس کے معنی یہ ہیں کہ پاکستان کو معاشی اور اقتصادی طور پر خودکفیل بنایا جائے۔ اس کے لیے قومی سطح پر مسلسل کوششوں اور کاوشوں کی ضرورت ہے کہ سخت محنت کی جائے۔ اپنے وسائل پر انحصار کیا جائے۔ تعلیم اور سائنسی علوم کو فروغ دیا جائے اور "پاکستانیت" کا جذبہ و احساس پروان چڑھایا جائے تاکہ خودانحصاری حاصل ہوسکے۔

(v) مسلم ممالک کے ساتھ اتحاد و یکجہتی:

یہ بھی ہمارا قومی مقصد ہے کہ اسلامی ممالک کے درمیان اتحاد و یکجہتی کو فروغ دیا جائے اور انھیں ایک پلیٹ فارم پر یکجا کیا جائے۔ ہمیں اسلامی اُمّہ کی تنظیم (آرگنائزیشن آف اسلامک کنٹریز۔ او آئی سی) کے کردار کو زیادہ مضبوط بنانا ہے تاکہ مسلم اُمّہ کے مفادات سے متعلق معاملات پر یکساں طرزِ عمل اختیار کیا جاسکے۔

(vi) پُرامن کوششیں:

بین الاقوامی اور علاقائی امن کا فروغ، غیر منصفانہ بین الاقوامی معاشی نظام میں اصلاحات اور نسلی امتیاز کا خاتمہ بھی ہمارے قومی مقاصد میں شامل ہے۔

(vii) فلاحی ریاست کے قیام کے لیے جدوجہد:

سب سے اہم مقصد پاکستان کو ایک فلاحی ریاست بنانا ہے۔ ہمارے وسائل محدود ہیں۔ پاکستان کو فلاحی ریاست بنانے میں واحد رکاوٹ یہ ہے کہ اس کے وسائل بہت کم ہیں۔ اس لیے اضافہ شرح خواندگی، سائنسی اور ٹیکنیکل تعلیم کے فروغ اور صنعتی پیداوار کو بڑھا کر ہمیں اپنے وسائل کو فروغ دینا ہے۔ پاکستان کو فلاحی ریاست بنانے کے لیے سماجی برائیوں اور بدعنوانیوں کا خاتمہ ناگزیر ہے۔

3۔ تعمیری کاوشوں کی ضرورت:

مسلسل تعمیری کاوشوں اور کوششوں کے معنی ایسے مثبت اور تعمیری اقدام ہیں جن کا تسلسل ملک کو خود انحصاری کی منزل تک پہنچا سکتا ہے اور غیر ملکی برتری اور تسلط سے نجات دلا سکتا ہے۔ ایسی قوم جو ترقی کرنے کا عزمِ صمیم رکھتی ہے وہ اپنے موجودہ وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے خود کفالت کی راہ میں مسلسل ترقی کی کوششوں کو جاری رکھتی ہے۔ لیکن کسی ملک کو راتوں رات فلاحی ریاست میں نہیں بدلا جا سکتا۔ یہ ایک مسلسل اور مستقل عمل ہے۔ اس کے مندرجہ ذیل اہم پہلو ہیں۔

(الف) قومی مقاصد کا شعور و آگہی:

صرف وہی اقوام ترقی کرتی ہیں جو اپنے قومی مقاصد کا شعور اور آگہی رکھتی ہیں۔ یہ مقاصد پہلے ہی متعین کردہ ہوتے ہیں۔ یعنی مقاصد تیز رفتار ترقی کے لیے قومی ترجیحات کے تعین میں مدد کرتے ہیں۔ مقاصد کی آگاہی کی روشنی میں ترجیحات کا تعین کیا جا سکتا ہے اور ترجیحات کی بنیاد پر منصوبے بناتے ہوئے وسائل کا خیال رکھا جا سکتا ہے۔ یہ منصوبے آہستہ آہستہ روبعمل آتے ہیں اور اُن کے جائزوں کی روشنی میں اُن پر مسلسل نظرِ ثانی کی جاتی ہے۔ یہ عمل ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ نیز یہ کہ ان مقاصد کے حصول کے لیے جہدِ مسلسل اور مضبوط قوتِ ارادی کی ضرورت ہوتی ہے۔

(ب) محنت کی عظمت:

محنت کی عظمت کا مطلب یہ ہے کہ لوگ محنت کی قدر و قیمت سے آگاہ ہوں۔ نوجوان نسل کو یہ سکھایا اور پڑھایا جائے کہ خود کو وقف کیے بغیر اور سخت محنت کے بغیر ترقی و خوشحالی کا تصور صرف ایک خواب ہے۔ قائدِ اعظمؒ نے نوجوانوں کو مشورہ دیا ہے کہ وہ محنت میں عظمت محسوس کریں اور اس کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیں۔ محنت کی عظمت کا آغاز اور احساس اپنے گھر سے ہونا چاہیے۔

(ج) تعلیم کی کیفیت:

صرف تنہا عمومی تعلیم کے ذریعے قومی ترقی کا فروغ ممکن نہیں ہے۔ سائنسی اور ٹیکنیکل علوم میں پیش رفت کے ذریعے ہی قومی وسائل کو مناسب طریقے سے بروئے کار لایا جا سکتا ہے۔ اس لیے تیکنیکی تعلیم اور تربیت کی مدد سے قومی تعمیر کی رفتار اور مقدار کو بڑھانا از حد ضروری ہے۔

(د) رہنمائی اور حوصلہ افزائی:

1947ء یعنی پاکستان کی آزادی کے وقت سے ہماری معیشت کے مختلف شعبوں نے بہت نشوونما پائی ہے۔ صنعت و زراعت کو فروغ حاصل ہوا ہے۔ کئی بہت بڑے بڑے منصوبے (میگا پراجیکٹ) مکمل ہو چکے ہیں اور چند زیرِ تکمیل ہیں۔ لیکن وقت کی ضرورت یہ ہے کہ ہم مزید ترقی کے لیے اپنی جدوجہد کو جاری رکھیں اور پاکستان کو جلد از جلد ایک فلاحی مملکت بنائیں۔

(ہ) فلاح و بہبود کے پروگرام:

ملک بھر میں چند فلاحی پروگرام ضرورت مند، معذور اور مستحق افراد کے لیے شروع کیے گئے ہیں جو مسلسل ترقی کے لیے جاری تعمیری کاوشوں کا ایک حصہ ہیں۔ یہ پروگرام مندرجہ ذیل ہیں۔

(i) خواتین کے لیے انڈسٹریل ہوم کا قیام۔

(ii) مراکزِ صحت کا قیام۔

(iii) گونگوں اور بہروں کے لیے تعلیمی اداروں کا قیام۔

(iv) جسمانی طور پر معذور افراد کے لیے تربیتی مراکز کا قیام۔

(v) عوام کے لیے تفریحی مقامات۔

(vi) انسدادِ گداگری مراکز کا قیام۔

4۔ خوراک میں خود کفالت:

خوراک عوام کی بنیادی ضرورت ہے۔ نامناسب یا کم خوراک کا نتیجہ عوام کی خراب صحت کی صورت میں نکلتا ہے۔ جب عوام صحت مند نہیں ہوتے ہیں تو اُن کی کارکردگی کم ہو جاتی ہے۔ ملک کی تعمیر و ترقی و فروغ کا عمل سست پڑ جاتا ہے۔ بیرونی ممالک سے خوراک کی درآمد سے ترقی و فروغ کے دیگر شعبوں پر بُرا اثر پڑتا ہے، خاص طور سے صنعتی ترقی اور فروغ پر، کیوں کہ غذائی اجناس کی درآمد پر گرانقدر قیمتی زرمبادلہ خرچ ہوتا ہے۔ پاکستان کی معیشت زراعت پر انحصار کرتی ہے۔ پاکستان کی آبادی کی اکثریت زراعت سے وابستہ ہے۔ قومی آمدنی کا زیادہ بڑا حصہ زرعی پیداوار اور زراعت پر مبنی مصنوعات سے حاصل ہوتا ہے۔ چاول، کپاس اور گنا (چینی) جیسی زرعی فصلیں زرمبادلہ کمانے کا اہم ذریعہ ہیں۔ صنعتوں

3۔ تعمیری کاوشوں کی ضرورت:

مسلسل تعمیری کاوشوں اور کوششوں کے معنی ایسے مثبت اور تعمیری اقدام ہیں جن کا تسلسل ملک کو خود انحصاری کی منزل تک پہنچا سکتا ہے اور غیر ملکی برتری اور تسلط سے نجات دلا سکتا ہے۔ ایسی قوم جو ترقی کرنے کا عزمِ صمیم رکھتی ہے وہ اپنے موجودہ وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے خود کفالت کی راہ میں مسلسل ترقی کی کوششوں کو جاری رکھتی ہے۔ لیکن کسی ملک کو راتوں رات فلاحی ریاست میں نہیں بدلا جاسکتا۔ یہ ایک مسلسل اور مستقل عمل ہے۔ اس کے مندرجہ ذیل اہم پہلو ہیں۔

(الف) قومی مقاصد کا شعور و آگہی:

صرف وہی اقوام ترقی کرتی ہیں جو اپنے قومی مقاصد کا شعور اور آگہی رکھتی ہیں۔ یہ مقاصد پہلے ہی متعین کردہ ہوتے ہیں۔ یعنی مقاصد تیز رفتار ترقی کے لیے قومی ترجیحات کے تعین میں مدد کرتے ہیں۔ مقاصد کی آگاہی کی روشنی میں ترجیحات کا تعین کیا جاسکتا ہے اور ترجیحات کی بنیاد پر منصوبے بناتے ہوئے وسائل کا خیال رکھا جاسکتا ہے۔ یہ منصوبے آہستہ آہستہ روبعمل آتے ہیں اور اُن کے جائزوں کی روشنی میں اُن پر مسلسل نظرِ ثانی کی جاتی ہے۔ یہ عمل ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ نیز یہ کہ ان مقاصد کے حصول کے لیے جہدِ مسلسل اور مضبوط قوتِ ارادی کی ضرورت ہوتی ہے۔

(ب) محنت کی عظمت:

محنت کی عظمت کا مطلب یہ ہے کہ لوگ محنت کی قدر و قیمت سے آگاہ ہوں۔ نوجوان نسل کو یہ سکھایا اور پڑھایا جائے کہ خود کو وقف کیے بغیر اور سخت محنت کے بغیر ترقی و خوشحالی کا تصور صرف ایک خواب ہے۔ قائداعظمؒ نے نوجوانوں کو مشورہ دیا ہے کہ وہ محنت میں عظمت محسوس کریں اور اس کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیں۔ محنت کی عظمت کا آغاز اور احساس اپنے گھر سے ہونا چاہیے۔

(ج) تعلیم کی کیفیت:

صرف تنہا عمومی تعلیم کے ذریعے قومی ترقی کا فروغ ممکن نہیں ہے۔ سائنسی اور ٹیکنیکل علوم میں پیش رفت کے ذریعے ہی قومی وسائل کو مناسب طریقے سے بروئے کار لایا جاسکتا ہے۔ اس لیے تیکنیکی تعلیم اور تربیت کی مدد سے قومی تعمیر کی رفتار اور مقدار کو بڑھانا ازحد ضروری ہے۔

(د) رہنمائی اور حوصلہ افزائی:

1947ء یعنی پاکستان کی آزادی کے وقت سے ہماری معیشت کے مختلف شعبوں نے بہت نشوونما پائی ہے۔ صنعت و زراعت کو فروغ حاصل ہوا ہے۔ کئی بہت بڑے بڑے منصوبے (میگا پراجیکٹ) مکمل ہو چکے ہیں اور چند زیرِ تکمیل ہیں۔ لیکن وقت کی ضرورت یہ ہے کہ ہم مزید ترقی کے لیے اپنی جدوجہد کو جاری رکھیں اور پاکستان کو جلد از جلد ایک فلاحی مملکت بنائیں۔

(ہ) فلاح و بہبود کے پروگرام:

ملک بھر میں چند فلاحی پروگرام ضرورت مند، معذور اور مستحق افراد کے لیے شروع کیے گئے ہیں جو مسلسل ترقی کے لیے جاری تعمیری کاوشوں کا ایک حصہ ہیں۔ یہ پروگرام مندرجہ ذیل ہیں۔

(i) خواتین کے لیے انڈسٹریل ہوم کا قیام۔

(ii) مراکزِ صحت کا قیام۔

(iii) گونگوں اور بہروں کے لیے تعلیمی اداروں کا قیام۔

(iv) جسمانی طور پر معذور افراد کے لیے تربیتی مراکز کا قیام۔

(v) عوام کے لیے تفریحی مقامات۔

(vi) انسدادِ گداگری مراکز کا قیام۔

4۔ خوراک میں خود کفالت:

خوراک عوام کی بنیادی ضرورت ہے۔ نامناسب یا کم خوراک کا نتیجہ عوام کی خراب صحت کی صورت میں نکلتا ہے۔ جب عوام صحت مند نہیں ہوتے ہیں تو اُن کی کارکردگی کم ہو جاتی ہے۔ ملک کی تعمیر و ترقی و فروغ کا عمل سست پڑ جاتا ہے۔ بیرونی ممالک سے خوراک کی درآمد سے ترقی و فروغ کے دیگر شعبوں پر بُرا اثر پڑتا ہے، خاص طور سے صنعتی ترقی اور فروغ پر، کیوں کہ غذائی اجناس کی درآمد پر گرانقدر قیمتی زرِمبادلہ خرچ ہوتا ہے۔ پاکستان کی معیشت زراعت پر انحصار کرتی ہے۔ پاکستان کی آبادی کی اکثریت زراعت سے وابستہ ہے۔ قومی آمدنی کا زیادہ بڑا حصہ زرعی پیداوار اور زراعت پر مبنی مصنوعات سے حاصل ہوتا ہے۔ چاول، کپاس اور گنا (چینی) جیسی زرعی فصلیں زرِمبادلہ کمانے کا اہم ذریعہ ہیں۔ صنعتوں

کے لیے بھی زراعت بہت اہم ہے۔ کپڑے کی صنعت، شکر سازی کی صنعت اور بناسپتی تیل و آئل کی صنعت جیسی بے شمار صنعتوں کا انحصار زرعی پیداوار پر ہے۔ صنعتی مصنوعات بھی زراعت کے فروغ میں استعمال ہوتی ہے۔ زرعی پیداوار بڑھانے سے ہم مندرجہ ذیل کے قابل ہوسکیں گے۔

(i) قیمتی زرمبادلہ بچاسکیں گے جو غذائی اجناس کی درآمد پر خرچ ہوتا ہے۔

(ii) مزید صنعتیں قائم کرسکیں گے، پیداوار بڑھاسکیں گے اور زرمبادلہ کما سکیں گے۔

(iii) بیرونی قرضوں کو کم کرسکیں گے۔

(iv) عوام کی قوتِ خرید بڑھاسکیں گے اور معیارِ زندگی بہتر کرسکیں گے۔

(v) تجارت اور کاروبار کو پھیلا سکیں گے۔

(vi) عوام کو روزگار کے مواقع مہیا کرسکیں گے اور غربت مٹا سکیں گے۔

حکومت زرعی شعبے کی ترقی و فروغ پر خصوصی توجہ دے رہی ہے۔ اُس کا مقصد یہ ہے کہ ملک کو خوراک کے معاملے میں خود کفیل بنایا جاسکے۔ اس مقصد کے لیے حکومت نے مندرجہ ذیل اقدام اُٹھائے ہیں۔

(i) ملک میں زرعی اصلاحات نافذ کی گئی ہیں۔ اُن کا مقصد یہ ہے کہ زمین کی ملکیت کو محدود کیا جائے اور زمین کی ملکیت کی زیادہ سے زیادہ حد مقرر کی جائے اور مزارعین اور چھوٹے کسانوں کے حقوق کا تحفظ کیا جائے۔

(ii) پنج سالہ ترقیاتی منصوبوں میں زرعی شعبے کی ترقی اور فروغ کے لیے خطیر سرمایہ مہیا کرکے زراعت پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔

(iii) بندوں (ڈیم) کی تعمیر اور چند نئے علاقوں میں آبی نہروں کی تعمیر کے ذریعے آبی وسائل کو وسعت دی گئی ہے۔ کوششیں جاری ہیں کہ نہروں اور آبی گزرگاہوں یا چینلز کو باہم ملا دیا جائے۔

(iv) سیم اور تھور سے نجات پانے کے لیے ملک کے مخصوص علاقوں میں ٹیوب ویلوں (نلکی کنوؤں) کی تنصیب جیسے کئی اقدام اُٹھائے گئے ہیں۔

(v) زرعی ترقیاتی بینک اور امداد باہمی کی انجمنیں (کوآپریٹیو سوسائٹیز) قائم کی گئی ہیں تاکہ کاشتکاروں کو قرضے دیے جاسکیں۔

(vi) کثیر تعداد میں زرعی ادارے قائم کیے گئے ہیں جو زرعی مسائل کے بارے میں مفید مشورے دیتے ہیں اور زیادہ پیداوار کے لیے معیاری صحت مند بیج اور مصنوعی کھاد تجویز کرتے ہیں۔

(vii) حکومت کی جانب سے مصنوعی کھاد، جراثیم کش ادویات، ٹریکٹر اور دیگر متعلقہ آلات و اوزار خریدنے کے لیے بے شمار سہولتیں مہیا کی گئی ہیں۔

حکومتی کوششوں کے نتیجے میں پاکستان کئی زرعی پیداواروں میں خود کفیل ہوگیا ہے یا تقریباً ہونے والا ہے۔ ان میں چاول، کپاس، گندم، چینی اور کیمیائی کھاد شامل ہیں۔ اس طرح غذائی اجناس کی درآمد سے بچا ہوا زرمبادلہ صنعتوں کے قیام میں خرچ ہوتا ہے اور وہ دن زیادہ دور نہیں ہے جب پاکستان خوراک کے معاملے میں خود کفیل ہوجائے گا۔

5۔ تعلیمِ عامہ:

اسلام میں اور اقوام متحدہ کے منشور (چارٹر) میں بھی تعلیم کو انسانوں کا بنیادی اور اساسی حق تسلیم کیا گیا ہے۔ اس لیے ایک خاص معیار تک تمام شہریوں کے لیے تعلیم لازمی اور مفت ہونی چاہییں۔ اس معیار اور درجے سے آگے تعلیم حاصل کرنے کے مواقع تمام شہریوں کے لیے یکساں ہونے چاہییں۔ اس کے لیے تعلیمی اداروں کی تعداد اور دیگر تعلیمی سہولتوں میں اضافہ ہونا چاہیے۔ پاکستان میں تعلیم عامہ کا ہدف حاصل کرنے کے لیے کوششیں جاری ہیں۔ ملک میں تعلیم کو عام کرنے کے لیے مندرجہ ذیل اقدام اُٹھائے گئے ہیں۔

(i) تعلیم کے میدان میں اصلاحات نافذ کی گئی ہیں جنھیں "تعلیمی شعبے کی اصلاحات" (ای ایس آر) کہا جاتا ہے۔ ان اصلاحات کا مقصد یہ ہے کہ ایک ایسا نظام تعلیم متعارف کرایا جائے جو پاکستان کی بطور آزاد نظریاتی مملکت کی ضروریات اور مطالبات کو پورا کرتا ہو۔ اس نئے نظام کے ذریعے ہر شہری کو حصولِ تعلیم تک رسائی اور سہولت حاصل ہوگی۔

(ii) اسلامیات اور مطالعہ پاکستان کو لازمی نصاب کے طور پر شامل کیا گیا ہے تاکہ اسلام کی حقیقی روح کو سمجھتے ہوئے اور پاکستان کی اہمیت کا احساس کرتے ہوئے بچوں کو روشن خیال اور بہتر انسان بنایا جاسکے۔

(iii) ایسے اقدامات اٹھائے گئے ہیں جن سے تعلیم میں تجارت کے رجحان کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔ دسویں جماعت تک مرحلہ وار مفت تعلیم کا منصوبہ روبعمل ہے۔

(iv) اساتذہ کے لیے ملازمت کے حالات کار اور ملازمت کا ڈھانچہ بہتر بنایا جارہا ہے۔ تاکہ وہ زیادہ دلچسپی، دل جمعی اور تندہی سے اپنے فرائض سرانجام دیں۔

(v) پاکستان بیت المال کے تحت ذہین اور قابل طلبہ کے ساتھ ساتھ مستحق غریب طلبہ کو وظائف دینے کا ایک پروگرام شروع کیا گیا ہے۔

(vi) ریڈیو اور ٹیلی وژن پر خواندگی کی مہم شروع کر دی گئی ہے۔ تاکہ عوام میں اور خاص طور سے دیہی علاقوں میں تعلیم کے بارے میں شعور اجاگر کیا جائے۔

(vii) پورے پاکستان میں "تعلیم سب کے لیے" کے نعرہ سے ایک پروگرام شروع کیا گیا ہے۔ اس منصوبے کے تحت دیہات میں غیر رسمی تعلیمی اداروں کا اجرا کیا گیا ہے۔ ان اداروں میں کتابیں اور دیگر تعلیمی مواد مفت فراہم کیا جاتا ہے۔ فی الحال ایسے اداروں کی تعداد تقریباً دس ہزار ہے، جو رفتہ رفتہ بڑھ کر تقریباً اسّی ہزار ہو جائے گی۔

(viii) ایک منصوبہ سرکاری۔ نجی شراکت کا شروع کیا گیا ہے۔ اس منصوبے کے تحت غیر سرکاری تنظیمیں اور جمعیتی بنیاد پر قائم تنظیمیں (کمیونٹی کی بنیاد پر قائم تنظیمیں) دیہات میں ایسے ادارے قائم کریں گی جو تعلیم کے فروغ اور خواندگی کے سلسلے میں حکومت کی مدد کریں گے۔

(ix) تمام صوبوں اور وفاق کی سطح پر تعلیمی فاؤنڈیشن (ایجوکیشن فاؤنڈیشن) قائم کی گئی ہیں۔ جن کی ذمہ داری ہے کہ وہ نجی تعلیمی اداروں کو مالی امداد فراہم کریں۔

6۔ معاشرتی انصاف پر مبنی معاشرہ یا مساوات پسند معاشرہ:

مساوات پسند معاشرہ ایک ایسا معاشرہ ہے جو افراد کے مساوی و یکساں حقوق اور سب کے لیے یکساں مواقع کے اصولوں پر قائم ہوتا ہے۔ معاشرہ افراد سے تشکیل پاتا ہے اور یہ اُس وقت تک قائم رہتا ہے اور شاہراہ ترقی پر گامزن رہتا ہے جب تک اس کے افرد کے حقوق محفوظ رہتے ہیں۔ ایسا معاشرہ جہاں سماجی اور معاشرتی انصاف نہ پایا جاتا ہو وہ ہمیشہ اضطرابی کیفیت کا شکار رہتا ہے یا آہستہ آہستہ فنا ہو جاتا ہے۔ معاشرتی انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ لوگوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی جائے اور اُن کو بنیادی شہری سہولتیں مہیا کی جائیں۔ اس کے علاوہ تعلیم و صحت کی سہولتوں اور صحت مند تفریحی مواقع کا بھی بلاامتیاز بندوبست ہونا چاہیے۔ نیز عوام کو حقِ ملکیت و جائیداد، آزادانہ سوچ و فکر، روزگار اختیار کرنے کا حق اور حقِ رائے دہی کی ضمانت بھی مہیا کی جاتی ہے۔ اس سے قومی یکجہتی پیدا ہوتی ہے۔ نیز افراد کے درمیان محبت، الفت اور تعاون کے جذبات کو فروغ ملتا ہے۔ ایسا معاشرہ متحد اور مربوط اور نظم و ضبط کا پابند ہوتا ہے۔ ایسے معاشرے کو بلاشبہ مساوات پسند اور انصاف پسند و عادلانہ معاشرہ کہا جاسکتا ہے۔

حکومتِ پاکستان ان تمام مطلوبہ سہولتوں کو مہیا کرنے میں پوری طرح کوشاں ہے، تاکہ معاشرتی عدل و انصاف کو فروغ ملے اور عادلانہ معاشرہ قائم ہو سکے۔ لیکن مالی اور اقتصادی وسائل بہت بڑی رکاوٹ ہیں۔ اس لیے پاکستانی معاشرے کو مساویانہ اور عادلانہ معاشرہ بنانے میں ابھی کچھ وقت لگے گا۔

7۔ عالمی بھائی چارہ اور امن:

موجودہ دنیا حقیقتاً ایک عالمی گاؤں (گلوبل ولیج) میں سکڑ کے رہ گئی ہے۔ جدید سائنسی پیش رفت اور ترقی اور فنیتوں (ٹیکنالوجیز) اور رسل و رسائل کے وسائل نے فاصلے کم کر دیے ہیں۔ اقوامِ عالم اب خود کو ایک دوسرے سے زیادہ قریب محسوس کرتی ہیں۔ خلا کی تسخیر اور مصنوعی سیاروں نے فاصلوں کو مزید کم کر دیا ہے۔ بھائی چارے کی ایک فضا پیدا ہوگئی ہے۔ اقوام متحدہ نے بھی اقوام عالم کو ایک دوسرے کے قریب لانے میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ اب عالمی مسائل تمام اقوام کے لیے یکساں ہیں۔ عالمی وسائل میں شرکت ہوتی ہے۔ جدید فنیتوں (ٹیکنالوجیز) کے ثمرات تمام اقوام کے لیے ہیں۔ ایک دوسرے کی امداد کے نتیجے میں عالمی مسائل میں کمی واقع ہوئی ہے۔ کسی ہولناک تباہی، قحط و آفات و بربادی کی صورت میں دنیا کے ممالک باہم متحد ہو جاتے ہیں اور دنیا کے اُس متاثرہ علاقے کی امداد و بچاؤ کے لیے پہنچ جاتے ہیں۔ یہ سب کچھ بھائی چارے کے احساس کے فروغ کی بدولت حاصل ہوا ہے۔

پاکستان ایک ذمہ دار اور امن پسند ملک ہے اور اُس کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ دنیا کے تمام ممالک سے خوشگوار تعلقات قائم کیے جائیں۔ عالمی امن کو فروغ دینے کے لیے اس نے اقوام متحدہ کی کوششوں کی ہمیشہ حمایت کی ہے۔

پاکستان ایسی کئی عالمی تنظیموں کا رکن ہے جو دنیا میں بھائی چارے اور امن کے فروغ کے لیے کوشاں ہیں۔

ایک اسلامی ملک ہونے کے ناتے سے بھی پاکستان اسلامی اصولوں پر یقین رکھتا ہے، جو ایک دوسرے کے ساتھ امن و سکون سے رہنے اور تشدد اور جارحیت کی حوصلہ شکنی کا درس دیتے ہیں۔ اگرچہ اسلام میں ضرورت کے وقت ہتھیار اُٹھانے کی اجازت ہے لیکن بے رحمی اور ظلم و ناانصافی کی سخت ممانعت کی گئی ہے۔

عالمی بھائی چارے اور امن کے لیے اقوام عالم کے مابین محبت و یگانگت کی فضا پیدا کرنا ہوگی۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ مختلف ممالک کے مابین تنازعات کو پُر امن طریقے سے حل کیا جائے اور ہر ملک کی آزادی اور حقوق کا تحفظ کیا جائے۔

8۔ وسائل کی منصفانہ اور متناسب تقسیم:

جب وسائل محدود ہوں اور ضروریات بڑھ رہی ہوں تو اُس وقت نہ تو وسائل کو متناسب طریقے سے تقسیم کیا جاسکتا

ہے اور نہ ہی فلاحی ریاست کا خواب شرمندہ تعبیر ہو سکتا ہے۔ مزید یہ کہ تمام ممالک کے وسائل یکساں اور برابر نہیں ہیں۔ بعض علاقے کم زرخیز ہیں اور وہاں کے لوگوں کا معیارِ زندگی انتہائی پست ہے۔ اس کے برعکس بعض علاقے بہت زرخیز ہیں اور یہاں کے لوگ زیادہ آرام دہ اور خوشحال زندگی بسر کرتے ہیں۔ دراصل وسائل ہی غریب اور امیر کے مابین فرق پیدا کرتے ہیں۔

فلاحی ریاست کے قیام کے لیے ضروری ہے کہ معاشرے کی تمام ناہمواریوں اور محرومیوں کو دور کیا جائے اور قومی وسائل کی متوازن تقسیم سے طبقاتی کشمکش اور علاقائی عصبیتوں کا قلع قمع کیا جائے۔

پاکستان کے مختلف علاقوں میں وسائل اور پیداوار کے درمیان فرق پایا جاتا ہے۔ بعض علاقے صنعتی طور پر ترقی یافتہ ہیں جبکہ بعض علاقے پس ماندہ ہیں۔ ذرائع نقل و حمل اور رسل و رسائل بھی پورے ملک میں یکساں نہیں ہیں۔ حکومت ان مسائل پر قابو پانے کے لیے کوششیں کر رہی ہے۔ پورے ملک میں چاروں طرف تعلیم کا جال بچھایا جا رہا ہے۔ اسی لیے حکومت نے وسائل کی متناسب اور عادلانہ تقسیم کے لیے مندرجہ ذیل اقدامات کیے ہیں۔

(i) تعلیم صحت اور سماجی بہبود کے ادارے پورے ملک میں قائم کیے جا رہے ہیں۔

(ii) مستحق طلبہ کے لیے وظائف اور مالی امداد کا ملک گیر سطح پر انتظام کیا گیا ہے۔

(iii) پس ماندہ علاقوں میں روزگار کے مواقع پیدا کرنے کے لیے صنعتیں قائم کی جا رہی ہیں۔

(iv) گھریلو صنعتوں اور دستکاریوں کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی کی جا رہی ہے، تاکہ لوگوں کو مقامی سطح پر روزگار مل سکے۔

(v) کسانوں اور کاشتکاروں کو مختلف ترغیبات اور سہولتیں فراہم کر کے زرعی پیداوار بڑھائی جا رہی ہے۔

(vi) دور دراز علاقوں تک زندگی کی بنیادی سہولتیں مثلاً بجلی، گیس اور ٹیلی فون مہیا کی جا رہی ہیں۔

(vii) نج کاری کے عمل کے ذریعے لوگوں کو قومی ترقی و فروغ کے پروگراموں میں حصہ لینے کے لیے راغب کیا جا رہا ہے۔ اس پالیسی کے تحت چند صنعتوں، کارخانوں اور مالی اداروں کو نجی تحویل میں دے دیا گیا ہے، تاکہ نجی سرمایہ دار قومی ترقی و فروغ کے لیے حکومت کی کوششوں میں شریک ہو سکیں۔

(viii) محنت کشوں کے قوانین کی اصلاح کی گئی ہے۔ مزدوروں کے قوانین کی اصلاحات کے ذریعے کارکنوں کے حقوق کا تحفظ کیا گیا ہے۔ یہ تحفظ روزگار کی حفاظت، ادارے کی انتظامیہ میں شرکت و حصہ داری، سالانہ بونس اور حادثے کی صورت میں معاوضے کی صورت میں مہیا کیا گیا ہے۔

9۔ فلاحی مملکت میں فرد کا کردار:

جہاں فلاحی مملکت اپنے شہریوں کی تمام بنیادی ضروریات پوری کرتی ہے وہاں شہریوں سے بھی توقع کی جاتی ہے کہ وہ ریاست و مملکت کے لیے اپنے فرائض اور ذمہ داریاں خوش اسلوبی سے ادا کریں گے۔ کسی بھی مملکت کے لیے فرد کے چند اہم فرائض مندرجہ ذیل ہیں۔

(i) ہر فرد کا یہ فرض ہے کہ وہ ریاست کا وفادار رہے اور آزمائش کے وقت قربانی کے لیے تیار رہے۔

(ii) ہر شہری کا فرض ہے کہ وہ اپنے ہم وطنوں کے حقوق کا احترام کرے اور اُن کی جان، مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کرے۔

(iii) ہر فرد کی ذمے داری ہے کہ مفاداتِ عامہ کی جو سہولتیں مثلاً: بجلی، گیس، آب رسانی، پبلک پارک، ذرائع نقل و حمل وغیرہ حکومت فراہم کرتی ہے اُن کا ناجائز استعمال نہ کرے۔

(iv) ایک شہری کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ انفرادی یا اجتماعی طور پر فلاحی سرگرمیوں میں حصہ لے۔

(v) شہریوں کا فرض ہے کہ وہ ماحول کو پاک و صاف رکھیں۔

(vi) تمام شہریوں کا فرض ہے کہ ٹیکس باقاعدگی سے ادا کریں اور سرکاری یا نجی املاک کو احتجاج یا ہڑتال کے وقت نقصان نہ پہنچائیں۔ مثال کے طور پر گاڑیوں کی توڑ پھوڑ، ٹریفک سگنل اور مکانوں کو نقصان پہنچانا۔

(vii) ہر شہری کا فرض ہے کہ فلاحی منصوبوں میں ہاتھ بٹائیں۔ ہر شخص کو اپنی مدد آپ کی بنیاد پر فلاحی منصوبہ شروع کرنا چاہیے۔

(viii) ہر شہری کو اپنے اطراف میں غریب، معذور اور مستحق افراد کی مدد کرنی چاہیے۔

(ix) ہر شہری کا فرض ہے کہ سماج دشمن عناصر کی سرگرمیوں کے خلاف حکومت کی مدد کرے۔

(x) ہر شہری کا فرض ہے کہ وہ تعلیم حاصل کرے، کوئی ہنر سیکھے اور قدرتی وسائل کو استعمال کرے تاکہ ترقی کی رفتار تیز تر ہو۔

مشق

(الف) مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات دیجیے۔

1۔ فلاحی ریاست سے کیا مراد ہے؟

2۔ فلاحی ریاست کے فرائض بیان کیجیے۔

3۔ ایک اسلامی فلاحی ریاست کا کیا تصور ہے؟

4۔ پاکستان کے قومی مقاصد کیا ہیں؟

5۔ خوراک میں خود کفالت کیوں ضروری ہے؟

6۔ ساری دنیا میں امن کیوں ضروری ہے؟

7۔ فلاحی ریاست میں فرد کا کیا کردار ہوتا ہے؟

8۔ تعلیم عامہ کے لیے حکومت نے کیا اقدامات اُٹھائے ہیں؟

9۔ عادلانہ اور مساویانہ معاشرے پر ایک نوٹ لکھیے۔

10۔ پاکستان میں مسلسل تعمیری کاوشیں کیوں ضروری ہیں؟

(ب) خالی جگہوں کو مناسب الفاظ سے پُر کیجیے۔

(i) حکومت کوشش کر رہی ہے کہ پاکستان میں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ معاشرہ قائم ہو۔

(ii) پاکستان کی ۔۔۔۔۔۔۔۔ آبادی زراعت سے وابستہ ہے۔

(iii) پاکستان ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کی پیداوار میں خود کفیل ہے۔

(iv) اسلام میں اقتدارِ اعلیٰ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کے پاس ہے۔

(v) اقتصادی ترقی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کی جانب لے جاتی ہے۔

پاکستان میں شہری زندگی
CIVIC LIFE IN PAKISTAN

گیارھواں باب

1۔ جمہوری حکومت:

جمہوری حکومت وہ طرزِ حکومت ہے جس میں حکمرانی کا حق کسی ایک شخص یا ایک جماعت کا نہیں ہوتا بلکہ حکمرانی کا اختیار عوام کے منتخب نمائندوں کو دیا جاتا ہے۔ یعنی جمہوریت میں عوام اپنے حکمران کا انتخاب خود کرتے ہیں۔ حکومت کی پالیسی بنانے اور اس کا نظم و نسق چلانے میں عوام کو دخل ہوتا ہے اور حکومت عوام کی بھلائی کا خیال رکھتی ہے۔ جمہوری حکومت کے یہ معنی ہیں کہ وہ عوام کی حکومت ہو، عوام کے ہاتھوں میں ہو اور عوام کے مفاد کے لیے ہو۔

2۔ جمہوریت بمعنی آزادئ اظہارِ رائے:

جمہوریت میں شہری کو تحریر و تقریر اور اظہارِ رائے کی آزادی ہوتی ہے۔ وہ ملک کے داخلی اور خارجی معاملات کے متعلق اپنی رائے تقریر یا تحریر کے ذریعے عام لوگوں کے سامنے لا سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ قوم اور ملک کے مفاد کے خلاف نہ ہو۔ اظہارِ رائے لوگوں کے اجتماع میں یا رسالوں میں اور کتابوں کے ذریعے ہو سکتا ہے۔ اس لیے جمہوری طرزِ حکومت میں اخباروں اور رسالوں کو پوری آزادی ہوتی ہے اور وہ ہر طبقۂ خیالات کے لوگوں کی رائے کا اظہار کر سکتے ہیں۔ اس اظہار رائے کی آزادی کے علاوہ جمہوری حکومت میں شخصی آزادی، مذہب اور پیشہ کی آزادی، نقل و حرکت کی آزادی اور معاش کے حاصل کرنے کی بھی آزادی حاصل ہوتی ہے۔ حکومت سب کے ساتھ مساوات کا برتاؤ کرتی ہے۔

3۔ جمہوری حکومت کس طرح کام کرتی ہے:

جب یہ کہا جاتا ہے کہ جمہوریت عوام کی حکومت ہے تو اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ ہر شہری حکومت میں شامل ہوتا ہے بلکہ منتخب نمائندے حکومت چلاتے ہیں۔ آپ کے اسکول میں طلبہ کی کونسل ہوگی۔ پورے اسکول کے طلبہ اپنی اپنی کلاس سے اپنا نمائندہ منتخب کرتے ہیں اور پھر یہ چند نمائندے پورے اسکول کی طرف سے طلبہ کونسل کا کام چلاتے ہیں۔ اسی طرح پاکستان میں عام شہری ووٹوں کے ذریعے نمائندوں کا انتخاب کرتے ہیں۔ ان سب نمائندوں کی جماعت کو قومی اسمبلی کہتے ہیں جس میں ملک کی مختلف سیاسی جماعتوں کے منتخب نمائندے شریک ہوتے ہیں۔ اس اسمبلی میں جس جماعت یا پارٹی کے نمائندوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے اس جماعت کا سربراہ مرکزی حکومت کا وزیرِاعظم ہوتا ہے اور وہ اپنے وزرا کا انتخاب کرتا ہے۔ اس طرح وزرا کی ایک کونسل بن جاتی ہے اور ایک خاص مدت کے لیے حکومت ان کے ہاتھ میں رہتی ہے۔ اگر کسی وقت منتخب نمائندوں کی اکثریت حکومت وقت کا ساتھ نہ دے تو وہ حکومت مستعفی ہو جاتی ہے اور نیا انتخاب ہوتا ہے۔ ہر جمہوری حکومت اپنے ووٹروں سے کیے ہوئے وعدوں کو پورا کرنے کی کوشش کرتی ہے اور جہاں تک ممکن ہو سکتا ہے عام لوگوں کی رائے کا ہر معاملے میں خیال رکھا جاتا

ہے۔ جمہوریت میں عوام کی رائے خاص اہمیت رکھتی ہے کیوں کہ حکومت کے بننے یا بگڑنے میں عوام کی رائے کا بڑا دخل ہے۔

اسی طرح صوبوں کا نظم و نسق چلانے کے لیے صوبائی حکومت ہوتی ہے۔ پاکستان میں ہر صوبے میں ایک صوبائی اسمبلی ہوتی ہے۔ صوبائی اسمبلی میں جس سیاسی جماعت کی اکثریت ہو وہ صوبائی حکومت بناتی ہے۔ ہر صوبے کا ایک وزیرِ اعلیٰ ہوتا ہے اور اس کی مدد کے لیے وزرا کی کابینہ ہوتی ہے۔ یہ کابینہ باقی اسمبلی کے سامنے جوابدہ ہوتی ہے۔

4- شہریوں کے حقوق و فرائض

(i) شخصی آزادی:

ہر شخص کا یہ حق ہے کہ وہ اپنے عمل اور خیال میں آزاد ہو۔ بشرطیکہ اس کا عمل دوسروں کو نقصان نہ پہنچائے۔ اس کا یہ حق ہے کہ وہ آزاد رہے اور اس کو بلاوجہ نہ پکڑا جائے اور نہ قید کیا جائے۔ وہ اپنے ملک میں جہاں چاہے جائے اور جہاں چاہے رہے۔ تجارت یا سیر و تفریح یا روزگار کے لیے ہر جگہ جانے کا حق ہے۔ اسی طرح اس کا یہ بھی حق ہے کہ وہ اپنی روزی کمانے کے لیے جو پیشہ مناسب سمجھے اس کو اختیار کرے۔ البتہ ایسا پیشہ نہ ہو جس سے دوسروں کو نقصان ہو یا جو اخلاق سے گرا ہوا ہو۔

(ii) اظہارِ رائے اور مذہب کی آزادی:

ایک شہری کو تحریر و تقریر کی آزادی ہونی چاہیے تاکہ وہ اپنے خیالات کا آزادی سے اظہار کر سکے۔ اخبار اور رسالوں کو بھی آزادی ہونی چاہیے۔ مگر ایسے خیالات کے اظہار کا حق نہ کسی فرد کو نہ اخبار کو ہے جس سے ملک میں فتنہ و فساد پیدا ہو یا کسی کی عزت پر حملہ ہو۔ یا ملک کے مفاد کے خلاف ہو یا لوگوں کے آپس میں جھگڑے کا باعث ہو۔ ہر شہری کا یہ بھی حق ہے کہ وہ جو مذہب پسند کرے اُسے اختیار کرے اور اس مذہب کے احکامات کے مطابق عبادت کرنے کی بھی آزادی ہو۔

(iii) تعلیم اور صحت:

تعلیم ایک بنیادی ضرورت ہے۔ معاشرے کی بھلائی کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہر شہری کو تعلیم کی سہولت میسر ہو۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ابتدائی تعلیم سے لے کر اعلیٰ تعلیم تک ہر فرد کے لیے حکومت انتظام کرے۔ عام طور پر ہر فرد کو پرائمری تک تعلیم دلانا ہر حکومت کا فرض ہے۔ اس کے بعد جیسے ملک کے وسائل ہوں۔ اس کے علاوہ علاج معالجے کی سہولت بھی ملنا چاہیے۔

مندرجہ بالا حقوق کے ساتھ شہریوں کی ذمہ داریاں یا فرائض بھی ہیں۔

5- شہریوں کے فرائض:

(i) قانون کی پابندی اور ملک سے وفاداری:

سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ مملکت کے قانون کی پوری طرح پابندی کی جائے۔ ملک میں صحیح نظم و نسق تب ہی قائم رہ سکتا ہے جب معاشرے کا ہر فرد قانون کی پابندی کرے۔ دوسرا فرض یہ ہے کہ ملک کا وفادار رہے۔ نہ خود کوئی کام ایسا کرے جو ملک کے مفاد کے خلاف ہو نہ کسی ایسی تحریک میں شریک ہو جو ملک کی وفادار نہ ہو اور وقت پڑنے پر ملک کی بقا اور سلامتی کے لیے جان و مال کی قربانی سے دریغ نہ کرے۔

(ii) دوسروں کے حقوق کا احساس:

اچھے شہری کا یہ بھی فرض ہے کہ دوسروں کے حقوق کا خیال رکھے۔ جو حقوق وہ خود چاہتا ہے دوسروں کو بھی وہ حقوق ملنے چاہئیں۔ کاروبار اور لین دین میں ایمان داری، معاملات میں انصاف اور سرکاری احکام کی پابندی نہایت لازمی ہے۔ معاشرہ اس وقت ہی درست ہوگا جب ہر فرد اپنی ذمے داری پوری کرے اور دوسروں کے حقوق کا خیال رکھے۔

(iii) طلبہ کے فرائض:

طلبا بھی شہری ہیں۔ ان کی بھی ذمے داریاں ہیں مگر جب تک وہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں ان کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ اپنی تعلیم مکمل کریں اور پوری توجہ تعلیم پر دیں۔ البتہ خالی وقت میں یا چھٹیوں کے زمانے میں قومی خدمات انجام دیں مثلاً تعلیم بالغان میں حصہ لیں۔ ہلالِ احمر کے کاموں میں شریک ہوں۔ سول ڈیفنس کی ٹریننگ لیں۔ آفت زدہ لوگوں کے لیے امدادی سامان اور چندہ جمع کریں۔

6- معاشرے میں فرد کا کردار

ایک فرد تنہا زندگی نہیں گزار سکتا۔ اس کو دوسروں کے ساتھ رہ کر اپنی ضروریات پوری کرنی ہوتی ہیں۔ یہ صورت زمانہ قدیم سے چلی آ رہی ہے۔ جہاں کہیں انسان آباد ہیں وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل جل کر زندگی بسر کرتے ہیں۔ ایک فرد کی ضروریات ایسی ہیں کہ وہ اجتماعی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے۔ اجتماعی زندگی بہت سے لوگوں کے ایک ساتھ رہنے اور ایک دوسرے کی مدد کرنے سے بنتی ہے۔ یعنی ہر ایک فرد معاشرے کا اہم جزو ہے اور اس کو سب کے ساتھ مل کر رہنا ضروری ہے جب تک وہ معاشرے یا سوسائٹی کا ایک رکن ہے اس وقت تک ہی اس کی اہمیت ہے۔ علیحدہ اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ یعنی جب تک وہ قوم کا جزو بن کر رہتا ہے تو سب کچھ ہے۔ علیحدہ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

اجتماعی زندگی یا معاشرے کی کامیابی اور بہبود کا دارومدار اس بات پر ہوتا ہے کہ معاشرے کے تمام افراد اپنی اپنی ذمے داریاں پورے طور پر ادا کریں۔ اس کی کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ ہر فرد کی سیرت اور کردار کیسا ہے۔ اگر ہر فرد اعلیٰ کردار کا مالک ہے اور اس کو اپنی ذمے داریوں کا پورا احساس ہے تو نہ صرف معاشرہ بہترین بن جاتا ہے بلکہ ملک بھی ترقی کرتا ہے اور دنیا میں اس کی عزت ہوتی ہے۔

ہر فرد ترقی کرنا چاہتا ہے اور زیادہ سے زیادہ آسائش اور آرام کی زندگی بسر کرنا چاہتا ہے۔ مگر اچھے معاشرے میں ایک فرد اپنی ترقی اور بھلائی کے لیے دوسرے کا حق نہیں چھینتا بلکہ دوسرے کی مدد کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے۔ اپنی کسی حرکت سے دوسرے کو نہ نقصان پہنچاتا ہے نہ اس کے ساتھ کوئی زیادتی کرتا ہے۔ جو ذمے داری یا فرض فرد پر عائد ہوتا ہے اسے پوری تندہی سے بہترین طریقے پر انجام دیتا ہے۔ معاشرے یا اجتماعی زندگی کی کامیابی اور بہبودی کا انحصار اسی بات پر ہے کہ ہر فرد اپنی اپنی جگہ اپنی ذمے داریاں پوری کرے۔ لہٰذا ہر ایک فرد کو اس بات کا احساس ہونا چاہیے کہ وہ اپنے اعلیٰ کردار اور نیک سیرت کی وجہ

سے معاشرے کی بہبودی کا باعث بن سکتا ہے۔ اس لیے اس کو چاہیے کہ معاشرے کو بہتر بنانے کی ہر ممکن کوشش کرے۔

7۔ قانون اور آزادی:

جمہوری طرزِ حکومت میں شہریوں کو کئی حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ ان کی جان و مال کی حفاظت ہوتی ہے۔ ان کو تقریر و تحریر کی آزادی ہوتی ہے اور مذہب اور پیشے کی آزادی ہوتی ہے۔ مگر ان تمام آزادیوں کا مطلب یہ نہیں کہ ہر فرد جو چاہے سو کرے۔ کوئی اس کو کسی بات سے منع نہیں کر سکتا یا اس سے باز پُرس نہیں ہو سکتی۔ اگر ایسا ہو تو پھر معاشرے کا تمام نظام درہم برہم ہو جائے۔ اس لیے ہر فرد کو اپنے عمل میں اس حد تک آزادی ہے جب تک وہ ملک کے قوانین اور دوسرے لوگوں کے حقوق کے خلاف کام نہیں کرتا۔ قانون کی حدود کے اندر رہ کر جو عمل ایک فرد کرے وہی اس کی آزادی ہے۔

چوں کہ کچھ لوگ اپنی ذمے داریوں کا احساس نہ کرتے ہوئے معاشرے کے خلاف حرکات کرتے ہیں اور ملک کے نظم و نسق کو بگاڑتے ہیں۔ اس لیے ہر ملک میں وہاں کے حالات کے مطابق قانون بنائے جاتے ہیں اور لوگوں سے ان کی پابندی کرائی جاتی ہے۔ قانون سے ہر شخص کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ معاشرے کے اندر رہتے ہوئے لوگوں کے باہمی تعلقات کیسے ہونے چاہییں اور حکومت سے انہیں کن باتوں کی اُمید رکھنا چاہیے۔ قانون ہر شخص پر کچھ پابندیاں عائد کرتا ہے تا کہ کوئی شخص اپنی آزادی کا ناجائز فائدہ نہ اٹھائے اور دوسروں کی آزادی کو پامال نہ کرے۔ قانون ہی لوگوں کی آزادی کی حفاظت کرتا ہے۔ اس کے ذریعے ہی لوگوں کو انصاف ملتا ہے اور یہی حکومت کو مستحکم بناتا ہے۔ لوگوں کو زندگی کا چین و آرام دیتا ہے اس لیے ہر شہری کا فرض ہے کہ اپنی آزادی کے ساتھ اپنے ملک کے قانون کا پورا احترام کرے۔

قانون کی پابندی کرانے کے لیے ملک میں عدالتیں کام کرتی ہیں اور ملک کے قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سزائیں دیتی ہیں۔ قوانین عام طور پر دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو جائداد، روپے کے لین دین یا شہری یا معاشرتی حقوق کے متعلق ہوتے ہیں۔ ان کو "دیوانی" قوانین کہا جاتا ہے۔ دوسرے وہ قوانین ہوتے ہیں جو قتل و غارت گری، لوٹ مار، چوری، ڈکیتی وغیرہ کی روک تھام کے لیے بنائے جاتے ہیں۔ ان کو "فوجداری" قوانین کہا جاتا ہے۔

قانون آزادی کی حدود مقرر کرتا ہے۔ آزادی کا صحیح استعمال اس وقت ہوتا ہے جب ان حدود کا خیال رکھا جائے۔ اس لیے آزادی اور قانون کا باہمی تعلق بڑا قریبی ہے۔ قانون کے بغیر لوگوں کی آزادی معاشرے اور سوسائٹی کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ اس لیے ہر شخص کا یہ فرض ہے کہ قانون کی پابندی کرے اور اپنے عمل کی آزادی کو قانون کی حدود کے اندر رکھے۔

8۔ قانون کی خلاف ورزی / رشوت:

آپ کے گھر میں آپ کے والدین بعض اصول اور قاعدے بناتے ہیں جن کی خاندان کے تمام افراد کو پیروی کرنا پڑتی ہے۔ مثال کے طور پر وہ ایسا وقت مقرر کر سکتے ہیں جب ہر شخص صبح کو بیدار ہو جائے۔ ایک اصول کے تحت آپ کے لیے روزانہ دو گھنٹے پڑھنا ضروری ہوتا ہے۔ آپ کے والدین نے آپ کو قاعدوں اور قوانین کی خلاف ورزی کے نتائج سے بھی آگاہ کیا ہوگا۔ مثال کے طور پر اگر آپ نے مطالعہ نہیں کیا ہے تو آپ کو ٹیلی وژن دیکھنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ آپ کے

والدین یہ اصول اور قاعدے کیوں بناتے ہیں؟ اور آپ کا کیا خیال ہے کہ ان قاعدوں کے خلاف ورزی کے کچھ نتائج کیوں ضروری ہیں۔

جس طرح گھر میں چند اصول اور قاعدے ہوتے ہیں جن کی خاندان کے تمام افراد کو پابندی کرنا ہوتی ہے۔ اِسی طرح ہر ملک میں قوانین ہوتے ہیں جن کی پابندی تمام شہریوں کو کرنا لازمی ہے۔ معاشرے کے ٹھیک طور سے کام کرنے کے لیے قوانین بہت ضروری ہیں۔ قوانین کی عدم موجودگی میں ہر شخص اپنی مرضی کے مطابق کام کرنے میں آزاد ہوگا۔ معاشرے میں مکمل بدنظمی ہو جائے گی۔ کسی کے لیے سکون، اطمینان اور خوشحالی سے رہنا بہت مشکل ہو جائے گا۔

پاکستان میں کچھ ایسے لوگ ہیں جو قانون کی پابندی نہیں کرتے۔ وہ سرخ بتی پر نہیں رُکتے، مثلاً وہ بجلی چراتے ہیں، وہ امتحان میں نقل کرتے ہیں اور وہ اپنی آمدنی پر ٹیکس ادا نہیں کرتے۔ آپ نے "بدعنوانی" اور "رشوت" کے الفاظ سنے ہوں گے۔ بدعنوانی یا رشوت اُس وقت جنم لیتی ہے جب بااختیار افراد خود کو فائدہ پہنچانے یا کسی دوسرے کی حمایت کرنے کے لیے قانون کی خلاف ورزی کرتے ہیں، تا کہ اس کے بدلے میں اُنہیں رقم یا تحفے وصول ہوں۔ مثال کے طور پر ایک پولیس والا ٹریفک کے قوانین کی خلاف ورزی کرنے والے کو جرمانہ کرنے کے بجائے اُس سے رشوت لے لیتا ہے۔ ایک بینکار صحیح طریقہ کار کی پیروی کے بغیر کسی وزیر کے دوست کے لیے قرضہ منظور کر لیتا ہے۔ ایسا کرنے سے بینکار کو رقم یا دوسری رعایتیں تو مل جاتی ہیں لیکن ملکی خزانے کو بہت نقصان پہنچتا ہے۔ قانون کی خلاف ورزی کرنے والے افراد کی وجہ سے ہمارے ملک کی معیشت اور معاشرے پر بہت خراب اثرات ہوتے ہیں مثلاً:

* حکومت کو مزید اسکولوں، اسپتالوں یا سڑکوں کی تعمیر کے لیے مطلوبہ رقم نہیں ملتی۔
* سڑکوں پر زیادہ حادثات ہوتے ہیں۔
* لوگوں کو بجلی کی زیادہ قیمت ادا کرنا پڑتی ہے۔
* کچھ طلبا کا امتحان میں وہ نتیجہ نہیں آتا جس کے وہ مستحق ہوتے ہیں۔
* لاقانونیت میں اضافہ ہوتا ہے۔
* معاشرہ کو اخلاقی اور سماجی طور سے نقصان پہنچتا ہے۔

یہ ہم پر لازمی ہے کہ ہم خود قانون کی پابندی اور احترام کریں اور دوسروں کو بھی اس کی ہدایت کریں۔ رشوت اور بدعنوانی نے ہمارے ملک کی بنیاد کو کمزور کر دیا ہے۔ معاشرے کے بیشتر افراد کسی نہ کسی طرح سے اس خطرناک بیماری میں جکڑے ہوئے ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم سب مل کر اس معاشرتی برائی کو ختم کریں اور خود بھی ایسا کوئی غیر قانونی کام نہ کریں جو رشوت اور برائی کا باعث بنے۔

حکومت نے رشوت پر قابو پانے کے لیے ملکی اور صوبائی سطح پر باقاعدہ قانون سازی کی ہے اور مختلف ادارے جیسے قومی احتساب بیورو (National Accountability Bureau (NAB)) اور ایف آئی اے (F.I.A) کے ذریعے ان

قوانین پر سختی سے عمل کروا رہی ہے۔

اس طرح صوبائی سطح پر محکمہ اینٹی کرپشن (Anti-corruption Department) بھی رشوت پر ضابطہ لانے کے لیے مختلف محکموں میں کارروائیاں کر کے رشوت خور افسران اور ملوث عملے کو کورٹ کے کٹہرے میں لارہی ہے تاکہ ملک کی لوٹی ہوئی دولت قومی خزانے میں واپس آسکے۔

ایک شہری کی حیثیت سے ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے بچوں، گھر والوں اور نوجوانوں کو اس لعنت سے محفوظ رکھنے کے لیے اپنے آپ میں شعور پیدا کریں۔ کیونکہ کرپشن ہمارے ملک کے لیے ایک بڑا چیلنج بن چکی ہے۔

سرگرمی اخبار، ریڈیو یا ٹیلی وژن کے لیے ایک اشتہار بنائیے جس میں لوگوں کو قانون کی پابندی کرنے کا پیغام دیا گیا ہو۔

مشق

(الف) نیچے دیے گئے سوالوں کے جوابات دیجیے۔

1۔ ایک شہری کے حقوق اور فرائض بیان کریں۔

2۔ طالب علم کی حیثیت سے آپ کے کون سے فرائض ہیں؟

3۔ کرپشن کی معنی کیا ہیں؟ معاشرے پر اس کے کون سے اثرات پڑتے ہیں؟

(ب) نیچے خالی جگہوں کو مناسب الفاظ سے پُر کیجیے۔

(i) جمہوریت میں ---------- کی آزادی ہوتی ہے۔

(ii) عام شہری اپنے ---------- کے ذریعے اپنے نمائندوں کا انتخاب کرتے ہیں۔

(iii) قومی مفادات کو ذاتی مفادات پر -------- دینی چاہیے۔

(ج) عملی کام:

(i) ایک چارٹ بنائیں اور اس پر ایک شہری کے حقوق لکھیے۔

(ii) استاد کی مدد سے مندرجہ ذیل ٹیبل کو مکمل کیجیے۔

کرپشن کے اقسام	اسباب	اثرات	اس کو کم کرنے کی تدابیر	آپ اس کے متعلق کیا کر سکتے ہیں؟

بارھواں باب

انسانی حقوق کا تحفظ

PROTECTION OF HUMAN RIGHTS

اس باب کے اختتام پر طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

- انسانی حقوق کے تصور کی بنیادی خصوصیات کو بیان کر سکیں۔
- 1973ء کے آئین کے تحت شہریوں کے حقوق و فرائض کو اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے عالمی منشور 1948ء کے تحت شہریوں کو فراہم کردہ حقوق سے موازنہ اور تقابلہ کر سکیں۔
- پاکستان میں بنیادی انسانی حقوق کی حالت بیان کر سکیں۔
- قومی اور عالمی دونوں سطحوں پر انسانی حقوق کی تفہیم کو فروغ دے سکیں اور انسانی سطح پر اُن کی قدر و قیمت کی تعریف کر سکیں۔

تعارف

اس باب میں ہم انسانی حقوق کے تصور اور اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے عالمی منشور (UDHR) کے تحت شہریوں کے حقوق کے بارے میں مطالعہ کریں گے۔ اسی طرح، ہم پاکستان میں شہریوں کے حقوق و فرائض کے تحفظ کے بارے میں بھی مطالعہ کریں گے۔

انسانی حقوق

مشہور قانونی ماہر بلیک (Black) کی قانونی ڈکشنری کے مطابق "انسانی حقوق کو آزادیوں، رعایتوں اور فوائد کے طور بیان کیا جاسکتا ہے، کہ تمام بنی نوع انسان اس سماج میں اپنے حق کے طور پر دعویٰ کرنے کے قابل ہوں، جس میں وہ رہتے ہیں۔" انسانی حقوق کو فطری یا بنیادی حقوق کے طور بھی جانا جاتا ہے۔

کیا آپ جانتے ہیں؟
10 دسمبر کو پوری دنیا میں انسانی حقوق کا عالمی دن منایا جاتا ہے۔

انسانی حقوق، بنی نوع انسان کی مہذب زندگی کی جانب بڑھتی ہوئی طلب پر مبنی ہیں۔ مہذب زندگی میں، ہر انسانی وجود کی موروثی عظمت کی توقیر کی جاتی ہے اور تحفظ فراہم کیا جاتا ہے۔ انسانی حقوق ہماری حقیقی وجود کے

لیے بنیادی ہیں، جن کے بغیر بنی نوع انسان کے طور پر زندہ نہیں رہ سکتے۔ اگر افراد، اپنے فطری حقوق پر عمل کرنے سے قاصر ہوں جائیں تو زندگی بے معنیٰ ہو کر رہ جائے گی۔

پاکستان میں شہریوں کے فرائض

پاکستانی شہری کی حیثیت سے یہ ہماری ذمے داری ہے کہ ہم:

- ملک کا دفاع کریں۔
- مقامی برادری کی ترقی میں مثبت کردار ادا کریں اور اپنے پڑوس کو صاف ستھرا رکھیں۔
- وفاقی، صوبائی اور مقامی قوانین کی کا احترام کریں اور ان کی پابندی کریں۔
- معزز عدالتوں کا احترام کریں۔
- انتخابات میں ووٹ کا استعمال کریں۔
- حقوق، رسم و رواج، عقائد، سماجی اور ثقافتی اقدار اور اختلاف رائے کی کا احترام کریں۔
- پانی اور بجلی کی بچت کریں۔
- پاکستان کی مثبت انداز میں ترقی کریں۔
- شجر کاری مہم کی ہمت افزائی کریں۔
- بزرگ و عمر رسیدہ لوگوں کی توقیر کریں۔
- اساتذہ کی عظمت کو بڑھائیں۔
- قانون کی حکمرانی کی تعظیم کریں۔

انسانی حقوق کا عالمی منشور (UDHR)

انسانی حقوق کے خیالات میں ارتقا اور ترقی کی ابتداء اٹھارویں صدی میں ہوئی تھی۔ بہر حال، انسانی حقوق کے تصورات کی اہمیت دوسری عالمی جنگ کے دوران ہوئی تھی۔ انسانی حقوق کا جدید تصور، انسانی حقوق کے عالمی منشور (UDHR) سے لیا گیا ہے، جسے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے 10 دسمبر 1948ء کو منظور کیا تھا۔

اس دستاویز کو انسانی حقوق کی تاریخ میں سنگِ میل سمجھا جاتا ہے۔ اس منشور کے مطابق، تمام لوگوں اور اقوام کو چاہیے، کہ وہ خصوصی مقاصد حاصل کرنے کے ہدف کو سامنے رکھیں اور یکساں معیار دنیا کی تمام نوع انسان کے لیے رکھیں۔ انسانی حقوق کا عالمی منشور (UDHR) جو معیار رکھتا ہے، اس کے تحت ان حقوق کو واضح کیا گیا اور تشکیل دیا گیا ہے۔ اس منشور کو مختصر انداز میں بیان کیا جاتا ہے۔

آرٹیکل	عنوان	مختصر تفصیل
01	مساوات کا حق	تمام انسان آزاد اور حقوق و عزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔
02	امتیازی سلوک سے آزادی	تمام انسان برابر ہیں اور کسی کے ساتھ رنگ، نسل، مسلک، مذہب، زبان اور ملک کی بناپر امتیازی سلوک نہیں کیا جاسکتا۔
03	زندگی، آزادی، ذاتی تحفظ کا حق	ہر فرد کو زندگی کا اور آزادی و تحفظ کے ساتھ رہنے کا حق حاصل ہے۔
04	غلامی سے آزادی	کسی بھی فرد کو یہ حق حاصل نہیں ہے، کہ وہ کسی دوسرے فرد سے بہ طور غلام سلوک کرے۔ ہر ایک کو چاہیے، کہ وہ سماج میں غلامی کی رسم کو ممنوع قرار دے۔
05	تشدد اور ذلت آمیز سلوک سے آزادی	کسی کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی کو نقصان پہنچائے۔ کسی فرد کو تشدد یا ظالمانہ غیر انسانی سلوک کا نشانہ نہ بنایا جائے گا۔
06	قانون کے سامنے فرد کے طور پر تسلیم کرنے کا حق	ہر فرد کو حق حاصل ہے، ہر مقام پر قانون اس کی شخصیت کو تسلیم کرے۔
07	قانون کے سامنے مساوات کا حق	قانون کے سامنے سب لوگ یکساں حیثیت کے حامل ہیں۔
08	بااختیار ٹریبونل کی جانب سے اقدامات کا حق	ہر فرد کو قانونی امداد حاصل کرنے کا حق حاصل ہے، جب اس کے حقوق کی پائمالی یا خلاف ورزی کی جائے۔
09	غیر قانونی حراست اور جلاوطنی سے آزادی	کسی بھی فرد کو غیر قانونی طور پر بے گناہ حراست میں رکھا اور جلاوطن نہیں کیا جاسکتا۔
10	منصفانہ عوامی کارروائی کا حق	ہر فرد مقدمے کی منصفانہ کارروائی کا حقدار ہے۔
11	جرم ثابت نہ ہونے تک بے گناہ قرار دینے کا حق	کسی بھی فرد کو حراست میں رکھ کر سزا نہیں دی جاسکتی، جب تک اسے مجرم ثابت نہ کیا جائے۔
12	نجی زندگی کا حق	ہر فرد کو تحفظ حاصل کرنے کا حق حاصل ہے، اگر اس کی شہرت اور ساکھ کو نقصان پہنچے یا اس کی نجی زندگی کو پائمال کیا جائے۔

13	حرکت کی آزادی کا حق	ہر فرد کو حرکت کرنے کا حق اور اپنی خواہش کے مطابق کسی بھی جگہ جا کہ رہنے کا حق حاصل ہے۔
14	ظلم اور جبر کے سبب دیگر ممالک میں سیاسی پناہ حاصل کرنے کا حق	اگر کسی فرد کو نقصان پہنچایا جائے یا وہ یہ باور کرلے کہ اس کی زندگی کو خطرہ لاحق ہے، تو اسے کسی دوسرے ملک میں جانے اور تحفظ حاصل کرنے کا حق حاصل ہے۔
15	قومیت اور اس میں تبدیلی کی آزادی کا حق	(1) ہر فرد کو قومیت کا حق حاصل ہے۔ (2) کسی بھی فرد کو ظالمانہ طریقے سے قومیت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اسے اپنی قومیت تبدیل کرنے کے حق سے محروم کیا جائے گا۔
16	شادی کرنے اور خاندان میں اضافے کا حق	ہر بالغ فرد کو شادی کرنے اور خاندان کی کفالت کا حق حاصل ہے۔
17	ذاتی ملکیت رکھنے کا حق	ہر فرد کو ذاتی ملکیت انفرادی یا شراکت داری میں رکھنے کا حق حاصل ہے۔
18	عقیدہ اور مذہب کی آزادی	ہر فرد کو عقیدہ کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس میں مذہب یا عقیدہ تبدیل کرنے کا حق بھی شامل ہے، بہ شرطے کہ کوئی فرد ایسا چاہتا ہو۔
19	خیالات اور اظہار رائے کی آزادی	ہر فرد کو خیالات اور اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔
20	پرامن اجتماع اور جماعت سازی کا حق	ہر فرد کو یہ حق حاصل ہے، کہ وہ پرامن اجتماع طلب کرے اور جماعت تشکیل دے۔
21	حکومت اور آزادانہ انتخابات میں شریک ہونے کا حق	ہر فرد کو حکومت کی جانب سے طلب کردہ سرگرمیوں میں شریک ہونے کا حق حاصل ہے، مثلاً انتخابات میں ووٹ دینا۔
22	سماجی تحفظ کا حق	ہر فرد کو سماجی تحفظ کا حق حاصل ہے اور وہ معاشی، سماجی اور ثقافتی حقوق پر عملدرآمد کرنے کا حق دار ہے۔
23	مناسب کام کاج اور ٹریڈ یونین میں شامل ہونے کا حق	ہر فرد کو کام کاج کرنے کا حق حاصل ہے۔ اس میں کام کرنے کے بہتر حالات اور مناسب تنخواہیں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ، ہر فرد کو ٹریڈ یونین میں شامل ہونے کا حق حاصل ہے۔

24	آرام اور تفریح کا حق	ہر فرد کو آرام اور تفریح کا حق حاصل ہے۔
25	مناسب زندگی گزارنے کے معیار کا حق	ہر فرد کو گھر، کھانے، صحت، تعلیم اور محفوظ ماحول جیسی بنیادی سہولیات سے لطف اندوز ہونے کا حق حاصل ہے۔
26	تعلیم کا حق	ہر فرد کو اسکول جانے کا حق حاصل ہے اور ایلیمنٹری سطح تک تعلیم مفت ہونی چاہیے۔
27	برادری کی ثقافتی زندگی میں شریک ہونے کا حق	ہر فرد کو برادری کی ثقافتی زندگی میں آزادی سے شریک ہونے کا حق حاصل ہے، تاکہ وہ فن سے لطف اندوز ہو اور سائنسی ترقی اور اس کے نفع میں شریک ہو۔
28	آزاد اور منصفانہ دنیا میں رہنے کا حق	ہر فرد کو اس دنیا میں رہنے کا حق حاصل ہے، جہاں اس کے حقوق اور آزادیوں کا احترام کیا جائے۔
29	برادری کی ذمّے داری، انسانی حقوق کا احترام و تحفّظ	ہر فرد کی ذمہ داری ہے، کہ وہ دیگر افراد کے حقوق کا احترام و تحفظ کرے۔
30	ہر فرد کے انسانی حقوق ہیں اور انھیں غصب نہیں کیا جاسکتا	کسی بھی فرد یا گروہ کی یہ کوشش نہیں ہونی چاہیے، کہ وہ دوسروں کے انسانی حقوق کو غصب کرے۔

قومی اور عالمی سطح پر انسانی حقوق کے شعور و آگاہی میں ترقی

اقوام متحدہ (UN) کا ادارہ ایک عالمی تنظیم ہے۔ اس تنظیم کا مقصد، دنیا میں امن اور استحکام کو برقرار رکھنا ہے۔ یہ نوعِ انسان کی فلاح و بہبودی کے لیے بھی کام کرتی ہے۔ اسے انسانی حقوق کی پامالی اور خلاف ورزی کے واقعات کی تحقیقات کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ انسانی حقوق کی کونسل، جنرل اسمبلی کا ایک ماتحت ادارہ ہے جو جنرل اسمبلی کو براہ راست رپورٹ ارسال کرتا ہے۔ اس کا رتبہ سیکیورٹی کونسل سے کم ہے، جو کہ اقوام متحدہ کے منشور کی ترجمانی کے لیے حتمی بااختیار ادارہ ہے۔ اقوام متحدہ کے کل

کیا آپ جانتے ہیں؟

حکومتِ پاکستان نے ملازمت اور کام کاج کی سرگرمیوں کے مقامات پر خواتین کو ہراساں کرنے اور خوفزدہ کرنے کے خلاف "تحفظ ایکٹ" 2010ء میں منظور کیا تھا۔ مزید معلومات کے لیے درج ذیل لنک کھولیے:

http://www.na.gov.pk/uploads/documents/1399368475_218.pdf

ارکان میں سے سینتالیس (47) ارکان، کونسل میں معاملات پر تبادلہ خیال اور سوچ بچار کر سکتے ہیں۔ کونسل کا مرکزی دفتر جنیوا میں واقع ہے۔ اس کے اجلاس ایک سال میں تین مرتبہ منعقد ہوتے ہیں، جب کہ ہنگامی صورت حال کے پیشِ نظر اضافی اجلاس بھی منعقد ہوتے ہیں۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان کا آئین، ریاستِ پاکستان کو کسی امتیاز کے بغیر، اس کے تمام شہریوں کے انسانی حقوق کے تحفظ اور انھیں ترقی دینے کا ذمہ دار قرار دیتا ہے۔ علاوہ ازیں، پاکستان عالمی برادری کا ذمہ دار رکن ہونے کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریوں کی تکمیل کو اعزاز سمجھتا ہے۔

پاکستان، انسانی حقوق کے بنیادی بین الاقوامی کنونشنز کے دستخط کنندہ ہونے کے ناطے، انسانی حقوق کے عالمی معیاروں کو برقرار رکھنے اور قومی سطح پر ان پر عمل درآمد کے لیے پرعزم ہے۔

سرگرمی:

1973ء کے آئین کے تحت شہریوں کے حقوق کو اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے عالمی منشور 1948ء کے تحت شہریوں کو فراہم کردہ حقوق سے موازنہ اور تقابلہ کیجیے۔

خلاصہ

اس باب میں ہم نے انسانی حقوق کے تصور اور اقوام متحدہ کے "عالمی منشور انسانی حقوق" (UDHR) کے تحت شہریوں کے انسانی حقوق سے متعلق معلومات کا مطالعہ کیا۔ ہم نے اقوام متحدہ کے "عالمی منشور انسانی حقوق" کا اجمالی مطالعہ کیا۔

مشق

اپنی معلومات اور تفہیم کا جائزہ لیجیے۔

درج ذیل سوالات کے جوابات دیجیے:

- انسانی حقوق کی بنیادی خصوصیات کو اپنے الفاظ میں تحریر کیجیے۔
- پاکستان کے شہریوں کے حقوق اور ذمے داریوں پر تفصیلی بحث کیجیے۔
- پاکستان میں انسانی حقوق کے حالات کا تنقیدی جائزہ لیجیے اور ان کے تحفظ کے لیے تدابیر تجویز کیجیے۔
- اقوامی متحدہ کے انسانی حقوق کے عالمی منشور 1948ء کو بیان کیجیے۔

درج ذیل بیانات میں ذمّے داریوں اور حقوق کو پہچانیے اور درجہ بندی کیجیے:

- قانون کی پاس داری کرنا۔
- قانون کی نظر میں تمام شہریوں میں مساوات۔
- انتخابات میں ووٹ استعمال کرنا۔
- اظہار خیال کی آزادی۔
- اختلاف رائے کا احترام
- آزادی اور تحفظ
- پڑوس کی صفائی ستھرائی
- ملکیت کا تحفظ
- ملک کا دفاع کرنا۔

خالی جگہیں پُر کیجیے۔

- ________ وہ حقوق ہیں جو ہر فرد میں بنی نوع انسان ہونے کے بنا پر موروثی طور پر موجود ہوتے ہیں۔
- اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے عالمی منشور (UDHR) کو جنرل اسمبلی نے ________ کو منظور کیا تھا۔
- اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے منشور کے دفعہ ________ میں تعلیم کے حق پر زور دیا گیا ہے۔

تحقیق کیجیے:

- انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے ایک جانب دار مقدمہ کے بارے میں تحقیقات کیجیے اور اس کی دادرسی کے طریقوں کو تلاش کیجیے۔
- شہریوں کے حقوق کے تحفّظ کے بارے میں ریاست کے کردار پر ایک تحقیق قائم کیجیے۔

دوسروں سے تعاون کیجیے:

درج ذیل موضوعات پر نمائشی نمونے تشکیل دینے کی خاطر طلبہ کے دو گروہ بنائیے:

- 1973ء کے آئین کے تحت شہریوں کے حقوق اور ذمّے داریاں۔
- اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے منشور 1948ء کے تحت شہریوں کو عطا کردہ حقوق۔

اساتذہ کے لیے نوٹ: بنیادی حقوق کی مزید تفہیم کے لیے آئین پاکستان 1973ء کا مطالعہ کیجیے۔

تیرھواں باب

شہریوں کے حقوق کا تحفظ اور اداروں کا کردار

PROTECTION OF CITIZEN'S RIGHTS AND THE ROLE OF INSTITUTIONS

اس باب کے اختتام پر طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

- پاکستان کے شہریوں کی جانب سے داخل کردہ شکایات حل کرنے کے بارے میں محتسب کا کردار بیان کر سکیں۔
- محتسب کے اختیارات اور وظائف کے بارے میں تبادلہ خیالات کر سکیں اور باضابطہ مباحثہ کر سکیں۔
- خواتین سے پیش آنے والے معاملات بشمول گھریلو تشدد کے معاملات کو حل کرنے میں پاکستان میں خاتون محتسب کے کردار کو بیان کر سکیں۔
- پاکستان میں تحفظِ حقوق کے بارے میں شعبۂ انسانی حقوق کے کردار کی وضاحت کر سکیں۔
- پاکستان میں وزارتِ انسانی حقوق کے فرائض بیان کر سکیں۔

تعارف

اس باب میں ہم پاکستان میں محتسب اور وزارتِ انسانی حقوق کے بارے میں تفصیل سے مطالعہ کریں گے۔

محتسب کا کردار

محتسب کے ادارہ کو عام طور پر "غریب کی عدالت" سمجھا جاتا ہے۔ یہ پاکستان کے لوگوں کی تین دہائیوں سے زیادہ عرصے سے اہم خدمت انجام دیتا چلا آ رہا ہے۔ محتسب ایک سرکاری عہدیدار ہوتا ہے، جسے حکومت یا پارلیمانٹ کی جانب سے خود مختاری کے عہدے پر فائز کیا جاتا ہے۔ اسے بدانتظامی کی شکایات پر توجہ دینے یا حقوق کی خلاف ورزی کی تفتیش کے ذریعے مفادِ عامّہ کی نمائندگی کرنے کی ذمّے داری سونپی جاتی ہے۔ انتظامی احتساب پر عملدرآمد کرانے سے ان کے کردار سے یقین دہانی ہوتی ہے، کہ عوامی خدمات کی سرگرمیوں، خصوصاً فیصلہ سازی کے لیے اختیارات کا استعمال نہ صرف مناسب ہو بلکہ مستقل منصفانہ ہو۔

محتسب کا مقصد، کسی شخص سے ہونے والی کسی ناانصافی کی تفتیش اور درستگی کے عمل کے ذریعے، انتظامی احتساب پر عملدرآمد کرانے کے نظام کو ادارے کا روپ دینا ہوتا ہے۔ محتسب کو ان لوگوں کو ہرجانہ یا معاوضہ دینے کا اختیار ہوتا ہے، جن کو بدانتظامی کے نتیجے میں نقصان یا خسارہ ہوتا ہے۔ اس ادارے کا مقصد، شہری اور منتظم کے درمیان حائل دوری کو ختم

کرنا ہوتا ہے، تاکہ انتظامی طریقہ کار اور عملدرآمد کی کارروائی کو بہتر بنایا جائے۔ محتسب کا ادارہ، صوابدیدی اختیارات کے غلط استعمال کو روکنے میں مدد کرتا ہے۔

محتسب کو اختیار دیا گیا ہے، کہ وہ عام متاثرہ شخص کی شکایات وصول کرے، سمجھے اور ان کی تفتیش کرے۔ مقاصد کے حصول کی خاطر محتسب کا ادارہ، عوام کے لیے بہت زیادہ قابل رسائی ادارہ بنایا جا چکا ہے۔

شکایات درج کرانے کے طریقے

محتسب کے دفتر میں متعدد طریقوں سے شکایت کا اندراج ہو سکتا ہے:

شکایت کو ڈاک اور فیکس کے ذریعے یا شخصی طور پر درج کرایا جا سکتا ہے۔ اسے ای-میل یا محتسب کی ویب سائیٹ پر فراہم کردہ براہِ راست لنک کو استعمال کرتے ہوئے، آن لائین بھی رجسٹر کرایا جا سکتا ہے۔ شکایت وصول ہونے پر شکایت پر رجسٹرار کارروائی شروع کرتا ہے اور اسی دن پر ہر ایک مقدمہ پر منفرد نمبر لگایا جاتا ہے۔

محتسب کے اختیارات اور فرائض

قانون، محتسب کو اختیار دیتا ہے، کہ وہ کسی بھی محکمہ، کمیشن یا حکومت کے ادارے، یا نیم-خود مختار کارپوریشن یا حکومت کی جانب سے تشکیل کردہ یا ضابطے میں چلنے والے کسی دوسرے ادارے کے خلاف درج ہونے والی شکایات پر کارروائی شروع کرے۔ اس میں ہائی کورٹ اور وہ عدالتیں شامل نہیں ہیں، جو ہائی کورٹ یا صوبائی اسمبلی اور ان کے سیکریٹریٹ کی نگرانی میں کام کرتی ہیں۔

محتسب کسی بھی متاثرہ شخص کی شکایت پر، حکومت یا صوبائی اسمبلی کی جانب سے کسی دائر کردہ ریفرنس پر یا سپریم کورٹ یا ہائی کورٹ کی تحریک پر یا اس کی اپنی ذاتی تحریک (suo moto) پر کسی ادارے کی جانب سے یا اس کے افسران یا ملازمین کی جانب سے 'بدانتظامی' کے الزام پر تفتیش کی ذمہ داری سنبھال سکتا ہے۔ بہرحال، محتسب کو ان معاملات کی تحقیقات کرنے یا تفتیش کرنے کا اختیار نہیں ہے، جو کہ:

(الف) کسی بااختیار عدالت کے سامنے عدالتی کارروائی کا حصہ ہوں۔

(ب) پاکستان کے بیرونی معاملات سے متعلق ہوں یا پاکستان کے دفاع یا پاکستان کی بری افواج، بحری افواج اور ہوائی افواج سے متعلق ہوں یا وہ معاملات افواج سے منسلک قوانین کے دائرہ اختیار میں آتے ہوں۔

محتسب کسی سرکاری ملازم یا ادارے کی جانب سے یا ان کی جانب سے کسی دوسرے شخص کی داخل کردہ ذاتی یا ملازمت سے متعلق شکایت پر تحقیقات کی بھی کارروائی شروع نہیں کر سکتا، جس کا کوئی معاملہ ایسی ایجنسی سے منسلک ہو، جس میں وہ سرکاری ملازم ملازمت کر چکا ہو یا ملازمت کرتا ہو، کہ وہ شکایت ذاتی شکایت ہو یا اس ادارے میں اس کی ملازمت سے متعلق ہو۔

- محتسب کے وہی اختیارات ہیں، جو کسی دیوانی عدالت کو سول پروسیجر کوڈ کے تحت کسی شخص کو پیشی پر طلب کرنے اور اس کی حاضری کو یقینی بنانے کے لیے حاصل ہیں۔
- محتسب دستاویزات کو پیش کرنے پر مجبور کرنے، دستاویزات پر گواہی لینے اور گواہوں سے تفتیش کے لیے ہدایت جاری کر سکتا ہے۔
- محتسب کو کسی چاردیواری میں داخل ہونے، تلاشی لینے اور کسی شے، مالیاتی اور دیگر دستاویزات کا جائزہ لینے کے اختیارات حاصل ہیں۔
- محتسب کے پاس، چند تبدیلیوں کے ساتھ، ہائی کورٹ کی طرح وہ یکساں اختیار ہوتے ہیں، جیسا کہ اس کی طرف سے دیے گئے کسی فیصلہ یا حکم کی توہین پر کسی شخص کو سزا دینے کا اختیار حاصل ہے۔

پاکستان میں خاتون محتسب

ملازمت اور کام کاج کے مقامات پر خواتین کو ہراساں کرنے اور خوفزدہ کرنے کے خلاف تحفظ ایکٹ 2010ء کے تحت یہ ادارہ وجود میں آیا، جسے پاکستان کی پارلیمنٹ نے منظور کیا تھا۔ اس قانون کو ملازمت اور کام کاج کے مقامات پر خواتین کو ہراساں اور خوف زدہ کرنے کی شکایت پر فوری طور پر مؤثر ازالے کے غرض سے نافذ کیا گیا ہے۔ اس قانون کا مقصد کسی بھی مرد یا خاتون کو دھمکی یا ہراساں کی سرگرمیوں کے خلاف مدد فراہم کرنا ہے، جو مستقل یا کانٹریکٹ کے تحت عارضی ملازم ہو، یا اُسے روزانہ، ہفتہ وار، ماہانہ یا فی گھنٹے کی بنیاد پر ملازمت دی گئی ہو اور اس میں عارضی یا کارآموز ملازمین بھی شامل ہیں۔ اس ایکٹ کا مقصد خواتین کے لیے محفوظ کام کا ماحول پیدا کرنا ہے، جو خوف، گالم گلوچ اور ہراسگی سے آزاد ہو، تاکہ وہ عظمت سے کام کرنے کے حق کو استعمال کریں۔

متاثرہ شخص مفت میں آن لائین یا ڈاک کے ذریعے خاتون محتسب اسلام آباد یا صوبوں میں اُن کے مقرر کردہ نگراں افسر کے پاس شکایت داخل کرا سکتا ہے۔

انسانی حقوق کی وفاقی وزارت کے فرائض

وزارتِ انسانی حقوق کی لاتعداد فرائض ہیں۔ چند سب سے زیادہ اہم فرائض درج ذیل ہیں:

- ملک میں انسانی حقوق اور مزدوروں کے حقوق کی صورتحال کے تحفظ سمیت قوانین، پالیسیوں اور جاری اقدامات پر عملدرآمد کا جائزہ لینا۔

- انسانی حقوق کے ضمن میں وزارتوں، ڈویژنوں اور صوبائی حکومتوں کی سرگرمیوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنا اور انسانی حقوق سے متعلق سرگرمیوں میں سہولیات فراہم کرنا۔
- وزارتوں، ڈویژنوں اور صوبائی حکومتوں اور دیگر اداروں سے انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی شکایات اور الزامات پر معلومات، دستاویزات اور رپورٹیں وصول کرنا۔
- انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے واقعات بشمول معذور اشخاص کے حقوق اور بچوں کے حقوق کے ضمن میں تحقیقات اور تفتیش کا حوالہ دینا اور سفارشات پیش کرنا۔
- انسانی حقوق سے منسلک پاکستان کے لیے اور اس کے خلاف معاملات، نمائندگی کی شکایات اور معاملات کی انجام دہی یا اُن کا دفاع کرنا۔

شعبۂ انسانی حقوق (HRC)، سپریم کورٹ

شعبۂ انسانی حقوق، سپریم کورٹ میں قائم کیا گیا ہے۔ وہ پاکستان میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے خلاف عوام کی جانب سے براہ راست ارسال کردہ درخواستوں پر کارروائیاں کرتا ہے۔ اس شعبے کے قائم ہونے کا اہم مقصد، عوام کو وسیع پیمانے پر جلد از جلد اور بلا قیمت مصیبت سے نجات فراہم کرنا ہے۔ شعبۂ انسانی حقوق کے بہت سے وظائف ہیں۔ وہ اِی-میل یا ڈاک کے ذریعے عوام کی جانب سے ارسال کردہ درخواستیں وصول کرتا ہے۔ شعبۂ انسانی حقوق (HRC)، متعلقہ فریقین کی جانب خطوط ارسال کرتا ہے اور شکایات کے متن/ پیراگراف کے بارے میں رپورٹ طلب کرتا ہے۔ علاوہ ازیں، یہ انتظامی اعتبار سے عوام کو فوری انصاف بھی فراہم کرتا ہے۔ بیرونی ممالک میں رہائش پذیر شہریوں کے لیے شعبۂ شکایات بھی قائم کیا گیا ہے، جو پاکستان سے بیرون ملک رہنے والے پاکستانیوں کی شکایات پر مبنی درخواستوں پر کارروائی کرتا ہے۔

انسانی حقوق کا محکمہ، حکومتِ سندھ

ماضی قریب میں حکومتِ سندھ نے بھی انسانی حقوق کا محکمہ قائم کیا ہے۔ اس محکمے کا اہم مقصد صوبے میں رہنے والے تمام لوگوں کے انسانی حقوق کو یقینی بنانا ہے۔ محکمہ نے انسانی حقوق کا ایک شکایتی شعبہ بھی تشکیل دیا ہے، تاکہ سندھ میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے بارے میں متعدد شکایات کو فوری نمٹایا جائے۔

خلاصہ

اس باب میں ہم نے محتسب کے اختیارات اور فرائض اور پاکستان میں وزارتِ انسانی حقوق کے بارے میں تفصیل سے مطالعہ کیا۔

مشق

اپنی معلومات اور تفہیم کا جائزہ لیجیے۔

درج ذیل سوالات کے جوابات دیجیے:

- عوامی شکایات کی دادرسی میں محتسب کے کردار پر روشنی ڈالیے۔
- درج ذیل پر مختصر نوٹ لکھیے:
  - (الف) پاکستان میں خاتون محتسب کا کیا کردار ہے؟
  - (ب) سپریم کورٹ کی جانب سے قائم کردہ شعبۂ انسانی حقوق (HRC) کا کیا کردار ہے؟
  - (ج) پاکستان میں وزارتِ انسانی حقوق کے فرائض کون سے ہیں؟
- اپنے علاقے میں ہراساں کرنے کے مختلف طریقوں کو پہچانیے اور ان میں سے دو کوئی طریقوں پر تفصیلی نوٹ لکھیے۔

خالی جگہیں پُر کیجیے۔

- محتسب کے ادارے عام طور پر ________ کی طرح سمجھا جاتا ہے۔
- محتسب کے پاس، چند تبدیلیوں کے ساتھ، ________ کورٹ کی طرح وہ یکساں اختیار ہوتے ہیں، جیسا کہ اس کی طرف سے دیے گئے کسی فیصلے یا حکم کی توہین پر کسی شخص کو سزا دینے کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔
- پاکستان کی پارلیمنٹ نے ملازمت اور کام کاج کے مقامات پر خواتین کو ہراساں کرنے اور خوفزدہ کرنے کے خلاف تحفظ ایکٹ کو ________ میں منظور کیا تھا۔

فرضی عدالت قائم کیجیے:

- پاکستان میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے تازہ ترین مقدمات کی تفتیش اور تحقیق کیجیے۔

دوسروں سے تعاون کیجیے:

گروہوں میں، محتسب کے اختیارات اور فرائض پر تنقید اور بحث کیجیے اور اسے کلاس کی سامنے پیش کیجیے۔

پیش لفظ

سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ ایک ایسا تعلیمی ادارہ ہے جس کا فریضہ درسی کتب کی تیاری و اشاعت ہے۔ اس کا اوّلین مقصد ایسی درسی کتابوں کی تیاری و فراہمی ہے جو نسلِ نو کو شعور و آگہی اور ایسی صلاحیت بخشیں جن کے ذریعے وہ اسلام کے نظریات، بھائی چارے، اسلاف کے کارناموں اور اپنے ثقافتی ورثہ و روایات کی پاسداری کرتے ہوئے دورِ جدید کے نت نئے سائنسی، تکنیکی اور معاشرتی تقاضوں کا مقابلہ کر کے کامیاب زندگی گزار سکیں۔

اس اعلیٰ مقصد کی تکمیل کی غرض سے اہلِ علم، ماہرینِ مضامین، مدرسین کرام اور مخلص احباب کی ایک ٹیم ہر سمت سے حاصل ہونے والی تجاویز کی روشنی میں درسی کتب کے معیار، جائزے اور ان کی اصلاح کے لیے ہمارے ساتھ مصروفِ عمل ہے۔

ہمارے ماہرین اور اشاعتی عملے کے لیے اپنے مطلوبہ مقاصد کا حصول اسی صورت میں ممکن ہے کہ ان کتب سے اساتذہ کرام اور طلبہ و طالبات کماحقہ استفادہ کریں۔ علاوہ ازیں ان کی تجاویز و آراء ان کتب کی معیار کو مزید بہتر بنانے میں ہمارے لیے مدد و معاون ثابت ہوں گی۔

چیئرمین

سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ

نظریہ کا مفہوم، ماخذ اور اہمیت

(الف) نظریے کا معنی و مفہوم:

لفظ آئیڈیالوجی (Ideology) اصلاً فرانسیسی لفظ ہے۔ یہ دو اجزا یعنی "آئیڈیا" اور "لوجی" سے مل کر بنا ہے۔ کوئی بھی نظریہ یا آئیڈیالوجی زندگی یا ثقافت کے بارے میں تصورات کی منظم اور باقاعدہ شکل کا نام ہے۔ کوئی بھی نظریہ اعلیٰ اور مؤثر ذہنوں کا حاصل اور اختراع بھی ہو سکتا ہے یا یہ الہامی رہنمائی کے نتیجے میں بھی پیدا ہو سکتا ہے۔

نظریہ کا لفظ عام طور سے زیادہ وسیع معنوں میں استعمال ہوتا ہے کیونکہ تمام انسانوں کے سوچنے کے انداز منفرد ہوتے ہیں۔ اس سے انسانی زندگی کا ایک ایسا نظام وجود میں آتا ہے جس کے لازمی اجزا میں اعتقادات، نظریات اور حیاتِ انسانی کے مقاصد شامل ہیں۔ یہ کسی بھی معاشرے کی ایسی تسلیم شدہ شکل ہے کہ جس میں اس کے افراد کے اعتقادات، رسوم رواج اور مذہبی رسوم مشترک ہوں۔

دوسرے معاشروں کے مقابلے میں اسلامی معاشرہ اس طرح بالکل منفرد اور یکتا ہے کیوں کہ اس کا ماخذ، اصول اور نظریات قرآنِ مجید اور سنّت سے حاصل کیے گئے ہیں۔ اسلام ایک آفاقی دین اور مکمل ضابطہء حیات ہے۔ اس کی تعلیمات رنگ اور نسل کے تمام امتیازات کو مٹا دیتی ہیں اور اس کے ماننے والوں کو ابدی و دائمی بھائی چارے کے بندھن میں باندھ دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس معاشرے کے افراد کے خیالات، افعال و اعمال اور رسوم و رواج اسلام کے اصولوں کے مطابق ہونے چاہئیں۔ تمام افراد اس بات کے پابند ہیں کہ وہ اپنی زندگیاں اسلامی ضابطہء حیات کے مطابق بسر کریں۔ اسلامی معاشرے کی بنیاد ہمارے پیارے نبی حضرت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ (حضرت محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اللہ کے آخری نبی اور رسول ہیں، آپ (ﷺ) پر اور آپ کے آل اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر رحمت اور سلامتی ہو۔) نے رکھی تھی۔ اسلامی معاشرہ احکامِ الٰہی سے مزیّن ہے کہ جس میں احترامِ انسانیت، برداشت، عدل و انصاف، اخوّت اور بقائے باہمی کو اوّلیت حاصل ہے۔